شبِ تنہائی

(ناول)

انتظار حسین

ناشر

نیو تاج آفس پوسٹ بکس نمبر ۱۷۴۹ دہلی

شب تنہائی

ناول

قیمت :- پانچ روپے

مطبوعہ :- کمال پرنٹنگ پریس دھلی

"احمد سلمان کے نام"

۷

زیر بحث مسئلہ ایک طوائف کی فطرت تھی۔

سلیم ایک عرصہ کے بعد رخشندہ کے گھر آیا تو وہ موجود نہ تھی اسکی ماں نرگس نے بڑی خندہ پیشانی سے اُسے ڈرائنگ روم میں لیجاکر بٹھایا۔ گلاب کنیز نے وہیں ایک چھوٹی سی میز پہ چائے لگادی اور یہ دونوں بیٹھکر ٹیبل پر گفتگو کرنے لگے، اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد جو تلاش نظروں سے جاری تھی وہ بالآخر سوال بنکر سلیم کی زبان پر آگئی۔

رخشندہ کہاں ہے؟

نرگس پہلے مسکرائی، وہ جانتی تھی کہ اسکے آنے کا مقصد ہی رخشندہ کی تلاش ہے اور اس رسمی گفتگو کے دوران میں بھی وہ برابر سلیم کی نظروں کا جائزہ لیتی رہی جو ہر آہٹ پر اُٹھ اٹھ کر ناامید ہو جاتی تھیں۔ وہ کہنے لگی۔

رخشندہ کو تو صبح ہی سے خالد آکر اپنے ہمراہ لے گئے۔ آج کوئی نئے ماڈل کی گاڑی لے کر آئے تھے۔ بتلا رہے تھے کہ اتنی خوب صورت موٹر شاید ہی شہر میں کسی کے پاس ہو۔ میں نے بھی اتنی دلکش گاڑی ابھی تک نہیں دیکھی، اسی پر رخشندہ کو لے کر چلے گئے۔

نرگس نے دیکھا کہ سلیم کے چہرہ پر کچھ عجب کرب کے آثار پیدا ہوئے، اور غائب ہو گئے۔ سلیم ہی رخشندہ کا پہلا ساتھی تھا۔ دونوں آپس میں انتہائی بے تکلف بھی تھے کچھ تو ہم جماعت ہونے کی وجہ سے اس کے علاوہ رخشندہ چونکہ ایک طوائف کی لڑکی تھی اور تعلیم پاکر جب اسے اپنے موروثی پیشہ سے نفرت ہوئی تو سلیم اس کی امیدوں کا مرکز بن گیا۔

خالد کو وہی ایک دن اپنے ساتھ لے کر آیا۔ مدعا خودستائی کے علاوہ اور کچھ نہ تھا یعنی یہ کہ خالد اس کی قسمت پر رشک کرے جس وقت کا یہ ذکر ہے وہ زمانہ ایسا ہی تھا سلیم اور رخشندہ ایک دوسرے کے دیوانے تھے۔ خالد اپنی بے انتہا امارت کے زعم میں ان دونوں کی قربت کو حسد کی نگاہوں سے دیکھتا رہا۔ مگر جب آخر کار دولت نے خالد کو رخشندہ کے قریب اور سلیم کو دور کیا تو زیر بحث مسئلہ خود رخشندہ نہ تھی بلکہ "ایک طوائف کی فطرت"

نرگس نے پھر اپنی دلیل پیش کرتے ہوئے کہا۔

تعلیم یا ماحول کسی کے فطری رجحانات نہیں چھین سکے، آپ نے ہمیشہ رخشندہ کے سامنے عصمت فروشی کی مذمت کی اُسے پاکیزہ خیالات دیئے۔

اپنے خاندانی اقتدار کو ٹھکرا کر اس کے ساتھ شادی کا عہد و پیمان کیا مگر نتیجہ کیا نکلا؟ کام وہی چیزیں آئیں جنکا اسکی فطرت سے گہرا لگاؤ تھا۔

فطرت بدل بھی تو جایا کرتی ہے سلیم کہنے لگا۔ تعلیم اپنے اثرات چھوڑتی ہے یہ اور بات ہے کہ ہم دونوں ایک مدت تک ساتھ رہکر بچھڑ گئے لیکن آپ نے آزادی بھی بیحد دے رکھی تھی انھیں۔

فطرت کا بدلنا تو میں نے کبھی نہیں سنا نرگس نے اسی طرح زیر لب مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ البتہ عادتیں بدل سکتی ہیں، اب رہی آزادی وہ ہماری زندگی کا ایک بہانہ ہے۔ میں آپ کو ایک حقیقت بار بار یاد دلاتی رہی کہ یہ ایک طوائف کا گھر ہے اور جسے آپ برابر بھلانے کی کوشش کرتے رہے۔ آپ نے جن طریقوں کو یہاں برتا وہ ہمارے آداب میں شامل نہ تھے پھر کام بنتا تو کس طرح؟

خیر چھوڑئیے اس قصہ کو سلیم نے چائے کا گرم گرم گھونٹ لیکر کہا۔ میں اس موضوع پر کوئی گفتگو کرنا نہیں چاہتا۔ رخشندہ کی زندگی آپکی زندگی سے مختلف تھی اور اس کا اقرار آپ بھی بار بار کر چکی ہیں کہ آپ کے پیشہ سے اُس کو دور کا لگاؤ نہیں۔ میں جن طریقوں کو برت رہا تھا، وہ رخشندہ کے لئے تھے نا کہ اسکے گھر کے لئے۔

نرگس کی مسکراہٹ ایک قہقہہ بنکر پھوٹ نکلی۔ اس کے نزدیک سلیم تو محض ایک جذباتی نوجوان تھا جو نہ دنیا کے نشیب و فراز سے واقف تھا نہ زندگی کے سربستہ رازوں سے وہ کہنے لگی۔

مگر آپ نے اس حقیقت کو اتنی جلدی کیوں بھلا دیا کہ وہ ایک طوائف کی لڑکی ہے، اس کے ضمیر، اسکی فطرت میں بناوٹ شامل ہے۔ میں تو یہ سمجھتی ہوں کہ شاید اسی لئے آپ رخشندہ کو اپنی طرف راغب نہ کر سکے آپ نے اسے خالد سے کہیں پہلے پایا تھا مگر جب مقابلہ پر آئے تو وہ آپ سے اتنی دور ہٹ کر کھڑی ہو گئی جیسے کبھی کی شناسائی نہ ہو۔

کیا معلوم یہ خلوص اور محبت جو آج آپ خالد کے ساتھ دیکھ رہی ہیں کسی اچھے نتیجہ پر ختم نہ ہو۔ طبیعت میں اگر بناوٹ اور مکاری کا عنصر زیادہ ہو تو اس پر بھروسہ ہی کیا؟

میں نے اس معاملہ پر بھی اکثر سنجیدگی سے غور کیا لیکن کسی خاطر خواہ نتیجہ پر نہیں پہنچی۔ یہ سچ ہے کہ اتنی تعلیم یافتہ لڑکی ہمارے خاندان میں اور کوئی نہیں گذری مجھے اپنی ایک غلطی کا اعتراف ہے اور وہ یہ کہ عشق کا پہلا سبق شروع میں ہمارے یہاں جس نوعیت سے دیا جاتا ہے وہ ہم رخشندہ کو نہ دے سکے اور اس کے دل و دماغ پر دوسری چیزوں کا قبضہ ہو گیا۔ ان تمام باتوں میں نواب صاحب مرحوم کا ہاتھ تھا۔ وہ اسے میرے ساتھ مجروں میں بیٹھنے کی اجازت نہ دیتے تھے

ان کے انتقال کے بعد میں نے اسے راہِ راست پر لانا چاہا مگر پانی سر سے اونچا ہو چکا تھا۔ وہ کالج میں تعلیم پا رہی تھی۔ اس کی زندگی میں آپ اور خالد داخل ہو چکے تھے۔ مگر مجھے اب بھی یہ اطمینان ہے کہ رخشندہ نے یہ کھیل اور لڑکیوں کی طرح بیوقوفی کے ساتھ نہیں کھیلا۔ یہ تو شاید

آپ کو معلوم ہی ہو گا کہ دونوں نے شادی کا اعلان کر دیا ہے، جو اسی ہفتہ میں ہو جائے گی۔

مجھے نہیں معلوم تھا اور معلوم بھی کس طرح ہوتا نہ میں اب خالد ہی کا دوست رہا اور نہ رخشندہ مجھے پہچانتی ہیں۔ وہ دونوں لوٹکر آئیں تو میری طرف سے مبارکباد دے دیجئے گا۔

سلیم اٹھ کر جانے لگا تو نرگس نے پھر ہاتھ پکڑ کر اسے بٹھا دیا وہ عادتاً ہر ایک سے اس قسم کی نصیحتیں کرنے کی عادی سی تھی اور سلیم کی تو وہ اس لئے اور بھی خاطر داری کرتی تھی کہ خالد ایسے لکھ پتی کو وہی اس کے گھر لے کر آیا۔ اس سے اس قسم کی گفتگو کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ نفرت کا بیج جو اب اس کے دل میں رخشندہ کی طرف سے پڑ چکا تھا وہ اتنی جڑ پکڑ لے کہ یہ دونوں پھر کبھی آپس میں نہ مل سکیں کیونکہ ہر امکانی اطمینان کے باوجود یہ خدشہ بھی اس کے دل میں باقی تھا کہ دونوں کی پہلی محبت پھر کبھی کوئی گل نہ کھلا بیٹھے اور جسکی وجہ سے خالد منحرف ہو کر الگ ہو جائے۔ اس نے سلیم کو چائے کی دوسری پیالی پیش کرتے ہوئے کہا۔

مبارکباد تو خیر دے دونگی مگر میں یہ سوچتی ہوں کہ یہ موقع انہیں آپ ہی نے تو دیا؟ مجھے یاد ہے کہ رخشندہ آپ سے کافی خوش تھی آپ کی آواز سن کر سوتے سے جاگ جانا اس کا معمول تھا۔ پھر یہ انقلاب کس طرح آگیا۔

سلیم نے بظاہر اس مشکل سوال کو ایک طنز بھری ہنسی کے ساتھ ٹالنا چاہا مگر الفاظ خود بخود اسکی زبان سے ادا ہونے لگے وہ بولا۔

آپ یہ سب کچھ مجھ سے پوچھتی ہیں۔ رخشندہ کی فطرت سمجھنے کے بعد آپ یہ سوال مجھ سے کر رہی ہیں؟

جی ہاں آپ سے۔ اس لئے کہ آپ نے کبھی یہ یقین نہیں کیا کہ میں رخشندہ کو آپ دونوں سے زیادہ بہتر سمجھتی ہوں، اُسے میں نے پیدا کیا ہے۔

سلیم نے گردن نیچی کر لی۔ مطلب یہ تھا کہ اسے اپنی غلطی کا اعتراف ہے۔ اس نے پھر دوبارہ اٹھنے کی کوشش کی مگر نرگس نے دامن پکڑ لیا وہ تو چاہتی تھی کہ خالد اور رخشندہ اپنی نئی ماڈل کی چمچماتی ہوئی گاڑی پر قہقہے لگاتے ہوئے سلیم کی موجودگی میں آجاتے اور جس سے اس کے دل پر ایک اور کاری ضرب لگتی۔ نرگس نے اس کو اپنی باتوں میں بہلاتے ہوئے پھر کہا۔

کتنا اچھا ہوتا اگر خالد میں مستقل مزاجی بھی ہوتی۔ ان میں لڑکپن زیادہ ہے اور ابھی عمر ہی کیا ہے ان کی؟ سن کے ساتھ سنجیدگی بڑھے گی، بہرحال مجھے یہ رشتہ منظور ہے۔ آپ کی کیا رائے ہے سلیم صاحب؟

میری رائے؟ سلیم نرگس کی طرف دیکھ کر زبردستی مسکرایا۔ میں بھی اس رشتہ کو بُرا نہیں سمجھتا۔ واقعات جس طرح بھی کروٹ بدلیں مگر خالد میرا دوست ہے اور میں اس کا دشمن نہیں۔ اس طرف کئی مرتبہ اس کے گھر گیا مگر ملاقات نہ ہو سکی میں سوچا کہ آپ ہی کے یہاں چل کر اسکو پکڑ اجائے۔

تو یہ کہئے ہمارے گھر آنے کی زحمت محض خالد کی تلاش ہے، حالانکہ آپ نے آتے ہی رخشندہ کو پوچھا تھا۔

رخشندہ ہی سے خالد کا پتہ چلتا۔ ان میں سے کوئی ایک مل جائے تو دوسرے کا پتہ خود بخود معلوم ہو سکتا ہے اور رخشندہ سے تو مجھے یہ شکایت کرنا تھی کہ ہم دونوں ان کی وجہ سے کتنی دور دور ہو گئے۔

ایسا تو ہوتا ہے، دو روٹھے ہوئے دوستوں کے درمیان کوئی نہ کوئی عورت ضرور کھڑی ہوئی ملے گی۔

اتنا کہنے کے بعد نرگس نے کسی کی آہٹ پر ادھر ادھر دیکھا۔ سامنے کی گیلری سے خالد چپ چاپ، کھویا کھویا سا ڈرائنگ روم کے اندر داخل ہوا اور بغیر کسی قسم کی گفتگو کے ایک صوفہ پر بیٹھ کر کچھ سوچنے لگا۔ نرگس نے اس کو اتنا متفکر کبھی نہ دیکھا تھا، چہرہ پر ہوائیاں اڑتے ہوئے دیکھ کر اس کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے اور وہ ضرب کاری جو خالد اور رخشندہ کی سدا بہار شگفتگی سے سلیم کے دل پر لگتی نرگس خود ہی اس کا شکار ہو گئی خالد کی اس سراسیمگی کو دیکھ کر وہ پوچھنے لگی۔

خیریت تو ہے، اسقدر گھبرائے ہوئے کیوں ہو؟ پھر وہ سلیم کی طرف اشارہ کر کے بولی، انسے ملو انھیں تم سے شکایت ہے۔

خالد نے اپنے ہوش و حواس جمع کر کے سلیم کیطرف پہلی بار دیکھا اور معذرت بھرے انداز میں کہنے لگا۔

او ہو معاف کرنا، میری نگاہوں نے مجھے دھوکا دیا اور تم نظر

نہ آئے اور کہو اچھے ہو۔ کہاں رہے اتنے دنوں؟

میں کہیں بھی رہا اس سے تمہیں کوئی مطلب نہیں۔ مگر تم اسوقت اسقدر پریشان کیوں ہو؟ تمہارا چہرہ زرد پڑتا جا رہا ہے۔

قبل اس کے کہ خالد اس کو کوئی جواب دیتا، رخشندہ فوراً ہی اٹھلاتی ہوئی کمرہ میں داخل ہوئی۔ چہرہ پر وہی شوخی اور مسکراہٹ، اداؤں میں ویسا ہی متوالا پن۔ آتے ہی اس کی نظروں نے سلیم کا جائزہ بھی لے لیا۔ پہلے وہ اس کی طرف دیکھ کر کچھ تھوڑا سا مسکرائی۔ آنکھوں سے کچھ کہنے کے بعد پھر اس نے زبان کھولی۔

"وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے"

بات کی بات ہوگئی اور شکایت کی شکایت اور اس مصرع کی ادائیگی کے فوراً ہی بعد وہ نرگس کی طرف مڑ گئی۔

امّی مجھے غسل لینا ہے۔

اور اس خواہش کے اظہار کے فوراً ہی بعد اس نے گلاب کو آواز دیکر اسے اپنے حمام کی ہدایتیں دینا شروع کر دیں پانی اس قدر گرم ہو ٹوائلیٹ کا کون کون سا سامان رکھا جائے۔ نہانے کے بعد وہ کون سا جوڑا زیب تن کرے گی وغیرہ وغیرہ۔ معلوم یہ ہوتا تھا کہ خالد کی وحشت ناک گھبراہٹ کا اس کی ذات سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے، خالد اپنی جگہ پر اسی طرح چپ اور خاموش تھا۔ نرگس نے دونوں کی حالتوں میں اتنا بڑا فرق محسوس کرتے ہوئے پوچھا۔

آپس میں لڑائی ہوگئی کیا؟

رخشندہ کہنے لگی۔

لڑائی کے بعد آدمی گھبراتا نہیں روٹھتا ہے۔ انھیں دراصل وہم ہوگیا ہے ان کے موٹر سے ایک سخت حادثہ ہوگیا۔

نرگس کے تو پیروں کے نیچے سے زمین نکل گئی اور سلیم جو اب تک محض تماشائی بنا ہوا تھا اک دم گھبرا کر چلا اٹھا۔

حادثہ؟

جی ہاں رخشندہ نے سلیم کے تعجب کو کم کرنے کے لئے بڑے اطمینان سے بتلانا شروع کیا۔ پچاس ساٹھ میل کی رفتار سے موٹر جا رہا تھا کہ ایک بوڑھا زد میں آگیا۔

پھر مر گیا ہوگا؟

نرگس نے بڑی عجلت سے اپنی تشویش کا اظہار کرکے پوچھا مگر رخشندہ کے اطمینان پر کوئی چیز اثر انداز نہ ہوسکی وہ اسی لاپرواہی سے کہنے لگی۔

ظاہر ہے سڑک پر اُسی وقت پھڑک کر مر گیا۔ منہ سے خون کی ایک کلی ہوتے ہی اسنے دم توڑ دیا۔ مگر اس میں میرا یا ان کا کیا قصور۔ اس کی موت ہی اس بہانہ سے آئی تھی۔

راز کے فاش ہو جانے کے بعد خالد نے گھبرائی ہوئی نظروں سے پھر اِدھر اُدھر دیکھا۔ اس کی آنکھوں کا وہ اضطراب ظاہر کر رہا تھا جیسے یہ معلوم کرنا چاہتا ہو کہ اب کیا ہوگا؟ لیکن اس مشکل سوال کا جواب توفی الحال کسی

کے پاس نہ تھا۔ آخر کار اس نے گھبرا کر پھر سلیم ہی کا دامن پکڑا اس کی بلاغ نظروں میں وہ جو بچوں جیسا خوف و ہراس موجود تھا۔ اس نے سفارش کی اور سلیم نے انتہائی ہمدردی دکھا کر معاملہ کو اور زیادہ سمجھنے کے لئے اس سے سوال کیا۔

مگر کیا معلوم وہ اب تک زندہ ہو۔ تم نے گاڑی روک کر اسکی حالت دیکھی ؟

نہیں! میں تو گھبرا ہی گیا۔ اس کے علاوہ رخشندہ کی رائے ہوئی کہ یہاں رکنا خطرہ سے خالی نہیں اسلئے میں نے موٹر نہیں روکا مگر موت ضرور واقع ہو گئی ہوگی کیونکہ حادثہ انتہائی سخت قسم کا تھا۔

سلیم کہنے لگا موٹر روک لینا ضروری تھا تاکہ حادثہ کی شہادتیں مل سکتیں اس سڑک پر تو بے شمار لوگ ہونگے ؟

کوئی بھی نہ تھا، یہ جواب رخشندہ کا تھا۔ دراصل اس میں بھی خدا کو بھلائی منظور تھی مگر اب ان کی گھبراہٹ سے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ ساری دنیا کو اس واقع کا علم ہو گیا۔

مگر موٹر کا روکنا شاید ضروری تھا۔ سلیم نے معاملات پر مزید روشنی ڈالتے ہوئے رخشندہ کو بتلایا۔ اس بوڑھے کو اسپتال بھجوا دیتیں اور ساتھ ہی پولیس کو اطلاع۔

غرضیکہ بات اپنی زبان سے نکال کر دوسروں کے کانوں تک پہنچائی ضرور جاتی۔ رخشندہ نے یہ کہتے ہوئے قریب ہی رکھے ہوئے ریڈیو سٹ کو

کھول دیا۔ اناؤنسر کہہ رہا تھا۔

"یہ بمبئی ہے، پروگرام سننے سے پہلے ایک اعلان سنئے۔ آج شام گنیش باغ کے قریب باہر روڈ پر شہر کے سب سے مشہور تاجر عبدالحلیم کی لاش پائی گئی۔ موت کسی حادثہ سے واقع ہوئی ہے جو شخص واردات کو تفصیل سے بیان کرنے کے بعد قاتل کا نام و نشان بتائیگا اسے پچاس لاکھ روپیہ انعام ملیگا۔"

سلیم نے چونک کر کہا۔ دیکھا آپ نے وہ بوڑھا تاجر عبدالحلیم تھا۔

عبدالحلیم۔ ؟ نرگس نے بھی اضطراب سے اپنی بڑی بڑی آنکھیں نکال کر اسکا نام دہرایا۔ وہ خوف سے چلا پڑی۔ ریڈیو بند کرو درخشندہ خدا کے لئے ریڈیو بند کرو۔

درخشندہ نے ریڈیو آف کرتے ہوئے کہا۔

لیکن یہ کیسے معلوم ہے کہ عبدالحلیم کی موت کا باعث ہم لوگ ہیں؟ اور اتنا کہنے کے بعد وہ اسی طرح اٹھلاتی ہوئی غسل لینے چلی گئی +

ہر قسم کے اطمینان کے باوجود خالد کی بےچینیاں روز بروز بڑھتی رہیں۔ اسے اب تو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ گھر کے در و دیوار تک اسکے خلاف سرگوشیاں کر رہے ہیں۔ وہ سب سے خائف تھا اپنے ملازمین کی نگاہوں میں بھی اسے شک اور شرارت کی آمیزش نظر آتی۔ نہ اب اس میں وہ پہلی سی شان رہی نہ دبدبہ۔ چہرے کو فکر اور پریشانی نے ایسا کمھلا دیا جیسے مہینوں کا بیمار ہو۔ رخشندہ کبھی کبھی آکر اسے اپنے گھر لیجاتی مگر وہاں پہنچکر بھی اسے وہ مسرت حاصل نہ ہوتی جس کا وہ عادی تھا۔ اخبارات میں آئے دن وہ پولیس کی کوشش اور تشویش کا حال سن سن کر لرز اٹھتا۔ وہ خوف کے سبب اس قسم کی خبریں کبھی نہ پڑھتا رخشندہ اسے ہنس ہنسکر سناتی اور تفتیش کرنے والوں کی بےوقوفیوں کا مذاق اڑاتی۔ سلیم بھی اسے اطمینان دلاتا مگر وہ جو خون ناحق اس کی گردن پر تھا اس نے کسی طرح

چین ہی نہ لینے دیا۔ اسی وحشت اور پریشانی میں شادی کی تاریخ بھی ٹل گئی، نرگس جو فطرتاً ہر معاملہ میں انتہائی چالاک تھی اور چاہتی تھی کہ یہ شادی جلد سے جلد ہو جائے اس حادثہ کے بعد مصلحتاً خاموش ہو گئی، پھر نہ اس طرف سے کوئی اشارہ ہوا نہ رخشندہ نے ٹوکا اور خالد تو بے حس و حرکت ہو ہی چکا تھا، پھر شادی ہوتی بھی تو کس طرح؟

ایک دن جبکہ یہ لوگ نرگس کے یہاں بیٹھے ہوئے اسی موضوع پر گفتگو کر رہے تھے کہ سلیم نے ایک تجویز پیش کی۔ مطلب یہ تھا کہ خالد کی بے اطمینانی کسی طرح جلد سے جلد ختم ہو جائے اس لئے کہ یہ تبدیلی ایک سب کی طبیعتوں پر اس قدر بار گراں تھی کہ نہ وہ ماحول ہی باقی رہا اور نہ وہ بزم آرائی بلکہ ہر شخص اپنی جگہ پر کبیدہ خاطر بن گیا۔ خالد کے اس طرح مرجھا جانے کا اثر جب رخشندہ پر ہوا تو وہ بھی ملول رہنے لگی اور سلیم باوجود اپنی تمام شکایتوں کے بھی رخشندہ کا ملال کسی قیمت پر نہ دیکھ سکتا تھا، اس لئے اسنے یہ رائے دی۔

فیاض کو بلا کر اس معاملہ میں مشورہ لیا جائے۔ اپنا دوست ہی اور بیرسٹر بھی برا نہیں۔ میرا تو خیال ہے کہ وہ اب بھی کوئی نہ کوئی ایسی ترکیب بتائیگا کہ یہ گتھی سلجھ سکے۔ اس پر بھروسہ کر کے سارے واقعات اسکے سامنے نکھد سے جائیں اور پھر وہ جو کچھ کہے اس پر عمل ہو۔

مگر اب کوئی ترکیب کارگر نہیں ہو سکتی خالد کہنے لگا۔ ہوش و حواس کھونے کے باوجود میں اتنا تو سمجھتا ہی ہوں کہ یہ معاملہ انتہائی نازک ہی

پولیس کو اگر کسی طرح میرا سراغ مل گیا تو فیاض مجھے پھانسی کے پھندے سے نہیں بچا سکتے۔

نرگس بولی۔ پھر ایسے نازک حالات میں کسی پر بھروسہ بھی نہیں کرنا چاہیئے بات اپنے منہ سے نکل کر پرائی ہو جاتی ہے اس لئے میرا تو یہ خیال ہے کہ کچھ روز تک خاموش ہی رہا جائے۔

جیسی آپ کی مرضی سلیم نے جواب دیا۔ البتہ میرا تو یہ خیال تھا کہ فیاض قابل بھروسہ انسان ہے۔ خالد کے بچپن کا ساتھی وہ کم از کم یہ تو ضرور ہی بتلاتا کہ اب کون سا پہلو اختیار کیا جائے۔ پولیس بہر حال کسی نہ کسی دن اپنی سراغ رسانی میں کامیاب ہوگی اور اس وقت پھر کوئی بات بنائے نہ بنے گی۔ کیا رائے ہے تمہاری؟

سلیم نے گھوم کر رخشندہ کی طرف دیکھا جو خاموش بیٹھی ہوئی تمام حالات کا جائزہ لے رہی تھی وہ کہنے لگی مجھے سلیم کی رائے سے تو اتفاق ہے لیکن بفرض محال اگر پولیس ہمارا سراغ نہ لگا سکی تو فیاض کو خواہ مخواہ کی تکلیف ہی دینا ہوا۔

امی کا یہ خیال بھی درست ہے کہ ایسی مخدوش بات اپنی زبان سے نکالی ہی کیوں جائے۔ میں تو نہیں سمجھتی کہ پولیس کا کوئی حربہ ہمیں پکڑنے میں کامیاب ہو سکتا ہے۔ یہ بات بجز ہمارے اور کوئی نہیں جانتا اور ہمیں اگر اسکی اطلاع پولیس کو کردیں تو وہ کامیاب ہو سکتی ہے۔

خدا نہ کرے ہم میں سے کوئی اس کی اطلاع دے بظاہر ہم میں کوئی

ایسا کمینہ نظر نہیں آتا اور فیاض پر بھی میں اتنا ہی بھروسہ کرتا ہوں جتنا کہ اپنی ذات پر۔ میں اگر خالد کی جگہ پر ہوتا تو شاید اس امر کی اطلاع سب سے پہلے فیاض کو کرتا۔

تو پھر بلالو انھیں یہیں، رخشندہ کہنے لگی۔

تم ہی ٹیلی فون پر بات کرلو اگر مصروف بھی ہوگا تو تمہاری آواز سن کر بھاگا ہوا آئیگا۔

اچھا؟ درخشندہ نے شرارت آمیز مسکراہٹ سے سلیم کیطرف دیکھکر کہا اور پاس ہی رکھے ہوئے ٹیلی فون کے نمبر گھمانے لگی۔

دوسری گھنٹی پر فیاض نے پوچھا۔

"کون؟"

رخشندہ پہلے تو ہنسی پھر اٹھلا کر کہنے لگی۔

بھئی اس قسم کا بدتمیز سوال تم اپنے موکل سے کر سکتے ہو مجھ سے نہیں، بھلا پہچانو تو میں کون ہوں؟ تعجب ہے کہ تم میری آواز سننے کے بعد پوچھو کون؟

فیاض نے حقیقتاً پہچان کر جواب دیا۔

آپ کی نازک انگلیوں نے صرف نمبر گھمائے تھے، ان میں طاقتِ گویائی اگر ہوتی تو میں فوراً آواز پہچان لیتا۔ مگر یہی کیا کم عزت ہے کہ آپ نے میرے نمبر گھمائے۔ بمصداق ع

"گھمائیں وہ میرے نمبر خدا کی قدرت ہے"

بہرحال یہ تو بتاؤ کہ کس لئے یاد کیا گیا ہوں؟

پہلے دونوں طرف سے ہلکے ہلکے قہقہے بلند ہوئے پھر رخشندہ کہنے لگی۔
آؤ نہ ذرا میرا دل گھبرا رہا ہے۔

خالد؟

وہ باہر گئے ہیں بس دوڑ کر آجاؤ جلدی سے ـــــــ آرہے ہو نہ؟
رخشندہ نے ٹیلی فون بند کیا تو سلیم ہنسکر بولا۔

اچھا بے وقوف بنایا اب جب یہاں آئینگے تو معلوم ہوگا کہ انکے والد اور چچا دونوں یہاں موجود ہیں۔ مگر ہم میں سے اگر کوئی بھی ٹیلی فون کرتا تو شاید ٹالدیتا۔ بے حد کاروباری ہو گیا ہے۔ یہ تو شاید ان کے پیشہ کا قصور ہے انکا نہیں رخشندہ نے جواب دیا سنا ہے وکالت خوب چمک رہی ہے آجکل؟

شاہد سلیم نے معنی خیز نظروں سے رخشندہ اور نرگس دونوں کی طرف دیکھکر کہا۔ سنا میں نے بھی ایسا ہی ہے۔ خدا کرے سچ ہو۔

جھوٹ کیوں ہونے لگا نرگس بولی۔ نہ جانے کتنی جائیداد شہر میں خرید ڈالی، عالیشان کوٹھی بنوالی۔ خالد جیسی نئے ماڈل کی گاڑی انھوں نے بھی خریدی ہے۔ یہ ساری امارت وکالت ہی کے بل بوتے پر تو ہے۔ وہ نہ چمکتی تو یہ سب کچھ کہاں سے ہوتا؟

یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ فیاض کا موٹر بنگلہ کے چھوٹے کمپاؤنڈ میں داخل ہوا اور رخشندہ اسے خود لینے کے لئے باہر نکل گئی۔ پھر جس وقت یہ دونوں ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے تو سلیم نے ہنس کر کہا۔

"کچے دھاگے میں چلے آئے ہیں سرکار بندھے"

فیاض نے دیکھا کہ خالد اپنی جگہ پر انتہائی سنجیدہ بنا ہوا بیٹھا ہے، نہ چہرے پر نکھار نہ انداز میں شگفتگی مگر اسوقت کی اس حالت کو اُس نے محض خالد کی اداکاری سمجھا وہ کہنے لگا۔

بڑی مصیبت ہے کہ ہم پیشہ ور لوگوں کو بھی تم اپنی طرح بیکار سمجھتے ہو۔ تم نے تفریحًا مجھے یہاں بلا لیا حالانکہ تم بے انتہا سنجیدہ بننے کی کوشش کر رہے ہو۔

خالد پھر بھی خاموش رہا اس لئے کہ اس کی تو دنیا ہی بدل چکی تھی مگر سلیم نے واقعات پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا

مذاق مت کرو ذرا غور سے ان کی صورت دیکھو خالد کی۔ صورت پر پورے بارہ بج رہے ہیں۔

وہ تو میں دیکھ رہا ہوں مگر میں قانونی وکیل ہوں عشق کی وکالت میرا کام نہیں

پھر وہی مذاق سلیم کہنے لگا۔ بغیر کسی تمہید کے میں تمہیں یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ عبدالحلیم کی موت کے باعث یہی دونوں ہیں۔ خالد رخشندہ کو موٹر پہلے کر گھمانے نکلے اور یہ حادثہ ہو گیا۔

او ہو۔ اور آج مجھے اس کی اطلاع مل رہی ہے؟ فیاض نے تعجب سے سب کی طرف دیکھ کر سوال کیا۔

اب اسے غلطی سمجھو یا ناتجربہ کاری۔ واقعہ اس قدر سنگین قسم کا تھا کہ زبان پر آنے کی ہمت نہ کر سکا۔ آج میری ہی یہ رائے ہوئی کہ از کم تمہیں

صورتِ حال سے ضرور مطلع کیا جائے اس لئے کہ خالد کی پریشانیاں بالکل پنّہ کی حد تک تجاوز کر چکی ہیں اور اب بھی اگر ان کے لئے کوئی اطمینان بخش صورت نہ پیدا کی گئی تو شاید یہ خودکشی کر لیں۔

صرف سلیم اور فیاض آپس میں ہم کلام تھے باقی رخشندہ خالد اور نرگس گفتگو سننے میں منہمک فیاض نے گھبرا کر پوچھا۔

مگر یہ حادثہ ہوا کس طرح؟

شام کا وقت تھا گاڑی پچاس ساٹھ میل کی رفتار سے جارہی تھی نہ معلوم وہ بڈھا کس طرح لپیٹ میں آگیا؟

پولیس کو اطلاع دے دی گئی؟

نہیں۔

لیکن حادثہ کے طور پر اسباب کی اطلاع دے دینا تھی۔

حادثہ ثابت کس طرح ہوتا؟

سڑک پر مجمع لگ گیا ہوگا بے شمار شہادتیں مل سکتی تھیں۔

سڑک سنسان تھی اسوقت وہاں کوئی موجود نہ تھا، اس کے علاوہ ان دونوں نے وہاں رکنا مناسب نہ سمجھا اور لاش کو وہیں چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے اس حادثہ کے فوراً ہی بعد ریڈیو سے اعلان ہوا کہ ملزم کو گرفتار کرنیکا انعام پچاس لاکھ روپیہ ہے یہ اُن ورثا کی طرف سے نشر کیا گیا تھا جو اس کی موت کے بعد تمام جائیداد کے مالک قرار پائے۔

توپھر اب ہو ہی کیا سکتا ہے۔ فیاض نے یہ کہکر ایک ٹھنڈی سانس

کھینچ لی۔

کوئی قانونی بات بتاؤ۔

باتیں تو ساری غیر قانونی ہوئیں۔ اس لئے کہ وہاں سے ڈر کر بھاگنا تو انتہائی بزدلی تھی۔ بد قسمتی سے حادثہ کی کوئی شہادت موجود نہیں۔ شک سے فائدہ اٹھاکر یہ بھی تو کہا جاسکتا ہے کہ ایسا عمداً کیا گیا۔ کسی کو دھوکے سے مار کر اگر ارادہ میں بدنیتی نہیں ہے تو اسے اس طرح چھوڑ کر بھاگ آنا انسانیت کی سب سے بڑی توہین بھی ہے۔

نرگس گھبرا کر پوچھنے لگی۔

تو کیا اب پولیس کو اطلاع کر دیجائے۔

نہیں۔ فیاض نے معاملات پر غور کرتے ہوئے سر ہلا دیا۔

میں نے کہا شاید اس میں کچھ بھلائی ہو۔ "عذر گناہ بد تر از گناہ"

یہ تو سچ ہے فیاض نے جواب دیا مگر بد قسمتی سے یہ مقولہ کسی قانون کی کتاب میں نہیں۔ اب میں گھر جاکر کتابوں کو الٹوں پلٹوں فی الحال تو کوئی بات سمجھ میں نہیں آرہی ہے لیکن مجھے امید ہے کہ شاید میں ایسی کوئی نہ کوئی صورت پیدا کرلوں۔

فیاض جانے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا، خالد کے چہرہ پر ایک محبت بھری نظر ڈال کر اس نے پھر آہ سرد کھینچی اور اسے اپنے سینہ سے لگا کر بولا۔

فکر نہ کرو میرے دوست ایسا وقت انسان ہی پر پڑتا ہے اور اسے برداشت بھی کرنا چاہئے۔ میں اول تو کسی قابل نہیں لیکن مجھ سے جو کچھ ہو سکیگا

تمہاری مدد کروں گا۔

خالد کہنے لگا۔

میں بچہ نہیں ہوں جو اس واقعہ کی اہمیت کو نہ سمجھوں تمہاری زبانی تسلی مجھے کسی قسم کا کوئی سکون نہیں دے سکتی۔ مجھے یہ غلط فہمی ہے کہ تمہاری محنت میرے لئے قانون کے الفاظ بدلدیگی۔ انصاف کی تمام کتابوں میں خون کا بدلہ خون ہی ہے اور اس اٹل حقیقت کو میری یا تمہاری خام خیالی نہیں میٹ سکتی۔ تم اپنے گھر جاؤ میں بھی اپنے گھر جاتا ہوں قسمت میں جو کچھ لکھا ہے وہ تو بہرحال ہو کر ہی رہے گا۔

لیکن تم بے گناہ ہو فیاض نے یہ کہکر اسکی پھر ڈھارس بندھائی اور قانون میں اس قسم کی رعاتیں بھی موجود ہیں ممکن ہے میں ان چیزوں سے کام لیکر اپنی کوششوں میں کامیاب ہو جاؤں۔

فیاض اور خالد ایک مرتبہ پھر نظریں ملاکر ایک دوسرے سے بغل گیر ہو گئے اور نرگس نے عقیدت سے یہ دعاء مانگی کہ یہ دونوں دوست کبھی آپس میں جدا نہ ہوں۔ سلیم اور رخشندہ نے بھی اس منظر کو دیکھا اور بے انتہا متاثر ہوئے تھوڑی دیر بعد اس چھوٹے سے کمپاونڈ میں دو نئے ماڈل کی گاڑیاں ایک ایک ساتھ اسٹارٹ ہو کر الگ الگ سمتوں کی طرف روانہ ہو گئیں۔

فیاض اور خالد کے جانے کے بعد نرگس بھی اٹھ کر اپنے کمرہ میں چلی گئی۔ ڈرائنگ روم میں صرف سلیم اور رخشندہ بیٹھے رہ گئے۔ تھوڑی دیر تک دونوں بہت خاموشی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا کئے۔ دونوں کے دماغ میں اسوقت کوئی ایسا موضوع نہ تھا جس پر گفتگو ہو سکتی اس بے محل خاموشی کو توڑنے کے لئے سلیم نے رخشندہ کو سگرٹ پیش کرتے ہوئے کہا۔

لو پیو!

رخشندہ نے مسکرا کر ایک سگرٹ لے لی۔ پھر سونے کے سگریٹ کیس پر اس نے نظریں جما کر پوچھا۔

یہ کھویا نہیں اب تک؟

کھوتا کیوں؟ زندگی میں صرف تمہاری ایک ہی چیز پر تو قبضہ کر سکا۔

رخشندہ ایک قہقہہ مار کر ہنس پڑی۔ اس تھوڑی سی گفتگو نے جو فضا بدلی تو دونوں عہد ماضی کے بھولے ہوئے افسانے پھر یاد کرنے لگے وہ کہنے لگی۔

"ہائے اللہ وہ دن بھی کتنے سہانے تھے جب تم پہلی دفعہ مجھے ملے۔ اور ہم نے ایک دوسرے سے محبت کی تمہیں بھی یاد آتے تھے کبھی وہ دن؟

ہاں اکثر۔ ان کا صرف یاد ہی کر لینا میرے بس میں نہ تھا لیکن تمہیں تو ان باتوں سے کوئی واسطہ نہ ہونا چاہیئے۔

کیوں؟ رخشندہ نے یہ سوال شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ کیا۔

اسلئے کہ تمہاری دنیا بدل چکی تھی تمہاری زندگی میں خالد داخل ہو چکا تھا۔

ہاں یہ شکایت تمہیں ہوگی کہ میری دنیا بدلی مگر خالد میری زندگی میں کبھی داخل نہیں ہو سکا۔ ممکن ہے تم میری اس صاف گوئی پر شک کرو مگر یہ حقیقت ہے جو چنگاری تم نے پیدا کی تھی اسی کو خالد نے شعلہ بنا دیا۔

تمہارا مطلب یہ ہے کہ تمہیں خالد سے محبت نہ تھی؟

نہیں میرا مطلب یہ نہیں ہے۔ محبت تو مجھے خالد ہی کے ساتھ تھی اور تم سے زیادہ مگر ان تمام باتوں کے باوجود میں تمہیں بھی ایک لمحہ کے لئے نہ بھولی سکی میرا ہمیشہ یہ دل چاہا کہ تم دونوں میری زندگی میں برابر کے شریک رہو۔

واہ یہ کیسے ممکن تھا سلیم کہنے لگا۔ اسی ہفتہ میں تم دونوں کی شادی ہونے جا رہی تھی۔

اس ازدواجی زندگی کے بعد پھر مجھے تم سے کیا واسطہ رہتا۔ اور یا پھر شادی ....

....

کے معاملہ میں وہ آپس کا عہد و پیمان ہی جھوٹ ہوگا؟
نہیں جھوٹ کیوں ہونے لگا۔ مگر دیکھئے اب تو واقعات ہی بدلتے ہوئے نظر آ رہے ہیں۔
کیسے واقعات؟
مثلاً یہ حادثہ رخشندہ مشکوک بن کر حالات پر روشنی ڈالنے لگی۔ فیاض بھی تو کوئی تسلی بخش جواب نہیں دے گئے۔
تو کیا اس تبدیلی کا اثر تمہارے اوپر کچھ نہیں ہے؟ سلیم پوچھنے لگا۔ اور اگر واقعات بدلیں گے تو کیا تم انکا ساتھ نہ دوگی؟
کچھ کہا نہیں جا سکتا اس حادثہ نے تو واقعہ کی شکل ہی بدل دی۔ واقعی اس امر کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ بوڑھے کی موت کا باعث محض موٹر کی چوک ہے کسقدر حسرتناک انجام ہوا اس ہفتہ میں ہماری شادی ہونے جا رہی تھی۔

اور اب؟
اب تو امی شاید ہی تیار ہوں۔
تو پھر میں یہ مان ہی لوں کہ تمہیں خالد سے محبت نہ تھی۔
محبت نہ تھی تو پھر کیا تھا؟ مجھے محبت تھی۔ مجھے خالد سے دیوانہ وار محبت تھی۔ سچ پوچھو تو اسی محبت کے نشہ میں یہ حادثہ ہوگیا۔ ہم دونوں کی نظروں میں دنیا اس قدر رنگین اور پر شباب تھی کہ کسی افتاد کا گمان تک ہوتا تھا۔ وہ موٹر کی رفتار تیز کرتا رہا میں اس کی ہمت بندھاتی رہی اور آخر کار۔

سلیم نے گھبرا کر بیچ سے بات کاٹ دی اور کہنے لگا

تو پھر اب یہ پس و پیش کیوں ہے جس وقت خالد کے ساتھ تمہاری شادی کا اعلان کیا گیا اس وقت تمہاری امی نے کوئی مخالفت نہ کی۔ اب وہ مصیبت میں گرفتار ہے تو امی حائل ہو کر شادی نہ ہونے دینگی؟ میں یہ سب کچھ ماننے کو تیار نہیں۔ حقیقتاً تم کو خالد کے ساتھ محبت ہی نہ تھی۔

محبت انسان کے حالات اور واقعات سے ہوا کرتی ہے اس سے نہیں۔ رخشندہ تجربے کی یہ بات بتلا کر خود بھی مسکرانے لگی۔ پھر بولی۔

کیا مجھ کو تم سے محبت نہ تھی اور کیا اب نہیں ہے؟ مجھے تو نہیں یاد پڑتا کہ میں نے کوئی انداز بھی ایسا اختیار کیا ہو جس نے تمہارے دل سے میری خلش دور ہونے دی۔ تم نے خود ہی آمد و رفت کم کر دی کہ خالد نے محبت کے پینگ بڑھائے شادی بہر حال کرنا ہی تھی اس لئے میں نے وعدہ کر لیا۔

تو پھر اب اسے نبھاؤ۔ خالد کے حالات بہت نازک ہیں تم شاید اس کا اندازہ نہ لگا سکو مگر میں سمجھتا ہوں میرے پاس دل ہے مجھے خالد سے محبت ہے۔

اور مجھے بھی محبت ہے بلکہ والہانہ عشق جس کا میں نے ابھی اقرار بھی کیا رخشندہ نے اسی سنجیدگی سے بتلاتے ہوئے کہا میں اس محبت کو بیان کرنے کے لئے اپنے پاس الفاظ نہیں پاتی مگر میں کر ہی کیا سکتی ہوں۔ حالات اگر نہ بدلتے تو میرے عمل میں ان لفظوں سے زیادہ شور ہوتا مگر مجبور ہوں اپنی بے بسی

کا تم پر پوری طرح سے اظہار بھی نہیں کر سکتی نہ معلوم تم اپنے دل میں کیا خیال کرو گے میں جو کچھ کہہ رہی ہوں ایک عورت کی زندگی ہے خواہ وہ میں ہوں یا کسی شریف طبقہ سے تعلق رکھنے والی ایک خاتون بگڑے ہوئے حالات میں کوئی کسی کا ساتھ نہیں دیتا اور نہ شاید میں دونگی اس کے لئے تم مجھے موردالزام نہیں بنا سکتے۔

مجھے تمہاری رائے سے اتنا اتفاق نہیں جتنا کہ قدرتاً ہونا چاہیئے تھا۔ تم جانتی ہو کہ میرے سینہ میں پھپھولے پڑ چکے ہیں، اگر چاہوں تو اسوقت خالد سے اپنا بدلہ لے لوں مگر میں ایسا نہیں کر سکتا۔ میں کسی کی کمزوری سے فائدہ اٹھانا نہیں چاہتا اور تمہیں بھی اس مقام پر خالد کی دل شکنی نہیں کرنا چاہیئے دراصل یہی تو وقت ہے جب تم اپنی محبت کا ثبوت دے سکتی ہو۔

بشرطیکہ میں جذباتی ہوتی۔ رخشندہ نے جواب دیتے ہوئے سلیم سے کہا جذبات اور محبت دو الگ الگ چیزیں ہیں ایک کو دوسرے سے کبھی کوئی تعلق نہیں رہا۔

سلیم نے بجائے جواب دینے کے اس بات پر غور کیا کہ یہ تغیر کس طرح رونما ہوا۔ چند روز پہلے خالد اور رخشندہ جو ایک دوسرے کے لئے اس قدر قریب تھے اکدم سے اتنے دور دور کس طرح ہو گئے؟ اگر یہ صورت بدلے ہوئے حالات کی بنا پر پیدا ہوئی ہے جسکا اسے یقین تھا تو انتہائی حقارت آمیز ہے اور سچی محبت کی سخت ترین توہین۔ رخشندہ کا بار بار یہ کہنا کہ وہ خالد کو دل سے چاہتی ہے لیکن پھر بھی اس کی شادی اب شاید اسکے ساتھ نہ ہو سکے۔ کچھ عجیب سی بات

تھی اسے شاید خالد کی زندگی کا یقین نہ تھا اور وہ یہ سمجھتی تھی کہ اس راز کے انکشاف ہونے کے بعد اسے پھانسی کے تختہ پر لٹکنا پڑیگا مگر یہ چیز پھر بھی اپنی جگہ پر مستحکم تھی کہ رخشندہ اس کا آخری وقت تک ساتھ دیتی اور جبتک کوئی فیصلہ کن چیز سامنے نہ آجاتی وہ اپنے وعدہ پر قائم رہتی۔ سلیم کی سمجھ میں جب کوئی بات نہ آسکی تو اس نے پھر رخشندہ سے سوال کیا۔

تمہیں یہ تو ماننا ہی پڑے گا کہ خالد نے اپنے خاندانی وقار کو ٹھکرا کر تم سے شادی کا عہد و پیمان کیا تھا۔ میری یا تمہاری نظر میں ایک طوائف کی سماجی حیثیت کچھ بھی ہو مگر دنیا تو انگشت نمائی کرتی ہی ہے۔

اس خلیج کو اگر کوئی چیز پاٹ سکتی ہے تو وہ محبت ہے جو خالد کو تم سے تھی اور ہمیشہ رہے گی مگر تمہاری اس قسم کی چشم پوشی کا مطلب تو شاید یہ ہے کہ تمہیں اس کے ساتھ وہ لگاؤ نہ تھا جسے عشق یا محبت کہا جاسکے۔

اب اسے آپ جو چاہیں کہیں۔ رخشندہ کہنے لگی۔ عشق و محبت کا کوئی مخصوص درس میں نے اپنی زندگی میں کبھی نہیں لیا اور نہ لوں گی۔ محبت تو میرے نزدیک وہ آئینہ ہے جس میں دو چاہنے والے ایک ساتھ اپنی شکلیں دیکھ سکیں یہ شکلیں جب تک نظر آتی رہیں محبت قائم رہے گی لیکن اگر اتفاق سے آئینہ ٹوٹ جائے یا کوئی ایک شکل نہ دکھائی دے تو محبت کس طرح قائم رہ سکتی ہے؟

خوب یہ محبت کا فلسفہ تم نے خوب بیان کیا۔ سیدھی سی بات ہے یہ صاف صاف کیوں نہیں کہہ دیتیں کہ تمہیں خالد سے نہیں اسکی دولت سے محبت تھی۔ اس نئے ماڈل سے عشق تھا جو تمہارے لئے خرید اگیا اور جس کی بدولت یہ انقلاب

آیا۔ یہ ٹھیک ہے کہ اس دنیا میں عورت اپنے لوازمات سے محبت کرتی ہے مگر اسے کلیہ نہیں مانا جاسکتا۔ ایسی بھی عورتیں اس دنیا میں زندہ ہیں جنھوں نے سچے دل سے محبت کی اور عشق کی بارگاہ میں اپنا سب کچھ لٹا کر اسی کی ہو رہیں جسکا نام پہلی دفعہ ان کی زبان پر آیا۔

یہ تم کس سے کہہ رہے ہو سلیم؟ خالد ہنستا ہوا اک دم سے پردہ ہٹا کر ڈرائنگ روم کے اندر آگیا۔ وہ فیاض کو تھوڑی دور تک پہنچا کر پھر واپس آگیا تھا اور سلیم کی رخشندہ سے یہ گفتگو سنکر پردہ کے پیچھے کھڑا تھا۔ وہیں کھڑے کھڑے اس نے دونوں کی گفتگو سنی۔ رخشندہ جو کچھ بیان کر رہی تھی وہ خالد کے لئے یقین آنے والی باتیں نہ تھیں مگر جب اسے اپنے کانوں پر پورا اعتماد ہوگیا تو وہ ہنستا ہوا آگیا۔ ان باتوں کو سننے کے بعد اب صرف ہنسنا ہی اس کے اختیار میں تھا۔ رخشندہ خالد کو دیکھ کر بوکھلا گئی اور شرمندگی کی وجہ سے کوئی جملہ بھی اس کی زبان سے نہ نکل سکا۔ منہ سے نکلے ہوئے لفظوں کا واپس لینا بھی اب اس کے اختیار میں نہ تھا۔ خالد حیرت و استعجاب سے کھڑا ہوا رخشندہ کو دیکھ رہا تھا۔ اور رخشندہ نظریں نیچی کئے ہوئے زمین کو تک رہی تھی۔

تم ــــــ ہم دونوں کی باتیں ــــــ؟ رخشندہ نے اس ادھورے جملہ کو پورا کرنا چاہا مگر نہ کرسکی اور خالد نے بات کاٹ کر کہا۔

ہاں میں نے تم دونوں کی باتیں سنیں اور ان سے ایک آخری سبق بھی لیا۔ اگر دنیا میں کچھ روز اور زندہ رہ سکتا تو اس سبق سے کچھ کام لیتا مگر افسوس ہے کہ یہ مجھے ملا بھی تو اس وقت جب میری زندگی کے آخری لمحے بھی قریب آگئے

ہیں، اسی لئے میں ہنس بھی رہا ہوں کہ انسان کو ایسی بیش بہا نصیحتیں ملتی بھی ہیں تو اس وقت جب وہ ان سے کوئی کام نہیں لے سکتا۔

اتنا کہنے کے بعد وہ سلیم کے پہلو میں جا کر بیٹھ گیا اور ایک محبت بھری نظر اپنے دوست پر ڈال کر کہنے لگا۔

اس سونے کے سگریٹ کیس سے کوئی سگریٹ مجھے نہیں پلاؤ گے؟ جسنے آج ایک عرصہ کے بعد میرا مقابلہ کیا اور بالآخر آج اسی کو فتح ہوئی چونکہ میری بے جان زندگی سے اس کی قیمت اب کئی گنا زیادہ ہے اسلئے اس کی سگرٹ ہی پی کر کچھ اپنے اندر زندگی کے آثار پیدا کروں۔

سگرٹ دیتے ہوئے سلیم نے بھی یہ محسوس کیا جیسے وہ خود کوئی بہت بڑا مجرم ہے۔ پھر اس نے بغیر کچھ کہے ہوئے دیا سلائی جلا کر خالد کی سگرٹ سلگائی اور بہت خاموشی سے اپنی جگہ پر بیٹھا ہوا حالات کا جائزہ لینے لگا۔ وہ چاہتا تھا کہ اس وقتی ہیجان کا کچھ مداوا کرے مگر اس کی بھی قوت گویائی رخشندہ کی طرح سلب ہو چکی تھی۔ خالد نے سگرٹ کے لمبے لمبے کش لگانا شروع کئے دھوئیں سے بیٹھا ہوا لچھے بناتا رہا اور کافی دیر انتظار کرنے کے بعد جب اس نے دیکھا کہ دونوں کے پاس کہنے کے لئے کوئی بات نہیں تو اسے خود ہی بولنا پڑا مگر اس مرتبہ رخشندہ اس کے ذہن میں بالکل نہ تھی وہ سلیم کی بھویتخفی نئی کو اچھی طرح سمجھنے کے بعد اب اس سے ہمکلام تھا۔ تھوڑا سا اس کے پہلو کے اور قریب ہو کر خالد نے کہا۔

اگلے وقتوں میں ایک ماں اپنے دو معصوم بچوں کو سمندر کے کنارے

چھوڑ کر خود ڈوب گئی۔ بچے آپس میں کھیلتے ہوئے پانی میں اتر گئے۔ ایک بچہ ڈوب کر مر گیا۔ دوسرا اس کی لاش پر بیٹھ کر کنارے جا لگا۔ میں اس محبت کے سمندر میں تمہاری لاش پر بیٹھ کر کنارے پہنچا ہوں۔ یہی وہ حالات اور واقعات ہیں جن سے رخشندہ کو محبت ہے اور جو بھلائے نہیں جا سکتے۔

سلیم نے انتہائی پس و پیش کے بعد اپنے کو آمادہ کر کے کہا۔

حالات اور واقعات یونہی بدلا کرتے ہیں۔ زندگی اسی کا نام ہے۔ مگر تم ان باتوں سے اپنے آپ کو کیوں پریشان کرتے ہو؟

اس لئے کہ آج میں اپنے آپ پر لعنت بھیجکر خوش ہو رہا ہوں۔ مجھے معلوم تھا کہ تم رخشندہ کو اپنی زندگی سمجھتے ہو اسے اپنی جان سے زیادہ چاہتے ہو۔ تم نے شاید مجھ پر بھروسہ کیا تھا اور میں نے تمہیں سے تمہاری رخشندہ کو چھین لیا اب اگر میں یہ کہوں کہ مجھے معاف کر دو تو یہ کسقدر احمقانہ مطالبہ ہوگا۔

خالد کی اس کیفیت کو دیکھکر سلیم نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپا لیا۔ رخشندہ اس منظر کی تاب نہ لاکر زار و قطار رونے لگی خالد اب تک سلیم ہی کی طرف نظریں گھمائے ہوئے کہہ رہا تھا۔

آج میرے احساس میں ایک شدت ہے میں جو کچھ کہنا چاہتا ہوں مجھے کہہ لینے دو زندگی میں پہلی مرتبہ اس وقت اپنے آپکو دیکھ رہا ہوں۔

رخشندہ اسی طرح روتی ہوئی اپنے ماں کے کمرہ میں چلی گئی۔ خالد اور سلیم تنہا تھوڑی دیر تک خاموش بیٹھے رہے پھر نہ معلوم کس خیال کے ماتحت خالد نے بے اختیاری کے طور پر ٹیلیفون کے نمبر گھمائے۔ دوسری طرف سے آواز آئی۔

پولیس کوتوالی

خالد کہنے لگا ۔

میں خالد عباسی بول رہا ہوں نرگس کے یہاں سے عبدالحلیم کی موت

..... کیا کہا آپ نے ؟

کوتوال شہر بذات خود خالد سے ہم کلام تھا۔ سلیم نے محسوس کیا کہ خالد
کو ایک جھٹکا سا لگا جب اس نے حیرت زدہ ہوکر پوچھا ۔

آپ کو اطلاع مل چکی ہے اسی نمبر سے ؟

رخشندہ بھاگی ہوئی پھر ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی اب اس کی آنکھوں
میں بجائے آنسو کے تھوڑی سی چمک تھی ۔ وہ کہنے لگی ۔

امی کہتی ہیں یہ کوئی سنگین واقعہ نہیں۔ سب کچھ ٹھیک ہو جائیگا ۔

خالد نے زبردستی اس خوب صورت لفظ کو دہرایا ۔

امی ــــــ ؟

اور ساتھ ہی ٹیلی فون اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر گیا ۔

اقبال جرم کے بعد خالد کی گرفتاری فوراً عمل میں آگئی۔ کہاں تو اس واقعہ کا کسی کو علم ہی نہ تھا مگر جب یہ راز طشت از بام ہوا تو سارے شہر میں یہ یہ افواہ پھیل گئی، ہر شخص کی زبان پر یہی چرچا جس رات میں خالد نے اپنے جرم کا انکشاف کیا اسی کی صبح کو شہر کے تمام اخباروں میں پہلے ورق پر یہ خبر شائع ہوئی ملزم کو پکڑوانے کا انعام نرگس کو ملا اور اس ایک کامیابی پر نرگس کی مکاری اور چالاکی کی جو جو داستانیں بیان کی گئیں وہ آپ اپنی جگہوں پر اپنی مثالیں تھیں۔

خالد کا اپنا گھر تو ماتم کدہ تھا ہی۔ رخشندہ اور سلیم بھی اس کی بیچارگی پر خوب روئے۔ ان دونوں میں سے کسی کو یقین نہ تھا کہ نرگس خود اس بربادی کی موجب بنے گی۔ بمبئی کے ایک بہت بڑے گھر کا چشم و چراغ اس کی زندگی کسے عزیز نہ تھی ؟ مگر ہر شخص اپنی جگہ پر مجبور ہو گیا۔ وقتی طور پر بڑی سے بڑی ضمانت

بھی خالد کو جیل کی چہار دیواری سے نہ بچا سکی۔ والدین نے سر ٹپکا۔ بہنیں روئیں۔ عزیزوں نے فریادیں کیں مگر قانون کے الفاظ اپنی جگہ پر بدستور قائم رہے۔ انمیں کسی قسم کی کوئی ترمیم نہ ہو سکی، اور پولیس نے مقدمہ عدالت کے سپرد کر دیا۔

کوتوال نے اپنا روزنامچہ سپرد قلم کرتے ہوئے اس حقیقت پر خصوصیت کے ساتھ زور دیا۔

"جس طرح سنگین جرائم کی روداد سب سے پہلے کسی نہ کسی طوائف کی زبان پر آتی ہے نرگس نے ما بدولت سے اس حقیقت کا انکشاف ٹیلی فون پر کیا۔ چنانچہ فدوی تفصیلات کی تہ میں جانے کے لئے عملی قدم اٹھا ہی رہا تھا کہ تھوڑی دیر کے بعد دوسرا ٹیلی فون آیا اور فدوی کے تعجب کی انتہا نہ رہی جب اسے یہ معلوم ہوا کہ خود ملزم بہ نفس نفیس اپنے جرم کا اقبال کر رہا ہے۔ اب چونکہ شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہ تھی اس لئے خالد عباس ولد محسن علی کی گرفتاری عمل میں لاکر مقدمہ سشن سپرد کر دیا گیا۔

فیاض نے مقدمہ کے نازک پہلوؤں پر غور کیا روزنامچہ کی رُوئداد پڑھی، اور پیروی کے لئے اپنا وکالت نامہ عدالت کے سامنے پیش کر دیا۔ اب بظاہر خدا کے بعد خالد کی زندگی کی امیدیں فیاض کی کوشش اور لیاقت سے وابستہ تھیں اور وہ رات و دن کی مسلسل محنت سے مقدمہ کو بحال بنانے کی فکر میں تھا، ساتھ ہی والدین نے خالد کی زندگی بچانے کے لئے روپیہ کو جس طرح پانی کی طرح سے بہایا اس نے دوسرے بڑے وکیلوں کو بھی اس مقدمہ میں حصہ لینے کے لئے مجبور کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک سرکاری وکیل کے مقابلہ میں شہر کے تمام

چوٹی کے بیرسٹر جمع ہو گئے اور سب کی مجموعی کوشش خالد کی زندگی کی ضامن بنگئی۔
رخشندہ کو ماں کی اس حرکت پر اتنا ملال تھا کہ اس نے کئی روز تک نرگس سے کوئی بات ہی نہ کی۔ گھر میں اسے صرف گلاب سے سروکار تھا اسے کام کاج سے جب فرصت ملتی تو وہ رخشندہ کے پاس آکر دو گھڑی کے لئے بیٹھ جاتی ان کی گفتگو کا موضوع عام طور پر نرگس کا لالچ تھا۔ گلاب کو بھی یہ شکایت تھی کہ اسکی مالکن کی یہ حرکت بڑی رکیک قسم کی ہے وہ خالد کو برابر یاد بھی کیا کرتی تھی۔ رخشندہ کی صحبت میں اسی لئے اس کا گذر اور بھی تھا کہ وہ ذرا دیر بیٹھ کر اس کے دل کی باتیں اپنی زبان پر لے آتی۔ وہ کہتی۔

خالد سیٹھ کتنے اچھے تھے مس صاحب آپ کو کتنا چاہتے تھے، بی بی جی نے پولیس سے چغلی کھا کر انھیں گرفتار کرا دیا۔ اس دنیا میں روپے کی قیمت انسان کی جان سے زیادہ ہے۔

مگر سب کے لئے نہیں۔ تمہاری بی بی جی کے ایسے جو لوگ مکار ہیں وہی ایسا کرتے ہیں۔

اور اگر ایسا ہی کرنا تھا تو خالد سیٹھ سے پچاس لاکھ روپیہ مانگ لیتیں۔

لالچ تو بری بلا ہوتی ہے مس صاحب مگر بی بی جی ایسی تھیں تو نہیں نہ معلوم یہ حرکت کیوں کر بیٹھیں۔ آپ کے لئے کھن کھن سیٹھ نے جو رقم پیش کی تھی اس سے تو انھوں نے انکار ہی کر دیا تھا۔

تمہیں معلوم ہے وہ رقم کتنی تھی ؟ رخشندہ نے مسکرا کر گلاب سے اس طرح پوچھا جیسے وہ خود شرما رہی ہو۔

جی ہاں مس صاحب ایک رات کے دو کروڑ دے رہا تھا۔ ذرا سوچئے تو کتنا روپیہ ہوا۔ ساری زندگی آرام سے کٹ جاتی مگر آپ کسی طرح راضی ہی نہ ہوئیں۔

تمہارا مطلب یہ ہے کہ مجھے راضی ہو جانا چاہیئے تھا؟

جی ہاں بڈھے آدمی کے پہلو میں رات بھر لیٹے رہنا کوئی گناہ نہیں ہے اس وقت تو سیٹھ سلیم ہی آپ کے پاس آیا کرتے تھے انھیں شاید اس کا پتہ بھی نہ چلتا اور سارا کام ہو جاتا۔

رخشندہ گلاب کی ان بھولی بھالی باتوں پر ہنسنے لگی، پھر بولی۔

تمہیں معلوم ہے سلیم سے میری ملاقات کس طرح ہوئی؟ اچھا سنو آج تمہیں اپنی کہانی سناؤں یوں تو تم سے میں شاید کبھی اس قسم کی باتیں نہ کرتی مگر اس تنہائی کو کاٹنے کے لئے کوئی تو ذریعہ ہو ــــــ ہوا یہ کہ جس وقت میں اسکول کی تعلیم ختم کر کے کالج میں داخل ہوئی تو سب سے پہلی نظر میری سلیم پر پڑی اور سلیم نے بھی پہلی دفعہ مجھے کچھ اس طرح گھور کر دیکھا کہ میں انکے دل کا مطلب سمجھ گئی۔ ملاقات کی ابتدا رسمی گفتگو سے ہوئی۔ میں کالج پہنچتی تو میری مزاج پرسی کرتے۔ مجھے میرا پچھلا سبق یاد کرانے میں مدد دیتے۔ ان کی لیاقت اور قابلیت ہمارے درجہ میں ضرب المثل تھی۔ وہ موٹر پر آتے تھے اور اکثر جب میں انھیں راستہ میں مل جاتی تو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مجھے لفٹ دیدیتے۔ پہلی مرتبہ جب میں نے انھیں چائے پر مدعو کیا تو امی بھی انھیں دیکھ کر بیحد خوش ہوئیں پھر وہ روزانہ گھر سے آکر مجھے لیجایا کرتے اور کالج ختم ہونے کے بعد

گھر چھوڑ چلتے۔ ہم دونوں بے انتہا ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے۔ اس وقت مال و دولت کی کوئی قدر مجھے نہ تھی میرا ماحول بڑا شریفانہ تھا اس کے علاوہ سلیم نے ہمیشہ مجھے میرے اس آبائی پیشہ کی طرف سے نفرت دلانے کی کوشش کی۔ جس وقت کھن کھن سیٹھ نے امّی سے میرے لئے درخواست کی ہے میرے دل و دماغ پر ان تمام اچھی چیزوں کا اثر تھا۔

پھر اب کیا وہ اثر باقی نہیں رہا گلاب بیچ سے بات کاٹ کر پوچھنے لگی۔

اب ان چیزوں کا اثر اتنی شدت کے ساتھ نہیں ہے خالد جب سے میری زندگی میں داخل ہوئے انھوں نے مجھے انتہائی بے باک بنا دیا شروع ہی دن سے انھوں نے مجھے اخلاقی طور پر گرانے کی کوشش کی اور یہ تو تمھیں معلوم ہی ہے کہ دو جوانیاں اگر شدت کے ساتھ ایکدوسرے کے پہلو بہ پہلو رہیں تو پارسائی کا دعویٰ ایک فضول سی بات ہے بعد میں جب میں کھن کھن کی آرزو پوری کرنے پر آمادہ ہوئی تو اس نے خود انکار کر دیا۔

اچھا ——— ؟ گلاب نے تعجب سے اپنی بڑی بڑی آنکھوں کو اور زیادہ پھیلا کر پوچھا۔ کہاں تو اس وقت اس کے جنوں کا وہ عالم تھا اور آپکے راضی ہونے پر انکار کر بیٹھا۔

دو کروڑ روپیہ تو میری عصمت کی قیمت تھی میری نہیں۔ پھر جب اسے معلوم ہو گیا کہ وہ آب دار موتی اب میرے پاس نہیں ہے تو وہ اپنا دو کروڑ روپیہ کس بات پر خرچ کرتا۔ اسی سے اندازہ لگا لو کہ عصمت کی کیا قدر و

قیمت ہے؟ اور شاید اسی لئے اس کا اتنا بڑا تحفظ مذہب میں کیا گیا۔ سلیم نے جتنی اچھی صلاحیتیں مجھے دی تھیں وہ خالد نے ایک ایک کر کے لے لیں جوانی کی سرمستیاں جادو بن گئیں اور ان پر میرا کچھ اختیار بھی نہ رہا۔ ادھر امی نے کسی مصلحت کی بنا پر ہم دونوں کو پوری آزادی دے دی وہ جس وقت اور جہاں کہیں بھی جانا چاہتا تھا مجھے لے جاتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ میرے شباب کو اس کی جوانی نے جب متعدد بار بلایا تو آپس کی کھینچا تانی قائم نہ رہ سکی اور پہلی لغزش ہونے سے پہلے اس نے میرے ساتھ شادی کا عہد و پیمان کر لیا۔ میں مطمئن تھی کہ اس گناہ کا کفارہ جلد ہی اس طرح ہو جائیگا کہ یہ ناگہانی آفت آگئی اور وہ گناہ بدستور گناہ ہی ہو کر رہ گیا۔ کھن کھن کی وہ درخواست بعد میں قبول کرنیکا یہی مطلب تھا کہ عقبیٰ بگاڑنے کے بعد دنیا تو کم از کم بنالوں۔ خالد سے مجھے محبت تو ہے مگر وہ جو ایک تڑپ بھی اس میں ہونی چاہیے اس سے میں محروم ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی اس گرفتاری کا مجھ پر کوئی شدید اثر نہیں ہوا۔ مجھے رنج ہوا میں روئی، میں ان کے لئے پریشان ہوئی مگر وہ تقاضا پورا نہ ہو سکا جسے وہ چاہتا تھا اور جسے دنیا دیکھنے کی متمنی تھی۔ اس حادثہ کے بعد جب اس کی جان کے لالے پڑ گئے تو میں بھی اپنی طرف کھینچ کر بیٹھ رہی اور وہ شادی کا عہد و پیمان خود بخود ٹوٹ گیا۔

مگر تعجب ہے گلاب بیچ سے بول پڑی۔ خالد سیٹھ کے ساتھ جو آپ کے طریقے تھے ان سے تو یہی پتہ چلتا تھا کہ آپ کو ان سے گہرا لگاؤ ہے اور اب ان کی جدائی کو آپ کسی قیمت پر نہ برداشت کر سکینگی۔

اندازے غلط بھی تو ہو سکتے ہیں رخشندہ کہنے لگی۔ آج تو میں نے دل کی باتیں تم سے بیان کر دیں جن کا کسی کو علم نہیں ہے۔ سلیم جو میرے جسم سے زیادہ میری روح کے قریب تھے انھیں بھی میرے اس فعل پر تعجب ہوا۔ اور اب شاید وہ مجھے اچھی نظروں سے نہیں دیکھتے۔ وہ میری اس حرکت کو میرا کیریکٹر سمجھتے ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

یہ بات تو میری سمجھ میں بھی نہیں آئی مس صاحب کہ آپ کا ظاہر و باطن اتنا الگ الگ کیوں ہے؟ آپ نے سیٹھ خالد کے لئے وہ سب کچھ کیا جس پر آج آپ کو افسوس ہے اور یہ سب کچھ کیا بغیر محبت ہی کے ہوگیا؟ اکثر ایسا ہوتا ہے۔

اکثر ایسا ہوتا ہے رخشندہ نے جواب دیتے ہوئے کہا جوانی کی لغزش اگر سرزد ہو تو یہ ٹھوکر محبت کی نہیں ناتجربہ کاری کی ہے۔ اول تو محبت کے بارے میں میرا کوئی تجربہ نہیں۔ سلیم نے جو تھوڑے سے بہت مجھے وہ لطیف جذبات دیئے تھے وہ خالد کے آتے ہی ختم ہو گئے شروع دن سے اس نے مجھے چھیڑنا شروع کر دیا ان کا صرف ایک ہی کام تھا کہ کسی نہ کسی طرح میرے خون میں ابال پیدا کریں۔ میں بے قابو ہو جاؤں۔ میرا شعور کچھ کام نہ کرے اور چونکہ یہ کمزوریاں مجھ میں ازل سے موجود تھیں اسلئے وہ اپنی کوششوں میں کامیاب ہو گئے۔

آپ میں یہ کمزوریاں پہلے سے کیوں نہیں؟ گلاب پوچھنے لگی۔

اس قسم کی کمزوریاں تو ہر جوان لڑکی میں ہوتی ہیں۔ تم میں بھی ہیں بشرطیکہ تمہیں ان کے آزمانے کا موقع مل جائے مگر چونکہ تم اس گھر کی خادمہ ہو اس۔ لئے اپنی مرضی سے کوئی کھیل نہیں کھیل سکتیں۔ میرے لئے ایسی کوئی پابندی نہ تھی،

اس لئے میں اپنے عیبوں سے خوب لطف اندوز ہوئی اس دنیا میں غریبوں اور امیروں کی یہی ایک پہچان ہے، غریب اگر کوئی برائی کرے تو وہ اس کا عیب ہے امیر وہی فعل کرے تو وہ اس کا فن ہو گا۔

رخشندہ نے گلاب کی اس دکھتی ہوئی رگ کو پکڑ کر فوراً اس کو اپنا ہمخیال بنا لیا جوان وہ بھی تھی اس کا دل بھی چاہتا تھا کہ خالد ایسا کوئی سیٹھ اس کی زندگی میں داخل ہوتا مگر یہ حسرت کبھی پوری نہ ہو سکی۔ یہ باتیں سنکر خود اس کا خون کھول گیا۔ جوانی کی بدمستیاں اس کے سر پر منڈلانے لگیں۔ وہ ٹھنڈی سانس لے کر بولی:۔

جوانی تو اندھی ہوتی ہے اور اس کا اندھا ہونا میں تو قدرت ہی کا ایک کرشمہ سمجھتی ہوں اور یہ بھی آپ نے سچ کہا کہ پارسائی کا دعوے وہی عام طور پر کرتے ہیں جنھیں اپنی کمزوریوں سے کھیلنے کا موقع نہ ملے۔ مثال کے طور پر میری زندگی لے لیجیئے میں اپنی زبان سے اپنی پاک دامانی کا زعم کر لوں مگر دل ہر وقت یہ چاہتا ہے کہ بس اب ناپاک ہو جاتی۔ حور بن کر اس دنیا میں زندہ بھی رہی تو کس کام کی۔

مگر تمہاری ایسی لڑکیاں اپنی زبان کھولنے پر بھی قدرت نہیں رکھتیں، غربت اور ناداری اُن سے ہر قسم کی ہمت چھین لیتی ہے۔ اس دنیا میں حور ہونے کا دعویٰ تو کبھی بھی نہ ہو گا۔ تم نے ایک طوائف کے گھر میں پرورش پائی آنکھیں عصمت فروشی کے بازار میں کھولیں۔ صورت شکل بھی تمہاری ایسی بری نہیں اس لئے کوئی نہ کوئی بھول چوک تو ہو ہی چکی ہو گی مگر یہ حکایت تمہاری زبان

پر اس لئے نہیں آتی کہ اس بازار میں تمہارے دام بھی میری طرح گھٹ جائیں گے۔ اول تو تمہاری شب عروسی کی قیمت ہی کیا ہوگی مگر وہ جو کچھ بھی ہو تمہاری زندگی کا سرمایہ ہے اور اسکی تمہیں حفاظت کرنا چاہیئے میں تو دو کروڑ پر لات مار کر خالد کے ساتھ بدنام ہوئی اور اس واقعہ کے بعد جب میری قیمت گری تو مجھے اس کا کوئی افسوس بھی نہ ہوا۔

آپ کا اور میرا مقابلہ بھی نہیں مس صاحب گلاب نیچی نظریں کر کے جواب دینے لگی۔ اتنی ہمت، تو مجھ میں نہیں کہ میں اپنی رسوائی سر بازار کراؤں لیکن آپ سے کہہ دینے میں کیا ہرج ہے ایک رات آپ گھر پر موجود نہ تھیں خالد سیٹھ آئے تو انھوں نے بی بی جی سے میرے لئے کچھ اشارہ کیا۔ بی بی جی تیار ہوگئیں مجھے انھوں نے نہلا کر کپڑے پہنائے اور پانچ سو روپے لیکر مجھے ان کے سپرد کر دیا۔ آپ فوراً ہی آگئیں اور آپ نے آتے ہی حسب معمول مجھے پکارا بھی مگر آپ سے یہ کہہ دیا گیا کہ مجھے کسی کام سے باہر بھیجا گیا ہے حالانکہ میں بالکونی میں بند تھی اور آپ کی آوازیں بھی سن رہی تھی۔

اچھا ـــــ؟ اس مرتبہ رخشندہ نے بھی تعجب سے اپنی بڑی بڑی آنکھیں اور زیادہ پھیلا دیں۔ مگر حیرت ہے خالد نے مجھ سے کبھی اس بات کا ذکر نہیں کیا۔

آپ سے اس کا ذکر وہ کس طرح کرتے؟ بی بی جی ان کے اسی وعدہ پر تیار ہوئی تھیں کہ وہ کبھی اس ملاقات کا تذکرہ اپنی زبان پر نہ لائیں گے اور میرا (کنوارپن) بدستور قائم رہیگا۔

اور وہ روپیہ؟ رخشندہ نے فوراً ہی دوسرا سوال کیا۔

وہ تو بی بی جی نے پہلے ہی خالد سیٹھ سے گنوا لیا تھا۔ ہرے ہرے پانچ نوٹ انھوں نے فوراً ہی جیب سے نکال کر بی بی جی کے ہاتھ پر رکھ دیئے۔

تمہیں بھی اس میں سے کچھ ملا؟

جی نہیں۔

تو پھر تم نے خالد کو اپنے پاس کیوں آنے دیا؟

مجھے اپنے اوپر کچھ اختیار بھی تھا۔ مجھے کتنا برا لگا کہ جو آپ کا منگیتر ہو وہ آپ کے نہ ہونے پر چند گھنٹے میرے ساتھ گذارے مگر مجبور تھی جو حکم ملا اسے بجا لائی۔

اس واقعہ کے بعد پھر تم سے اور خالد سے کبھی بات ہوئی۔

جی نہیں

کیوں؟ وہ تو اکثر تنہائی میں تم سے ملا ہوگا۔

جی ہاں ملے اور انھوں نے مجھے چھیڑا بھی۔ ایک دفعہ تو ایسا ہوا کہ آپ اور بی بی جی دونوں گھر میں نہ تھیں اور وہ مجھے زبردستی بالکونی میں پکڑ لے گئے۔

پھر ـــــــ؟

پھر کچھ بھی نہیں۔

وہی پانچ سو روپے والی بات پھر ہوئی۔

جی ہاں!

پھر تم نے امی سے اس کی اطلاع نہیں کی؟

جی نہیں۔

کیوں ؟

کہتی تو اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹنے لگتا۔

تو پھر کیا ہوتا تم تو اپنے فرض سے سبکدوش ہو جاتیں۔

مگر نتیجہ کیا نکلتا مس صاحب آپ ہی نے تو بتلایا کہ غریب کے لئے زبان کھولنا سب سے مشکل کام ہے، وہی مثل کہ چھری خربوزے پر گرے یا خربوزہ چھری پر۔ گناہ بہرحال میری گردن پر لاد دیا جاتا۔

سلیم نے بھی کبھی اس قسم کی حرکت تمہارے ساتھ کی ؟

جی نہیں۔

شکر ہے درخشندہ نے فوراً اپنے کو سنبھال کر ایک دفعہ پھر مسکرانے کی کوشش کی۔ ہاں تو میں تمہیں یہ بتلانے بیٹھی تھی کہ سلیم میں اور مجھ میں محبت کی ابتدا کس طرح ہوئی مگر بیچ میں یہ ناپاک قصے خود بخود آگئے۔ ان پر کسی کا کوئی قابو نہیں اور زندگی سے ان کا اتنا گہرا تعلق ہے کہ انھیں آسانی سے پس پشت بھی نہیں ڈالا جا سکتا کہاں تو وہ محبت کی ابتدا تھی اور کہاں یہ انتہا کہ خالد میری زندگی میں اِک دم سے کود پڑے خود بھی برباد ہوئے اور مجھے بھی کہیں کا نہ رکھا۔ دراصل میرے لئے یہ بڑا مشکل مقام ہے کہ جب میں اپنی زندگی کی کہانی سنانے بیٹھوں تو سلیم کا ذکر زیادہ کروں یا خالد کا ــــــــ ؟

اس پیچیدہ سوال پر جتنا درخشندہ کو سوچنا پڑا اتنا ہی گلاب غور کرنے پر

مجبور ہوئی۔ دونوں بیٹھی ہوئی بڑی دیر تک ایک دوسرے کی صورت تکتی رہیں اور پھر جو باتوں کا سلسلہ شروع ہوا تو رخشندہ کی زبان پر صرف سلیم ہی کا نام تھا مگر گلاب گفتگو کا رخ بدل کر کسی نہ کسی طرح خالد کا بھی تذکرہ چھیڑ دیتی +

مقدمہ کی پیشی میں عدالت کا ہجوم قابلِ دید ہوا کرتا تھا جس وقت تمام
وکیلوں کی حمایت میں فیاض بولنا شروع کرتا تو جج پر رعب طاری ہوجاتا۔
سامعین بھی اس بحث میں انتہائی دلچسپی لیا کرتے اس لئے کہ تمام لوگوں
کی ہمدردیاں خالد ہی کے ساتھ تھیں۔ عبدالحلیم کے ورثاء اب خاموش تھے۔
اس حقیقت کا پتہ تو انھیں بعد میں چلا کہ یہ کس طرح واقع ہوئی تھی خالد
کے والد محسن علی اور عبدالحلیم میں بہت اچھے تعلقات تھے، دونوں بمبئی
کے مشہور رئیس اور تاجر۔ اس لئے ان میں کبھی کوئی اختلاف پیدا نہیں ہوا اگر
معاملہ بدقسمتی سے پولیس کے ہاتھوں میں نہ پہنچ چکا ہوتا تو شاید عدالت
تک بات ہی نہ جاتی۔ مگر اب تو تیر نکل چکا تھا اور عدالت قانون کے مطابق
عمل کرنے پر مجبور تھی۔

اسی اثنا میں محسن علی نے پہلی دفعہ رخشندہ کو بھی دیکھا۔ جسے عدالت

میں اصولاً آنا پڑتا تھا۔ تماشائیوں میں ایسے لوگوں کی تعداد بہت تھی جو محض درخشندہ کو دیکھنے کے لئے عدالت میں آکر بیٹھ جایا کرتے تھے اور حقیقتاً وہ تھی بھی بلا کی دیدہ زیب لمبا انتہائی خوبصورت جسم اور صورت و شکل کا تو کہنا ہی کیا۔ کالج میں جب تک رہی تو وہاں بھی عاشقوں کی کمی نہ تھی۔ چرچے سارے شہر میں اتنی جلدی پھیل گئے کہ ہر شخص غائبانہ طور پر درخشندہ سے واقف ہو گیا اور پھر جو شہر میں یہ خبر پھیلی کہ درخشندہ عدالت میں حاضر ہوتی ہے تو تماشائیوں کے ہجوم کی انتہا نہ رہی یا تو ایسا مجمع کسی فلم ایکٹرس کی آمد پر ہوتا تھا یا پھر درخشندہ کی وجہ سے عدالت میں دیکھا گیا اور چند روز کے بعد عدالت نے غیر ضروری لوگوں کی آمد پر پابندی لگادی۔

ایک دن درخشندہ ہی نے ہمت کر کے محسن علی کو سلام کیا۔ سلیم آگے بڑھ کر کہنے لگا انھیں آپ کے پاس آنے کی بے انتہا آرزو تھی مگر ہمت اس لئے نہ کر سکیں کہ نہ معلوم آپ اپنے دل میں کیا خیال کرینگے۔ بہر حال انھیں ندامت بھی ہے اور افسوس بھی۔

مگر مجھے تو ان سے کوئی خاص شکایت نہیں محسن علی بغیر سلام کا جواب دیئے ہوئے بول پڑے۔ خالد اگر خود گمراہ نہ ہوتا تو یہ نوبت کیوں آتی۔

نرگس بھی موقع کو غنیمت جان کر تھوڑا سا آگے بڑھی دراصل اسکی بھی ہمت اتنی نہ ہوئی کہ وہ محسن علی کو مخاطب کر کے ان سے خود کہہ سکتی مگر جب اسنے دیکھا کہ بات چل نکلی ہے تو اسے بھی منہ کھولنے کا موقع مل گیا۔ بگڑنے والی بات تھی نواب صاحب! اس لئے کسی کے بنائے کچھ نہ

ینا۔ اب یہی دیکھئے کہ میرے اوپر کتنا سنگین الزام لگا دیا گیا کہ میں نے ٹیلی فون کر کے خالد کو گرفتار کرایا حالانکہ خدا شاہد ہے کہ میں اس معاملہ میں قطعی بے گناہ ہوں۔ رخشندہ اور سلیم کو بھی مجھ سے یہی ملال ہے اور اس روز سے ان دونوں نے مجھ سے بات نہیں کی۔ حد یہ ہے کہ میرے گھر کی خادمہ گلاب تک مجھ سے منحرف ہو گئی۔ آپ کا بھی میرے متعلق یہی خیال ہو گا اور قدرتاً ہونا بھی چاہیئے مگر مجبور ہوں کہ اپنی بے گناہی کا ثبوت بھی نہیں دے سکتی۔

مگر پولیس کی رپورٹ تو یہی ہے کہ سب سے پہلے آپ نے اس واقعہ کی اطلاع کی۔

جھوٹ۔ چونکہ ٹیلی فون میرے گھر سے گیا اس لئے مجھ ہی پر شک کیا جاتا ہے۔

تو پھر اور کون ہو سکتا ہے؟

میں ہو سکتی ہوں۔ رخشندہ کہنے لگی، میرے یا امی کے علاوہ اور اس واقعہ کی اطلاع کون کرتا؟ اس بے گناہی کے اظہار کا تو شاید یہی مطلب ہوا کہ میں اس افواہ کی ذمہ دار ہوں؟

بہرحال بات منہ سے نکالی ضرور گئی محسن علی نے کہنا شروع کیا۔ خالد اگر تنہا اقبالِ جرم کرتا تو اسکی یہ دلیری مقدمہ پر بہت اچھا اثر ڈالتی مگر اب تو صورت ہی بدل گئی ہے۔ بس اللہ اپنا رحم کرے۔

چند ہی روز کی بات تھی، نرگس آبدیدہ ہو کر کہنے لگی۔ شادی کا اعلان ہو چکا تھا۔ ہفتہ بھر کے اندر سب کچھ ہو جاتا مگر جب بات بگڑنا ہوتی ہے تو

ویسی ہی صورتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔

شادی سے تو یہ صورت پھر بھی بہتر ہے محسن علی نے جواب دیا۔ آج تو خاندان کے ایک ہی فرد کی عزت کا سوال ہے مگر اس وقت تو سارا خاندان بدنام ہو جاتا۔

کیوں؟ نرگس نے تعجب سے پوچھا۔ یہ آپ کیا فرما رہے ہیں نواب صاحب کیا خالد نے یہ شادی آپ کی مرضی کے خلاف کرنا چاہی تھی؟

قطعی۔ ایک باعزت خاندان میں ایسی شادیاں کہاں ہوتی ہیں۔

لیکن رخشندہ میں کوئی عیب تو نہ تھا شریف "نطفہ" پڑھی لکھی شکل و صورت میں بھی ہزاروں سے بہتر، خالد آپ کی اولاد ہے مگر ماں کی طرف سے اس کا بھی وہی عالم ہے جو رخشندہ کا میں تو یہ سمجھتی تھی کہ اگر یہ پیوند سے پیوند ملا تو آپ کو کوئی اختلاف نہ ہوگا۔ ہماری مالی حالت آپ سے بدتر ضرور ہے یہ نواب صاحب مرحوم کی فوراً آنکھ بند ہو جانے کی وجہ سے سارا کاروبار ختم ہو گیا ورنہ روپیہ پیسہ کی بھی کبھی کوئی کمی نہیں ہوئی۔

رخشندہ کو ماں کی یہ باتیں انتہائی ناگوار گذریں وہ شرمسار تو پہلے ہی سے تھی اور اب تو اس کی نگاہیں زمین میں گڑ کر رہ گئیں۔ نرگس ان باتوں کا اظہار کسی بہت بڑی دور اندیشی کی بنا پر کر رہی تھی۔ اُسے پہلے بھی علم تھا کہ محسن علی خالد کے اس رشتہ کو پسند نہیں کرتے مگر اس نے اس رشتہ کو اس لئے اور بھی چھیڑ دیا کہ خود رخشندہ اپنے کانوں سے اس حقیقت کو سُن لے۔ نواب صاحب مرحوم اسے ماں کے ساتھ مجروں میں جانے کی اجازت نہ دیتے تھے

تہذیب کی وہ قدریں تو ان کے ساتھ قبر میں دفن ہوگئیں۔ نرگس نے ان کی وفات کے بعد جب یہ بھوت رخشندہ کے سر سے اتارنا چاہا اور بتلایا کہ ایک طوائف کی لڑکی بہر حال طوائف ہے، خواہ اس کی رگوں میں کتنا ہی شریف خون کیوں نہ دوڑ رہا ہو مگر اس وقت پانی سر سے اونچا تھا۔ وہ ماں کی نصیحتوں کے باوجود تہذیب اور شرافت کے سمندر میں غرق ہوتی ہی چلی گئی اب یہ اس کا مردہ جسم تھا جو سطح آب پر ابھر آیا تھا نرگس کا مقصد بھی اس قسم کی گفتگو سے یہی تھا کہ رخشندہ خود اپنی شکل اس حقیقت کے آئینہ میں دیکھ لے سلیم نے رخشندہ کو پاکر پھر اسے وہی پرانے سبق یاد کرانا شروع کر دیئے۔ تہذیب کے نئے درس اسے پھیر دیئے گئے اور نرگس کی یہ چھیڑ انھیں سب باتوں پر ایک حملہ تھا

یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ عدالت سے پکار شروع ہوگئی۔ آج مقدمہ میں خالد کی طرف سے گواہان کی طلبی تھی اور فہرست میں سب سے پہلا نام رخشندہ ہی کا تھا۔ وہ اپنا نام سنتے ہی جج کے روبرو جا کر کھڑی ہوگئی۔ وکیل سرکار نے بہت غور سے اسکو نیچے سے اوپر تک دیکھا پھر پوچھنے لگا۔

آپ کا نام مس رخشندہ ہے؟

جی ہاں!

آپ کے اور خالد کے کس قسم کے تعلقات تھے؟

اس مرتبہ رخشندہ نے بھی ترچھی نظروں سے وکیل کو دیکھا اور اس بے تکے سوال کا جواب دینے کے لئے اپنے دماغ پر زور دینے لگی۔ وکیل نے رخشندہ کی ذہنی پریشانی کو سمجھ کر مسکراتے ہوئے پھر اس سے دوسرا سوال کیا۔

میرے پہلے سوال نے شاید آپ کو متفکر کر دیا لہٰذا میں اُسی سوال کو دوسرے لفظوں میں دہراتا ہوں۔

کیا آپ خالد سے بے انتہا محبت کرتی تھیں؟

رخشندہ نے انتہائی ادب سے عدالت کو مخاطب کرکے جواب دیا۔

قبل اس کے کہ میں اس سوال کا جواب دوں کیا معزز عدالت مجھے یہ بتلانے کی تکلیف گوارا کرے گی کہ اس سوال کا تعلق مقدمہ سے ہے یا وکیل سرکار کی بوالہوس نگاہوں سے؟

مجھے افسوس ہے کہ معزز خاتون نے میرے سوال کا غلط مطلب سمجھا وکیل نے پھر ہنس ہنس کر اپنی بات کو دہرانا چاہا عدالت کے سامنے حسن و عشق کے تمام معاملات پیش ہو کر غیر جذباتی بنجاتے ہیں اور ان سے دل یا نگاہوں کا کوئی تعلق باقی نہیں رہجاتا۔

مقدمہ کو اس سوال سے بڑا گہرا لگاؤ اس لئے بھی ہے کہ حادثہ کے وقت آپ خالد کے پہلو میں موجود تھیں اور کسی خوبصورت عورت کا ایک غیر مرد کے پہلو میں ہونا بذات خود اتنا بڑا حادثہ ہے جس سے سارے مقدمہ پر روشنی پڑ سکتی ہے، میری اس مختصر تشریح کے بعد اب شاید آپ کو اپنا جواب دینے میں کوئی اعتراض نہ ہو۔

بیشک مجھے اعتراض نہ ہونا چاہیے مگر مجھے یہ پس و پیش ضرور ہے کہ ہمارے نجی معاملات سے عدالت یا مقدمہ کا کیا واسطہ۔ اس حادثہ کا کوئی تعلق میری محبت کے ہونے یا نہ ہونے سے نہیں ہے اس لئے میں معزز

وکیل کے اس سوال پر روشنی ڈالنے سے قاصر ہوں ۔

معمر جج نے اپنے اجلاس کی کرسی پر بیٹھ کر گردن ہلائی ۔ پھر بولا۔

فضول باتوں میں عدالت کا وقت نہ خراب کیا جائے جرم میں جن سوالوں کا جواب پوچھنا ضروری ہے اُن سے اگر گواہ کو اعتراض ہے تو اسکا نام فہرست سے خارج کیا جائیگا ۔

رخشندہ دل برداشتہ ہوکر اپنا بیان دینے پر مجبوراً تیار ہوئی ۔ اسنے کہا ۔

محبت کے افسانے عدالت کی روکھی پھیکی فضا میں آج پہلی مرتبہ پروان چڑھ رہے ہیں ۔ خالد سے میری ملاقات محض ایک اتفاق ہے ۔ میرے جاننے والوں میں یوں تو بے شمار لوگ تھے نگران میں خالد کو یہ خصوصیت ضرور حاصل تھی کہ وہ اوروں سے زیادہ مجھ سے قریب ہوگئے اور کچھ ہی روز میں انھوں نے بجائے دوست کے منگیتر کی حیثیت حاصل کرلی ۔

یعنی آپ میں اور ان میں شادی کا عہد و پیمان ہوگیا ؟ وکیل سرکار نے بیچ سے ٹوک کر پھر سوال کیا ۔

جی ہاں ! اور یہ طے پایا کہ ایک ہفتہ کے اندر شادی کی دنیاوی رسم ادا ہوجائیگی ۔

لفظ دنیاوی کی آپ مزید تشریح کریں مس رخشندہ ۔ وکیل سرکار نے ٹوکتے ہوئے کہا ــــــ غالباً آپ دونوں کے تعلقات پہلے ہی ازدواجی تھے اور محض دنیا اور سماج کو سبکدوش کرنے کے لئے اس رسم کی ادائیگی عمل میں

آرہی تھی؟

لفظ دنیاوی کا مطلب اتنا غیر محدود نہیں ہے۔ اس رسم کو دنیاوی شاید اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس نازک مرحلہ پر دنیا کو گواہ بنالیا جائے۔ ہماری تہذیب میں ایک مرد کو بیچاری عورت کے مقابلہ میں جو مقبولیت بخشی گئی ہے یہ اُس کے لئے ایک بچاؤ ہے۔

معمر جج نے پھر اپنی کرسی پر بیٹھ کر گردن ہلائی اس نے کہا۔

سوالوں کے اختصار کا لحاظ رکھتے ہوئے جواب بھی مختصر دیئے جائیں عدالت کا منشا حسن عشق پر کوئی افسانہ مرتب کرنا نہیں بلکہ واقعات کی روشنی میں صحیح حالات معلوم کرنا ہے، یہ بات اب تک واضح نہیں ہوسکی کہ مس موصوفہ کو ملزم سے محبت تھی یا نہیں۔

تھی! رخشندہ نے جلدی سے اس لفظ کو ادا کرنے کے بعد نظریں نیچی کرلیں۔

جس وقت یہ حادثہ پیش آیا اس وقت آپکا شانہ خالد کے شانہ سے ملا ہوا تھا۔

مجھے یاد نہیں۔

آپ بتا سکیں گی کہ اسوقت اسٹرینگ پر خالد کا ایک ہاتھ تھا یا دونوں؟

یہ بھی مجھے یاد نہیں۔

قرائن سے تو یہی پتہ چلتا ہے کہ اس وقت وہ موٹر ایک ہی ہاتھ سے ڈرائیو کر رہا ہوگا۔

ممکن ہے۔

بہرحال آپ وثوق کے ساتھ یہ نہیں کہہ سکتیں کہ اس کے دونوں ہاتھ اسٹرنگ پر تھے۔ اس قسم کے حادثات پر اگر نظر ڈالی جائے تو پچھتر فی صدی وجہ یہی ملیں گے کہ اسٹرنگ پر صرف ایک ہاتھ ہونے کی وجہ سے بیلنس بگڑ گیا۔

جی ہاں!

ممکن ہے اس حادثہ کی بھی یہی وجہ ہو؟

ہو سکتی ہے۔

گویا اس بات سے آپ کو اتفاق ہے کہ اسٹرنگ پر خالد کا صرف ایک ہاتھ تھا۔

جی! لیکن میں یقین کے ساتھ نہیں بتلا سکتی۔

پھر بھی آپکا یہ خیال ہے کہ ایسا ہی ہوا ہوگا۔

جی ہاں!

آپ ان کے اُلٹے ہاتھ کی طرف بیٹھی ہوئی تھیں؟

جی ہاں!

دوسرا ہاتھ ممکن ہے آپ کے شانہ پر ہو یا کسی اور جگہ؟

رخشندہ وکیل کے اس بے تکے سوال پر پھر غور کرنے لگی۔ کسی اور جگہ کا مطلب کیا ہو سکتا ہے؟ پہلے خود اس نے اپنے دل سے سوال کیا۔ پھر پوچھنے لگی۔

آپ کا مطلب شاید بریک وغیرہ سے ہے اور یہ تو مجھے یاد ہے کہ حادثہ کے فوراً ہی بعد گاڑی ڈیڈ اسٹاپ ہوئی۔

جی نہیں میرا مطلب بریک سے نہ تھا۔ سنسان سڑک ہو اور دل میں

دلولے تو برک پر ہاتھ ہونا عام طور پر خلاف فطرت ہے۔ گاڑی ڈیڈ اسٹاپ ہوئی ہوگی مگر وہ ہاتھ کسی اور جگہ سے اٹھکر برک پر آیا ہوگا؟

ان سب باتوں سے آپ کا مطلب کیا ہے۔ رخشندہ کی تیوریوں پر بل پڑ گئے۔ آخر آپ مجھ سے کہلوانا کیا چاہتے ہیں؟

میں جو کچھ کہلوانا چاہتا تھا اسکا تو اقبال آپ نے کرلیا اور جو لبطور ریکارڈ ہمارے یہاں محفوظ بھی ہوگیا ہے ان تمام باتوں سے مجھے اس حقیقت پر روشنی ڈالنا تھی کہ اس حادثہ کی ذمہ داری تنہا ملزم پر نہیں آتی بلکہ آپ بھی اس جرم میں برابر کی شریک ہیں۔

وہ کس طرح؟ رخشندہ نے گھبراکر سوال کیا۔

آپ اگر خالد کے پہلو میں نہ ہوتیں تو وہ شاید اتنا بے خبر بھی نہ ہوتا۔ آپکا پہلا بیان شاہد ہے کہ آپ نے ملزم کو گاڑی روکنے اور مقتول کی حالت دیکھنے سے باز رکھا۔ آپ کی یہ حرکت بذات خود ایک جرم قرار دیجا سکتی ہے۔ اس کے علاوہ آپ کی ناجائز قربت نے اس کے ہوش وحواس پر قبضہ کرلیا اور اسے یہ سوچنے کا موقع ہی نہ دیا کہ اس قسم کی بے احتیاطیاں کسی خطرہ کا باعث بن سکتی ہیں۔ آپ نے اپنے پچھلے بیان میں کہا تھا ــــــــ "

سچ پوچھو تو اسی محبت کے نشہ میں یہ سانحہ ہوگیا۔ ہم دونوں کی نظروں میں دنیا اس قدر رنگین اور پر شباب تھی کہ کسی افتاد کا گمان تک نہ ہوتا تھا۔ وہ موٹر کی رفتار تیز کرتے رہے میں ان کی ہمت بندھاتی رہی اور آخرکار ــ

مگر یہ کیفیت تو برسبیل تذکرہ بیان کی گئی تھی۔ رخشندہ کہنے لگی اسے آپنے

اپنے یہاں کے ریکارڈ میں کس طرح محفوظ کر لیا ؟

یہ بیان آپ نے پولیس کو دیا تھا اور یہ سمجھ کر کہ شاید ان باتوں سے جُرم کی اہمیت کچھ کم ہو سکے مگر بد قسمتی سے آپ ہی کے بیان نے آپ کو گرفت میں لے لیا ۔ اب یہ فیصلہ بہر حال عدالت ہی کر سکتی ہے کہ آپ پر بھی مقدمہ چلایا جائے یا نہیں ۔

معمر جج نے پھر تیسری بار اپنی گردن ہلائی ، اور گھڑی کی طرف دیکھ کر عدالت برخاست کرنا چاہی مگر فیاض اپنا گاؤن پہنے ہوئے فوراً ہی سامنے آگیا ۔ اس نے کہا ۔

مائی لارڈ عدالت کے ختم ہونے میں ابھی بیس منٹ کی دیر ہے لہٰذا اگر مجھے بھی کچھ کہنے کا موقع دیا جائے تو شاید حالات پر مزید روشنی پڑسکیگی اور جسکی رُو سے عدالت بھی شاید کسی صحیح نتیجہ پہ پہنچ سکے ۔

اجازت ہے ۔ جج نے کرسی چھوڑنے کے بعد پھر اسی پر قبضہ جما لیا اور پیشکار نے اپنی عینک کی تیلیوں کے اندر سے فیاض کی طرف جھانک کر غصہ سے دیکھا اور اپنے بندھے ہوئے بستہ کو پھر کھول ڈالا ۔ فیاض نے دو قدم آگے بڑھ کر سامعین اور عدالت کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ۔

مجھے روداد مقدمہ کی تفصیل میں اب صرف یہ عرض کرنا ہے کہ یہ واقعہ محض بر بنائے حادثہ تھا اور اسمیں عمداً عبدالحلیم کی موت کی کوئی سازش پنہاں نہ تھی وکیل سرکار نے اپنی اس وقت کی جرح میں اس واقعہ کو محض ایک حادثہ کی شکل میں دیکھا حالانکہ اس سے قبل انھوں نے اس کو ایک سنگین واردات کہا ہے میں

اب عدالت کے روبرو صرف یہ سوال پیش کرنا چاہتا ہوں کہ اگر کوئی سنگین واردات محض ایک حادثہ بن کر رہ جائے اور ایسا حادثہ جس میں ایک لڑکی اور ایک مرد کی بھول چوک شامل ہو کہاں تک اہمیت رکھتا ہے؟

معزز وکیل سرکار نے ایک ناتجربہ کار لڑکی کا بیان دہراتے ہوئے یہ نہ سوچا کہ وہ خود بھی اپنے گزشتہ بیانات میں اس قسم کی غلطیاں کر چکے ہیں یعنی چند روز پیشتر جس واقعہ کو سنگین واردات کہا گیا آج اسے حادثہ کہنے پر مجبور ہوئے۔ میرے اس نظریہ سے شاید عدالت کو کوئی اختلاف نہ ہو کہ حادثات اور احتیاطیں دو متضاد چیزیں ہیں جس طرح آگ اور پانی اور جو ایک دوسرے سے کبھی نہیں مل سکیں۔ جہاں آگ ہوگی وہاں پانی نہ ہوگا اور جہاں پانی ہوگا وہاں آگ کا ہونا ناممکن ہے۔ اسی طرح حادثہ کا کسی احتیاط کے ساتھ ہونا قرین قیاس نہیں۔ اب اگر یہ کہا جائے کہ ملزم نے حادثہ سے بچنے کے لئے احتیاط نہیں برتی تو میرے خیال میں یہ ایک غیر فطری بات ہے اور کسی غیر فطری بات کا جرم قرار دینا خلاف قانون ہے۔ وکیل سرکار نے ایک معزز اور تعلیم یافتہ لڑکی سے جن شرمناک سوالوں کو پوچھا اُن کا بھی تعلق ایک حادثہ سے تھا ورنہ ایک قاتل اپنا ایک ہاتھ اسٹرنگ پر رکھکر اور دوسرا لڑکی کے شانے یا سینہ پر رکھکر کسی سنگین واردات کا مرتکب نہیں ہوسکتا۔ دنیا کی تاریخ میں آج تک کسی مجرم یا قاتل نے ایسی رومانٹک واردات نہ کی ہوگی۔ حادثات عام طور پر انسانی طاقت کے باہر سمجھے جاتے ہیں۔ ان میں ایک بے اختیارانہ اسپرٹ ہوتی ہے اور اس لئے ہم انھیں جرم قرار نہیں دے سکتے۔ میرے موکل مسٹر خالد عباس پر کسی طرح یہ جرم عاید نہیں

ہوتا کہ اُس نے عمداً عبدالحلیم کو اپنے موٹر سے کچل کر مار ڈالا جیسا کہ عدالت کو تفصیلات سے معلوم ہو چکا ہے کہ اُسی روز خالد عباس نے وہ نئے ماڈل کی گاڑی رخشندہ کو گھمانے کے لئے خریدی تھی نا کہ عبدالحلیم کو کچل کر مار ڈالنے کے لئے؟

پھر مار ڈالنے کا جرم تو خود خالد عباس پر عاید نہیں ہوتا جو موٹر چلا رہا تھا نا کہ رخشندہ پر؟ جو محض تفریحاً اپنے منگیتر کے ساتھ بیٹھی ہوئی سیر کر رہی تھی۔ مجھے افسوس ہے کہ وکیل سرکار نے عدالت کے سامنے کس قدر بوگس اور بے معنی دلیل یہ کہہ کر پیش کی کہ رخشندہ پر بھی وہی جرم عاید ہوتا ہے جسکی بناء پر خالد عباس کو گرفتار کیا گیا۔ اس قسم کی باتوں سے قانون کو بدنام کرنا اور اسے اپنی MONOPOLY سمجھنا کہاں کا انصاف ہے۔ اب یہ فیصلہ معزز عدالت ہی پر منحصر ہے کہ وہ ایسے وکیل کو قابل گرفت سمجھتی ہے جو قانون کو نہ سمجھتا ہو یا ایسی لڑکی کو جو حقیقت بتلا دینے کے الزام میں گرفتار کی جائے۔

بیس منٹ ختم ہو چکے تھے اس لئے معمر جج نے پانچویں بار اپنی گردن ہلا کر کرسی چھوڑ دی اور اس کے اٹھتے ہی عدالت بھی برخاست ہو گئی۔ فیاض اسی طرح اپنا گاؤن پہنے ہوئے اجلاس سے نیچے اترا اور رخشندہ کے قریب ہی بچھی ہوئی ایک کرسی پر آکر بیٹھ گیا۔ سلیم نے بڑھکر اسکی پیٹ ٹھونکی اور اپنا سنہری سگرٹ کیس کھول کر اسکے سامنے کر دیا۔ فیاض نے ایک سگرٹ نکال کر سلگائی تو سلیم کہنے لگا۔

چھکے خوب اور لطف یہ کہ عدالت پر بھی اچھا خاصا طنز کر دیا۔

اس قسم کے حربے استعمال کرنا پڑتے ہیں فیاض نے جواب دیا یہ رخشندہ بیگم جو کچھ نہ کرائیں تھوڑا ہے۔ مجھے تو یہ ڈر ہے کہ اب کہیں کوئی حادثہ تمہارے ساتھ نہ پیش آجائے۔

مگر تم نے تو یہ نظیر قائم کر دی کہ حادثہ بذات خود کوئی جرم نہیں۔ اب اگر خدانخواستہ یہ صورت بھی ہوئی تو اس فیصلہ کو نکلوا لیا کریں گے۔

تینوں آپس میں اس قسم کی باتیں کرتے رہے اور کچہری میں لوگوں کا مجمع چھٹتا رہا محسن علی اور نرگس بھی جب جا چکے تو یہ تینوں ایک ساتھ اٹھ کر کسی ریسٹورنٹ میں جا بیٹھے۔ چائے کے ساتھ ساتھ ان کے قہقہے بھی فضا میں گونج رہے تھے۔ اور فیاض کو بار بار یہ احساس ہو رہا تھا کہ اس صحبت میں اگر خالد بھی موجود ہوتا تو کتنا اچھا تھا +

سلیم کی دنیا پھر سے آباد ہوگئی اور اس مرتبہ آباد ہونے میں وہ خطرات بھی نہ تھے جنھوں نے پہلے اس دنیا کو اجاڑ کر رکھدیا تھا۔ خالد کا تو خیر کوئی وجود ہی نہ تھا۔ رہ گئی نرگس وہ بھی اس تغیر کے بعد ان دونوں کی نگاہوں میں اپنی عزت و وقعت کھو بیٹھی اور اسلئے اسے ان دونوں کے معاملات میں دخل دینے کی ہمت نہ ہوئی۔ گلاب محض ایک خادمہ تھی اور اس کا تعلق اب نرگس کے ساتھ صرف اتنا رہ گیا تھا کہ اس کے مقررہ دوچار کام کردیا کرے باقی وقت وہ درخشندہ کی خدمت میں گذارتی اور اب چونکہ دونوں میں بے تکلفی سی پیدا ہوگئی تھی، اس لئے گلاب کو درخشندہ کا کوئی کام نہ کھلتا۔ نواب صاحب مرحوم اپنی زندگی میں درخشندہ کو اپنی تھوڑی بہت جائیداد کا وارث بنا گئے تھے۔ پھر

جب وہ ماں سے روٹھی تو گھر کا کارخانہ بھی اس نے ماں کے ہاتھوں سے چھین لیا۔ یوں بھی رخشندہ ہی کی بدولت یہ سارا گھر چلتا تھا۔ خالد اسی کی وجہ سے اپنا روپیہ پانی کی طرح سے بہا رہا تھا۔ ادھر رخشندہ کی زبان پر کوئی خواہش مچلی ادھر خالد نے اسے پورا کر دیا۔

مگر اب اس کے چلے جانے کے بعد جب اکتفا گھر کی جائیداد پر کرنا پڑی تو ماں کے ہاتھوں سے وہ پرانا کاروبار چھیننے کے علاوہ اور چارہ ہی کیا تھا۔ سلیم کے پاس دولت نہ تھی اسکی اپنی گذر اوقات کے لئے جو سرمایہ اس کے پاس محفوظ تھا وہ اتنا ناکافی تھا جسے نہ ہونے کے برابر کہا جا سکتا ہے۔ مگر رخشندہ اس کی غربت میں بھی خوش تھی۔ خالد ایسے ہیجانی انسان کے بعد وہ سلیم کو پاکر مطمئن تھی۔ دونوں ایک دوسرے سے محبت بھی کرتے تھے اور اس لئے ان کے اس نئے رومانس میں کوئی چیز حائل نہ ہو سکی۔ اس ہنگامہ کے بعد سارے شہر میں جو بدنامی رخشندہ کی ہوئی تھی اس کے لئے بھی اسے پناہ کی ضرورت تھی اور وہ پناہ اسے سلیم ہی کے پہلو میں ملی۔ یہ دونوں پھر ہمیشہ کی طرح ایک جان دو قالب ہو کر رہ گئے۔ سب سے زیادہ جس چیز نے رخشندہ کو مطمئن کیا وہ سلیم کی مستقل مزاجی تھی۔ وہ اتنے عرصہ تک رخشندہ ہی کے تصور سے اپنی دنیا آباد کئے رہا۔ دونوں میں پیمان وفا تو پہلے ہی بچکا تھا مگر وہ ٹوٹا رخشندہ کی طرف سے۔ اس شرمندگی اور افسوس نے اس کو سلیم کے اور بھی قریب کر دیا اور اب تو نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ سلیم کی وقتی جدائی بھی اُسے برداشت نہ تھی۔ سلیم پہلے تو رخشندہ کی ذہنی حالت سے خائف تھا

اس کے کیرکٹر پر اعتماد نہ کرتا تھا۔ مگر دھیرے دھیرے رخشندہ کی بڑھتی ہوئی محبت ہی اسے راہ راست پر لے آئی۔ اب اُسے رخشندہ کی طبیعت پر بھی بھروسہ تھا۔ اور کیرکٹر پر بھی اور وہ یہ سمجھتا تھا کہ اب دنیا کی کوئی قوت ہم دونوں کو الگ نہیں کر سکتی۔ غرضیکہ دن اسی طرح گذرتے چلے جا رہے تھے۔ اسی اثنا میں رفتہ رفتہ پھر دونوں میں شادی کا عہد و پیمان ہوا۔ محبت کے بھولے ہوئے فسانے پھر اسی شدت کے ساتھ دہرائے گئے۔ اور دونوں طرف سے شادی کی تیاریاں ہونے لگیں۔ سلیم کا اپنا کوئی عزیز بمبئی میں نہ تھا۔ اس لئے رخشندہ ہی کو اس کے لئے بھی سب کچھ کرنا پڑا۔ انھیں تیاریوں کے دوران میں وہ ایک دن سلیم سے کہنے لگی۔

میں اگر دولہن کی حیثیت سے تمہارے گھر کا بھی کام کرتی پھری تو دنیا مجھے کیا کہے گی؟

جواب کہتی ہے۔ دلہن بننے کی کوئی ایسی خاص ضرورت بھی نہیں۔ نکاح کی رسم بغیر دلہن دولہا بنے ہوئے بھی انجام پا سکتی ہے۔

دلہن میں اپنے لئے نہیں بن رہی ہوں رخشندہ کہنے لگی۔ تم شاید میرا مطلب ہی غلط سمجھے۔ نہیں تم کو اپنی خاطر دولہا بنانا چاہتی ہوں۔ میرا مطلب تو یہ ہے کہ تم خواہ میرے لئے دولہا نہ بنو مگر میں تمہارے لئے دولہن ضرور بنوں گی۔

دولہن بننے کو دل چاہتا ہوگا؟ سلیم پوچھنے لگا۔

ہاں تاکہ تمہاری زندگی میں یہ خلا باقی نہ رہے۔ دولہن ہر مرد کا ایک بہت پرانا خواب ہے وہ جوانی کی منزل میں داخل ہوتے ہی اس سہانے خواب کو دیکھنا شروع کرتا ہے۔ اور اگر وہ پورا نہ ہو تو اس کی زندگی میں ایک کمی باقی رہ جاتی

ہے میں چاہتی ہوں کہ میں اس کمی کو پورا کرنے کے لئے دلہن بنوں۔

اتنا ہی پرانا خواب ایک عورت کے لئے دولہا ہو گا سلیم کہنے لگا لہٰذا کیا مضائقہ ہے اگر میں تمہارے لئے دولہا بنوں۔ چلو تو پھر یہی طے رہا کہ ہم دونوں ایک دوسرے کے لئے دولہن دولہا بنیں گے مگر قبل اس کے کہ ہمارا یہ خواب کوئی عملی جامہ پہنے ہم ذرا اس مسئلہ پر اور تفصیلی گفتگو کر لیں کیا ہم حقیقتاً اس قابل بھی ہیں کہ ایک دوسرے کے لئے دلہن دولہا بن سکیں؟

میں تمہارا مطلب نہیں سمجھی؟

میں اور زیادہ واضح طور پر اپنے اس سوال کو دہراتا ہوں سلیم کہنے لگا دولہا دولہن کا تصور ہماری تہذیب میں کچھ اس قدر پاک اور صاف رہا ہے کہ آسمانی فرشتوں اور حوروں کو بھی اس پر رشک ہوتا ہوگا۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا ہم دونوں اس کے اہل بھی ہیں؟

تم تو کم از کم یہ دعویٰ کر ہی سکتے ہو۔ میرے علم میں تو ابھی تک تم سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوا۔

سلیم اپنی یہ تعریف سن کر خود ہی ہنسنے لگا، پھر اس نے رخشندہ سے سوال کیا۔

گناہ کی تعریف تو کرو ذرا؟

وہ کام جو اپنی مرضی کے خلاف کیا جائے گناہ کی حد میں آتا ہے۔

پھر تو تم نے بھی کوئی کام اپنی مرضی کے خلاف نہیں کیا، اس لئے تم بھی یہ دعویٰ کر سکتی ہو۔

میں نے کیا ہے۔

مثلاً۔ سلیم نے مسکرا کر کچھ عجیب نظروں سے رخشندہ کی طرف دیکھا۔

خالد سے محبت۔ جس کی ابتدا تو بڑی رنگین تھی مگر بعد میں ——— خیر ہوگا چھوڑو ان باتوں کو۔

نہیں نہیں بات پوری کر ڈالو سلیم کہنے لگا۔

سن تو چکے ہو وہ سارا قصہ اب اس میں کوئی لذت بھی تو باقی نہیں رہی اس طرح بار بار مجھے شرمندہ کرنے میں شاید تمہیں مزا آتا ہے؟

ہاں! سوچتا ہوں کہ جس دنیا میں خود نہ رہ سکا اس کے ذکر ہی سے لطف اندوز ہو لوں۔

اب تو اسی دنیا میں رہ رہے ہو؟

یہ وہ دنیا تو نہیں ہے رخشندہ۔ سلیم نے اپنا پہلو بدل کر شکایتاً کہا۔ وہ دنیا جو خالد نے آباد کی تھی کچھ اور ہی چیز تھی۔ اس کے خالی ہونے کے بعد میں اُس میں آگیا لیکن اگر وہ نہ خالی ہوتی؟

دنیا تو بہرحال وہ تمہاری ہی تھی رخشندہ کہنے لگی۔ خالد نے جب اس پہ قبضہ کیا تو تمہاری طرف سے کوئی احتجاج نہیں ہوا اس میں میرا کیا قصور۔

قصور تو شاید میرا بھی نہ تھا۔ اس وقت کے حالات سے یہ اندازہ لگانا آسان نہ تھا کہ تمہارے دل کے جس گوشہ میں میرا قبضہ ہے وہ خالد کی ملکیت بن سکا یا نہیں۔

دل کا گوشہ؟ رخشندہ سلیم کی صورت دیکھ کر ہنسنے لگی۔ کیا دل بھی تقسیم

گوشوں میں تقسیم ہو جاتا ہے؟ میرے پاس تو صرف ایک دل ہے بغیر گوشوں کے اور اس پر ابھی تک کسی کا قبضہ بھی نہیں۔

تو پھر شاید مجھے غلط فہمی تھی سلیم گھبرا کر کہنے لگا۔ اس کا تو مجھے پہلے بھی یقین تھا کہ تمہارا دل میرے قبضۂ قدرت سے ہمیشہ دور رہا۔ اس لیے میں نے گوشہ کا لفظ استعمال کیا تھا تاکہ تمہاری سماعت پر میرا یہ جملہ بار نہ گذرے۔

بس بن گئے نہ جذباتی؟ رخشندہ نے سلیم کا یہ شکایت بھرا لہجہ سنکر فوراً کہا، میری سماعت پر تمہاری بہت سی باتیں بار نہیں گذریں۔ یہ تو ایک معمولی سا جملہ ہی ہے۔ تمہیں زمانہ نے اپنے سے بڑا ستا کی بنا دیا ہے اور میں چاہتی ہوں کہ یہ چیز تم سے اب دور ہو جائے۔

یہ تمہاری کوشش ضرور ہو گی سلیم کہنے لگا مگر غالب کا وہ شعر تم نے نہیں سنا! ؎

پانی سے سگ گزیدہ ڈرے جس طرح اسد
ڈرتا ہوں آئینہ سے کہ مردم گزیدہ ہوں

یہ شعر تو شاید ابھی تم پر صادق نہیں آتا لے دے کے صرف ایک آدمی نے تمہیں کاٹا ہے۔ لہذا اتنی سی بات کے لئے آئینہ سے ڈرنا کوئی عقلمندی کی بات نہیں، خالد بیچارہ اب کس گنتی میں شمار ہے اب تو تمہیں بھی اسے معاف کر دینا چاہیئے۔

اس کی بیچارگی کا احساس تمہارے دل میں اب تک موجود ہے سلیم کہنے لگا، اور کیسے نہ ہو، زندگی کی بہترین بہاریں تم نے اس کے ساتھ گزاریں۔ اس

وقت نے اپنے اثرات بھی چھوڑے ہونگے اور ان کا تمہیں قدرتاً خیال ہونا چاہیئے۔

میرے دل میں وہ خیال پوری شدت کے ساتھ موجود ہے۔ میں تو کبھی اس سے بھی انکار نہیں کیا کہ مجھے خالد کے ساتھ محبت نہیں ہے۔ مجھے انکی اس بربادی کا بھی افسوس ہے مگر چونکہ انسان کا حالات اور واقعات پر کوئی قابو نہیں اس لئے میں بھی مجبور ہو گئی۔ تمہیں بھی تو میں نے فراموش ہی کر دیا تھا اس وقت کے حالات ہی ویسے تھے۔ اب خالد کو بھلا دینا پڑا۔

ان اتفاقات کو اگر تم میری کمزوری سمجھو تو یہ تمہاری غلطی ہے۔

تمہارے کہنے کا مطلب یہی ہے نہ کہ تم حالات کا ساتھ دینی ہو انسان کا نہیں۔

ہاں!

تو پھر یہ واقعات بھی پلٹا کھا سکتے ہیں اور خالد تمہاری زندگی میں پھر داخل ہو سکتا ہے؟

اس کا تو اب کوئی امکان نہیں خالد کے اور میرے درمیان اب بہت سی رکاوٹیں حائل ہیں اور تمہیں اس کا یقین ہونا چاہیئے۔

مجھے اگر اسکا یقین نہ بھی ہو تو کچھ بنتا بگڑتا نہیں۔ روکاوٹیں اگر حائل نہ بھی ہوں تو اس کا اثر میری زندگی پر کیا پڑ سکتا ہے؟ تمہیں کھو کر بھی میں عابر و شاکر تھا۔ اب تم مل گئی ہو تب بھی خدا کا شکر ادا کرتا ہوں۔ اس قسم کے اتفاقات تو ان پر اثر کرتے ہیں جن میں برداشت کا مادہ نہ ہو۔ محبت کے

معاملے میں تو مجھے "صبرِ ایوب" عطا ہوا ہے تمہاری ذات سے مجھے اس وقت بھی لگاؤ تھا جب تم خالد کی آغوش میں تھیں۔ اب بھی ہے جب کہ تم پھر میرے پہلو میں آ چکی ہو۔ میں نے ان تغیرات کا بڑا گہرا مطالعہ کیا ہے اور اب میری نظر ان سطحی باتوں سے ہٹ کر بہت دور جا چکی ہے۔ اس لئے میرے اوپر تو ان بدلتی ہوئی کیفیات کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔

تعجب ہے درخشندہ سلیم کے ان شاعرانہ خیالات کو سنکر ہنسنے لگی۔ نہ معلوم میں اپنی نظریں اتنی گہرائی کیوں نہ پیدا کر سکی میری زندگی پر تو جو چھا جاتا ہے اسی کا اثر میں قبول کر لیتی ہوں۔ مجھ میں ایک ساتھ تم کو اور خالد کو یاد رکھنے کی صلاحیت کبھی بھی نہ تھی۔ تم دونوں میری زندگی میں شاید برابر ہی کے شریک رہے۔ البتہ جب میں تم سے خالد کا مقابلہ کرتی ہوں تو تمہیں ان سے بہتر پاتی ہوں اور اب جب کہ خالد کی جگہ پھر تم نے لے لی ہے میری خوشیوں کی کوئی انتہا نہ رہی۔

مگر اب خالد سے محبت نہ ہونے کے اسباب کیا ہیں؟ سلیم پوچھنے لگا محض یہ کہ وہ تمہاری نظروں سے اوجھل ہو کر جیل کی چار دیواری میں پہنچ چکا ہے۔

کچھ تو یہ وجہ ہے اس کے علاوہ میرا دل بھی ان کی طرف سے کراہت کرنے لگا۔ خالد کی عدم موجودگی میں جب کبھی مجھے پچھلے واقعات پر غور کرنے کا موقع ملا تو میں اس نتیجہ پر پہنچی کہ انھیں دراصل میرے ساتھ وہ محبت نہ تھی جو مجھے ان کے ساتھ رہی۔

یہ تو عجیب بات ہوئی سلیم کو کہنا پڑا۔ خالد بھی شاید یہی جذبہ لے کر تمہارے پاس سے چلا گیا اور اپنے آپ کو مقید کرا بیٹھا۔ اب تم دونوں میں نہ معلوم سچا کون ہے؟

کوئی بھی نہیں۔ خشندہ کہنے لگی۔ ان کا بھی یہ دعویٰ حقیقت پر مبنی نہ تھا اور میں بھی محبت کا بہانہ کر کے ان کے ساتھ زندگی کے دن گذارتی رہی۔ ہم دونوں ایکدوسرے سے محبت بھی کرتے تھے مگر ایک دوسرے کے وفادار کبھی نہ بن سکے۔ انھوں نے میرے ہوتے ہوئے گلاب کو اپنی ہوس کا شکار بنایا۔ میں نے ان کی موجودگی میں کھن کھن سیٹھ کو ٹٹولا۔ اب یہ اور بات ہے کہ میں اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہو سکی اور وہ ہو گئے۔

تمہارے ہوتے ہوئے گلاب بھی ان کی داشتہ تھی؟

ہاں!

اور یہ اسی کا ردعمل تھا کہ تم نے کھن کھن کے دامن میں پناہ لینا چاہی۔

یہ چیز کچھ تو ردعمل کے طور پر میرے اندر پیدا ہوئی اس کے علاوہ مجھے اپنی دنیا بنانے کا خیال بھی اک دم سے آگیا۔ صرف ایک رات کا دو کروڑ روپیہ مگر اتنی بھاری رقم میرے وجود کی قیمت نہ تھی بلکہ خدا کی بنائی ہوئی اس رات کی جس میں وہ مجھے لے کر اپنے پہلو میں سوتا۔

پھر ناکامیابی کیوں ہو گئی؟

رات کی لطافت اور پاکیزگی نے مجھے یہ موقع دینے سے انکار کر دیا اس لئے کہ میں عصمت مآب نہ تھی۔ یہ اتنا بڑا نقصان بھی خالد ہی کی

ذات سے ہوا۔ اور اس لئے مجھے ان سے نفرت ہوگئی۔ نہ انھوں نے مجھے اپنے ہی قابل رکھا نہ کسی اور کے لائق۔ ان کی زندگی سے میری محبت کی کچھ یادیں ضرور وابستہ ہیں اور ان کا جب کبھی میں ذکر کرتی ہوں تو عام طور سے لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ خالد میری زندگی کا تنہا ہیرو تھا۔ میں اب تک اس کے لئے دیوانی ہوں" تم بھی میرے متعلق اسی نتیجہ پر پہنچے اور گلاب بھی یہی سمجھتی ہے۔

میرا خیال ہے کہ اب ہم اس موضوع کو بدل کر کچھ اور گفتگو کریں سلیم نے کبیدہ خاطر ہو کر رخشندہ کی طرف دیکھا عشق کے معاملات اپنی ذاتی ملکیت ہیں اور ان سے کسی دوسرے کو واسطہ نہ ہونا چاہئے۔

میں اس گندگی کو عشق کا متبرک نام تو نہیں دیتی بہرحال اب اس موضوع کو بدل دیجئے۔ میری تو ہمیشہ یہی خواہش رہی کہ ہم دونوں کبھی اس تلخ حقیقت پر گفتگو نہ کریں مگر ذکر چونکہ پہلے آپ چھیڑتے ہیں اسلئے مجھے بولنا پڑتا ہے۔

شام ڈھل چکنے کے بعد رات ہونے کے قریب تھی اس لئے سلیم نے گھر جانے کی آمادگی ظاہر کی۔ یہ ساری گفتگو رخشندہ کے ڈرائنگ روم میں ہوتی رہی۔ گلاب نے اندر آکر بجلی کے سارے بلب روشن کر دیئے تو سلیم اٹھکر چلنے لگا۔ گلاب بولی:۔

چائے تو پیتے جائیے۔ میں کئی مرتبہ یہ دیکھ دیکھ کر لوٹ گئی کہ آپ لوگ باتیں کر چکیں تو چائے لاؤں۔

مگر چائے کا ہماری باتوں سے تو کوئی تعلق نہ تھا، رخشندہ نے مسکرا کر گلاب سے شکایت کی۔ تم جب خود کسی کام کو بھول جاتی ہو تو اس کے لئے کوئی نہ کوئی عذر تمہیں مل جاتا ہے۔

یہ بات نہیں مس صاحب مجھے خود تنہائی میں آنے کی ہمت نہ ہوئی۔

کیوں ہم دونوں ننگے ہوکر ناچ رہے تھے کیا؟

گلاب بغیر کچھ جواب دیئے ہوئے مسکرائی ہوئی ڈرائنگ روم سے باہر نکل گئی۔ رخشندہ نے سلیم کا دامن پکڑ کر اسے پھر اپنے پاس بٹھا لیا۔ موضوع بدلجانے سے اب دونوں کی طبیعتوں پر وہ گرانی نہ تھی سلیم کو تو اس کے صرف اشارہ کی ضرورت ہوا کرتی تھی۔ رخشندہ کہنے لگی۔

اب تم جا رہے ہو جب دراصل تمہارے آنے کا وقت ہوا کیا کروگے جاکے۔ گھر کی تنہائی سے تو کم از کم میری موجودگی تمہارے لئے زیادہ راحت کا سامان بن سکتی ہے۔

سارا دن تو تمہارے ہی یہاں ختم ہوگیا۔ سلیم کے کہنے کا انداز بتا رہا تھا کہ اگر ایک مرتبہ رخشندہ نے اور اصرار کیا تو وہ رک ہی جائیگا۔

رخشندہ اپنی حرکت سے کب باز آنیوالی تھی وہ کہنے لگی۔

رات کا وقت ہے اب یہیں سو رہنا۔ چائے پی لو پھر میں تمہاری خاطر کوئی اچھا سا نغمہ چھیڑ دونگی۔

گلاب چائے لے کر داخل ہوئی تو رخشندہ نے گنگنانا شروع کر دیا تھا۔ چائے کی گرم گرم پیالیاں جب دونوں کے سامنے آئیں تو رخشندہ کے

ہونٹوں پر آیا ہوا وہ نغمہ ختم ہوگیا اس نے چائے کا ایک گھونٹ لے کر سلیم سے پوچھا۔

کیا سنو گے؟

جو تم سنا دو۔

گلاب اپنا سر بہار اسی کے پاس بیٹھ کر چھیڑنے لگی اور نغمہ رخشندہ کے منہ سے پھوٹ نکلا۔

کلی کا روپ پھول کا نکھار لے کے آئی ہوں
میں آج کل خزانۂ بہار لے کے آئی ہوں
تمام رات جاگنے کے بعد چشم مست میں
یقین کا رس امید کا خمار لے کے آئی ہوں
یہ سادہ سادہ عارضوں کی شکریں ملاحتیں
ملاحتوں میں سرخیٔ انار لے کے آئی ہوں

گلاب کا سر بہار نغمہ کا اس طرح ساتھ دے رہا تھا جیسے دونوں ایک دوسرے کی انگلی پکڑے ہوئے آگے بڑھ رہے ہوں۔ سلیم جھوم رہا تھا اور رخشندہ اسی طرح نغمہ ریز تھیں ؎

لب شگفتہ و حسین میں گدگدی شراب کی
شراب میں کھلے ہوئے شرار لیکے آئی ہوں
دراز زلف میں گندھی ہوئی ہے مالکوں کی رات
سیہ لٹوں میں شام بادہ خوار لیکے آئی ہوں

حرام جیسے پینگ لیتی ہیں نئی جوانیاں
قیام جیسے دولت قرار لیکے آئی ہوں
مژہ مژہ پہ جگمگا رہے تھے اختر امید
پلک پلک پہ شام انتظار لیکے آئی ہوں
ہر ایک لغزش حسین سلونا پن لئے ہوئے
سلونے پن میں صبح کوہسار لیکے آئی ہوں
یہ گاتی گنگناتی نوجوانی کی خموشیاں!
خموشیوں میں وقت کی پکار لیکے آئی ہوں!
بسنتی ساری میں چھپا ہوا ہے وہ جواں بدن
جواں بدن پہ ریشمی بہار لے کے آئی ہوں
یہ صندلیں کلائیاں، یہ سبز و سرخ چوڑیاں
سہاگ لے کے آئی ہوں سنگار لیکے آئی ہوں
لہک رہے ہیں انکھڑیوں میں گلستاں ہی گلستاں
نگاہ میں بہار ہی بہار لے کے آئی ہوں!

تھوڑا سا ٹھہر کر رخشندہ نے پھر مسکرا کر سلیم کی مست نگاہوں کی طرف دیکھا اور اسے اپنی حالت میں بیخود پا کر اسی طرح گاتی رہی۔

تیری اجاڑ زندگی کی چلچلاتی دھوپ میں
میں گیسوؤں کا ابر عطر بار لے کے آئی ہوں
اداس اداس زیست کو سنا رہی ہوں بانسری

گھٹے گھٹے سکوت میں ستار لیکے آئی ہوں
نگاہ و دل کا ذکر کیا تڑپ کے روح رہ گئی
کچھ اس ادا سے دعوتِ قرار لیکے آئی ہوں (کیفی)

بیشک سلیم نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا اور اس ایک لفظ کے ساتھ سر بہار اور نغمہ دونوں ختم ہو گئے۔ اب دونوں ایک دوسرے کی طرف بڑی محبت بھری نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ گویا رخشندہ کی نگاہیں تو یہ کہہ رہی تھیں کہ اب رات میں کہاں جاؤ گے؟ اور سلیم کی نظروں کا یہ جواب تھا کہ اب اگر جانا بھی چاہوں تو نہیں جا سکتا۔"

ان دونوں کی نظروں کو گلاب نے بھی سمجھ لیا اور اُس نے اسی رخشندہ کے سونے والے کمرہ میں ایک دوسری مسہری لیجا کر اور بچھا دی۔

قید خانہ کی زندگی کا خالد کے پاس کوئی تصور نہ تھا۔ کہاں تو اس کی رہائش
کے لئے ماں باپ کی وہ عالیشان کوٹھی اور کہاں قید بامشقت اور تنہائی۔
چند روز کی ایذاؤں نے نہ اس کی وہ صورت باقی رکھی۔ اور نہ ڈیل ڈول سر اور
داڑھی کے پریشان بال اتنے بڑھ گئے کہ اب وہ مشکل سے پہچانا جاتا تھا۔
بالوں میں ہفتوں کا گرد و غبار چہرے پر میل کی تہیں ناخون بڑھے ہوئے رخشندہ
نے جب کئی روز کے بعد اس کا یہ عالم دیکھا تو ڈر کر چلا پڑی۔ اس کے ملنے والوں
میں یا تو محسن علی پابندی کے ساتھ اسے دیکھنے آتے تھے یا کبھی کبھی سلیم کے
ساتھ رخشندہ۔ باپ تو خیر اپنی پدری محبت کی وجہ سے مجبور تھا لیکن رخشندہ اور
سلیم محض وضعداری نبھانے کے لئے آجاتے۔ رخشندہ کو تو اس کی بربادیوں
کا ملال تھا اور سلیم کوئی کدورت نہ رکھنے کی وجہ سے خالد کا اب بھی دوست

تھا۔ اس کی ہمدردیاں صرف یہیں تک محدود نہ تھیں بلکہ وہ مقدمہ کی دوڑ دھوپ میں بھی مدد کر رہا تھا اور چاہتا تھا کہ وہ جلد سے جلد چھوٹ کر گھر آ جائے۔ انسانی کوششوں کا جہاں تک تعلق ہے وہ خالد کو بچانے کے لئے تمام کی تمام جاری تھیں لیکن جیل کے اندر کی آسائش بہم پہنچانا نہ محسن علی کے اختیار میں تھا نہ سلیم کے۔ ان جسمانی تکلیفوں کے ساتھ ساتھ خالد کو روحی تکلیفیں بھی تھیں۔ ان میں سب سے بڑی اذیت جو اسے برداشت کرنا پڑی وہ رخشندہ کی جدائی تھی، اس قسم کی محبت جوان دونوں کو ایک دوسرے کے ساتھ تھی خواہ وہ کسی اسٹیج پر آکر ختم ہو جائے۔ اپنے گہرے اثرات تو چھوڑتی ہے۔ وہ جب بھی بیٹھے بیٹھے اپنی زندگی پر نظر ڈالتا تو رخشندہ ہی مسکراتی ہوئی اس کی نظروں کے سامنے آکر کھڑی ہو جاتی۔ اُس کو بھلانے کی انتہائی کوششوں کے باوجود اس کی یاد اور زیادہ گہری ہو کر دل میں اترتی چلی گئی۔ اس نے لاکھ کوشش کی کہ یہ خیال اس کے دل سے دور ہو جائے وہ رخشندہ کو بھلا بیٹھے مگر محبت کے خلاف اس کا ہر ارادہ اسے اس کی پہلی الفت میں جکڑتا ہی چلا گیا۔ رخشندہ جب اس سے جیل کے پھاٹک پر آکر ملتی تھی تو وہ عموماً پاگلوں کی سی حرکتیں کرنے لگتا۔ انتہائی ضبط اور کوشش کے باوجود وہ ساری کیفیات اس کی آنکھوں سے عیاں ہو جائیں۔ بظاہر ایک قسم کی بناوٹی مسکراہٹ کو لبوں پر لاکر وہ رخشندہ کی مزاج پرسی کرتا اس کے آنے کی تکلیف کا شکریہ ادا کرتا مگر اس مسکراہٹ میں وہ جو آنسوؤں کی بوندیں مضمر ہوتیں وہ عیاں ہو جاتیں اور وہ اکثر پاگلوں کی طرح سے رخشندہ کی طرف اس طرح دیکھنے لگتا جیسے اُسے

پکڑنے پر آمادہ ہو۔ وہ دوری جواب اس کے اور رخشندہ کے درمیان حائل تھی پہلی والی قربت کے بالکل خلاف نظر آتی اور عام نظریں یہ منظر دیکھکر مشکل سے اندازہ لگا سکتیں کہ دونوں کبھی ایک جان دو قالب بھی تھے۔ صرف سلیم سمجھتا تھا کہ خالد کے دل پر کیا گذر رہی ہے۔ وہ اپنی طبیعت کے خلاف اسے تسکین بھی دیتا تھا اور سمجھاتا بھی تھا اور اس فرض کی ادائیگی اس پر اس لئے اور واجب ہوگئی کہ یہ اتنی بڑی قربانی خالد نے سلیم ہی کے لئے دی۔ ورنہ اگر وہ خود سے اپنے کو گرفتار نہ کراتا اور رخشندہ کو اس کے ہاتھوں میں سونپ کر جیل نہ جاتا تو سلیم اس کا کیا بگاڑ لیتا۔ نرگس نے پولیس کو اطلاع تو کردی تھی مگر قانونی تفتیش کے وقت فوراً مکر بھی گئی۔ اقبال جرم چونکہ خالد کی طرف سے ہو چکا تھا اس لئے بات کچھ بنائے نہ بنی۔ ان باتوں کے پس منظر میں جب سلیم خالد کے سامنے جاتا تھا تو اس کی نگاہیں جھک جاتی تھیں اور اس کی شرافت ہمدردی بنکر پھوٹ نکلی تھی۔ وہ خالد سے کہا کرتا تھا۔

میرے پیش نظر یہ تمام حالات تھے جن سے تم آج گذر رہے ہو۔ وہ قربانی جو انسانی طاقت سے باہر ہو جان پر کھیل کرنا چاہیئے۔

مگر میں نے ان حالات کی شکایت تو تم سے کبھی نہیں کی۔

نہ سہی مگر تمہاری یہ الجھن اور پریشانی کیا کم شکایت ہے۔ میں چونکہ خود اس دور سے گذر چکا ہوں اس لئے مجھے ساری باتوں کا اندازہ ہے۔

ان دونوں کی یہ گفتگو کبھی تفصیلات کی محتاج نہ بن سکی۔ خالد کے پاس

ان باتوں کا کوئی جواب نہ تھا اور سلیم عمداً اس لئے خاموش ہو جاتا تھا کہ مبادا اس کے دل کو کوئی اور ٹھیس نہ لگ جائے۔ رخشندہ جب کبھی خالد سے ملنے کے بعد گھر لوٹ کر آتی تو اداس ادھر اُدھر گھوما پھرا کرتی۔ منہ سے وہ بھی کسی حقیقت کا اظہار نہ کرتی تھی مگر سلیم جس طرح خالد کے دلی تاثرات سمجھنے میں مشاق تھا اسی طرح رخشندہ کی بھی کوئی بات اس سے پوشیدہ نہ تھی۔ آخر کار سلیم نے ایک دن اسے ٹوک ہی دیا۔

پریشانیاں اگر آنکھوں سے نہ دیکھی جائیں تو انھیں نظرانداز کرنا چاہیئے میں دیکھتا ہوں کہ خالد سے ملنے کے بعد جب تم گھر آتی ہو تو تمہاری حالت قابلِ رحم بنجاتی ہے۔ میرے لئے دراصل یہ بڑا مشکل مقام ہے کہ تم دونوں کی الجھنیں دیکھوں اور زبان سے کچھ نہ کہوں۔

کہہ تو لیتے ہو جو دل میں آتا ہے رخشندہ کہنے لگی۔ اب اگر تم یہ چاہو کہ میں تم سے اقرارِ جرم کرنے بیٹھ جاؤں تو یہ ناممکن ہے، یہ مقام تمہارے لئے مشکل ہو یا آسان میں اپنی زبان سے ایک لفظ نہ کہوں گی۔

وہ ساری باتیں جھوٹ تھیں نہ ؟ سلیم پوچھنے لگا۔

کونسی ؟

یہی کہ خالد سے تمہیں کوئی لگاؤ نہیں۔ تم اب اسے بھلا بیٹھی ہو۔ وہ اب تمہاری زندگی کے راستہ پر کبھی نہیں آسکتا ؟

ان کے جھوٹ ہونے کا تمہارے پاس کیا ثبوت ہے ؟

تم میں نہ اب وہ شگفتگی ہے نہ بہار۔ یا تو تم حقیقت کا اعتراف کرلو۔

یا اس سے ملنے جلنے مت جایا کرو۔

پہلی صورت تو ناممکن ہے یعنی حقیقت کا اعتراف۔ البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ میں اس سے ملنا جلنا ترک کردوں۔

سلیم ہنسنے لگا پھر اس نے کہا۔

حقیقت کا اعتراف نہ کرتے ہوئے اسے چھوڑ دینا ایک بہت بڑا ظلم ہے میں اس کے لئے تمہیں ہرگز رائے نہ دونگا۔

اور اتنا کہنے کے بعد پھر سلیم ہی نے جیل چلنے کی اسی وقت آمادگی بھی ظاہر کی گلاب نے ایک ٹیکسی کو آواز دے کر روک لیا اور یہ دونوں اس پہ بیٹھ کر جیل خانہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ شام کی لطافتیں ساری کائنات پر پھیل رہی تھیں۔ آبادی سے باہر نکل کر جب ٹیکسی نے اپنی اسپیڈ اور زیادہ تیز کردی تو رخشندہ کا دل دھڑکنے لگا۔ وہ اب موٹر کی تیز رفتاری سے ڈرنے لگی تھی اور ہر آہٹ پر اُسے یہ گمان ہوتا تھا کہ کہیں کوئی حادثہ نہ ہو جائے۔ مگر گاڑی ان تمام باتوں سے بے نیاز آگے بڑھتی ہوئی چلی جارہی تھی۔ آج سلیم اور رخشندہ دونوں اپنی اپنی جگہ پر کافی سنجیدہ تھے اور کوئی ایک دوسرے سے بات نہیں کر رہا تھا۔ یہ سارا راستہ دونوں نے انتہائی خاموشی سے طے کیا۔ جیل کے پھاٹک پہ جب یہ دونوں ٹیکسی سے اترے۔ تب بھی خاموش تھے۔ خالد شاید آج صبح ہی سے ان دونوں کا منتظر تھا۔ اس لئے کہ پہلی ہی نظر میں وہ ان دونوں کو دیکھکر مسرت سے اچھل پڑا۔ اس نے شکایتاً دونوں کی طرف مڑکر کہا۔

""کاڈے کاڈے سخت جانی ہائے تنہائی نہ پوچھ""
رخشندہ اسی طرح مضمحل اور خاموش لوہے کی سلاخوں سے لگ کر
کھڑی ہو گئی۔ اس کے یہ اندازے کہ وہ حالات اور واقعات سے محبت کرتی
ہے غلط ثابت ہوئے۔ خالد جب اس کی نظروں سے اوجھل ہو گیا تو وہ اسکے
لئے بیقرار رہنے لگی۔ وہ اس کی ناز برداریاں محبت۔ اس کی وہ نئے ماڈل
کی گاڑی، ہر چیز اُسے یاد آیا کرتی۔ سلیم کے پاس یہ چیزیں نہ تھیں مگر شرافت
اپنے بھرپور معیار پر تھی۔
خالد کا جب زمانہ تھا اور سلیم روپوش ہو گیا تھا تو رخشندہ اسکے
لئے بھی بیقرار رہتی۔ مال و دولت کی اس افراط میں وہ شریفانہ عناصر جب نہ ملتے
تو اسے سلیم ہی بے تحاشا یاد آجایا کرتا تھا۔ غرضکہ یہ دونوں برابر کے اس کی زندگی
میں شریک رہے اور اب اس کے لئے یہ بڑا مشکل مقام تھا کہ وہ سلیم کو
پاکر خالد کو بالکل ہی بھلا بیٹھے۔ سلیم ہنسکر کہنے لگا۔
تنہائی کی اذیتوں کا عالم نہ پوچھو۔ مجھ پہ تو یہ دور ہی گذر چکا ہے مگر رخشندہ
کی حالت بھی کچھ تم سے کم خراب نہیں۔ یہ صبح سے مضمحل اور اداس تھیں
اس لئے میں نے سوچا کہ انھیں تمہارے ہی پاس لے چلوں۔
تم نے اچھا نہیں کیا سلیم۔ خالد اور زیادہ مضمحل ہو کر کہنے لگا۔ مجھے تو
اب بھلانا ہی پڑے گا۔ نہ معلوم اب رہائی نصیب بھی ہو یا نہ ہو۔ تم ایسی
باتیں کرتے ہو تو میری پریشانیاں اور مشکل بنجاتی ہیں۔ میں جسقدر تم سے
شرمندہ ہوں۔ اتنا ہی رخشندہ سے بھی۔ تمہارے ساتھ غداری کے جرم

میں اور رخشندہ کے ساتھ ایفائے عہد نہ کرنے کے خیال سے۔ اب تو بہتر یہی ہے کہ تم دونوں مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔ بھول جاؤ میرے شرمناک وجود کو۔ ان آہنی سلاخوں کے ادھر ادھر دو ایسے ساتھیوں کا ملنا جو کبھی زندگی میں الگ نہ رہے ہوں کس قدر عجیب ہے۔

مجھے اس کا احساس ہے سلیم کہنے لگا۔ میرے بھولنے یا نہ بھولنے کا سوال نہیں۔ رخشندہ کو وہ تمہارا تہ مانہ یاد آتا ہوگا اور قدرتاً یاد آنا بھی چاہیے۔

لیکن تم دونوں کس قدر خوش ہو خالد نے جواب دیا اور مجھے یہ دیکھ کر بے انتہا خوشی بھی ہوتی ہے کہ تم دونوں بچھڑ کر پھر ایک دوسرے سے مل گئے، دراصل رخشندہ کے مستحق بھی تم ہی تھے۔ تم دونوں کی سچی محبت نے مجھے جس طرح نکال کر الگ پھینک دیا میں اس کا مستحق تھا اور اب میں اس سزا کو بھگت رہا ہوں۔

محبت تو تمہیں بھی اتنی ہی تھی جتنی کہ مجھے سلیم کہنے لگا۔ میری ہرگز یہ خواہش نہ تھی کہ تم خود کو برباد کر کے مجھے آباد کرو۔ میں اپنی بربادی سے جب مطمئن ہو چلا اور صبر کی قوت مجھ میں بڑھنے لگی تو قدرت نے یہ کرشمہ دکھایا۔ اور اس نئی صورت حال سے کوئی بھی اپنی جگہ پر سبکدوش نہیں۔ نہ تم۔ نہ میں نہ رخشندہ اور اب زندگی کو آسودہ کرنے کی ترکیب بھی نظر نہیں آتی۔

تم اپنے آپ کو خوش رکھو۔ خالد نے رخشندہ کی طرف مڑ کر کہا۔ مجھے امید ہے کہ اگر اتفاقات مجھے تم سے نہ بھی چھینتے تو میں تمہیں

وہ مسرت کبھی بھی نہ دے سکتا جو سلیم کے اختیار میں ہے۔ حالات جب بدلتے ہیں تو ان کا اثر اسی طرح ہوتا ہے مگر پھر ان میں بتدریج اعتدال بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ کیفیت جو تمہاری آج ہے کل نہ رہے گی اور کچھ روز کے بعد تو میں تمہاری زندگی کا بھولا ہوا افسانہ بنجاؤنگا جسے دہراتے ہوئے بھی تمہیں تکلیف ہوگی۔

شاید۔ رخشندہ کو سلیم کی موجودگی میں یہ ایک مہمل سا جواب دینا پڑا۔ میں خود بھی اپنی حالت کا اندازہ صحیح طور پر نہیں لگا سکی ہوں۔ نہ معلوم مجھے کیا ہو گیا ہے۔ تم نے جو بری عادتیں ڈال دی تھیں شاید یہ سب کچھ اس کا نتیجہ ہو لیکن اس وقت اگر سلیم بھی میرے پاس نہ ہوتے تو میں پاگل ہو جاتی۔

لیکن حالت تو میری موجودگی میں بھی تمہاری پاگلوں سے زیادہ بہتر نہیں۔

ہاں کبھی کبھی مجھے جنون کا دورہ پڑ جاتا ہے۔ رخشندہ بولی مگر میری کسی حالت پر بھروسہ نہیں کرنا چاہیئے۔ محبت کے معاملات میں میں نے کبھی سلجھانے کی کوشش نہ کی ورنہ آج ان پریشانیوں میں مبتلا نہ ہوتی۔ خالد نے جو سبز باغ دکھایا تھا اس کے لہلہاتے ہوئے درخت جب تک نظر آتے رہیں گے یہی حالت رہیگی لیکن اس باغ پر ایک نہ ایک دن خزاں آہی جائیگی اور اسی وقت شاید میرا جنون بھی کم ہو جائے۔

آپس کی گفتگو چونکہ اب انتہائی سنجیدہ بن چکی تھی اس لئے سلیم نے موضوع کو بدلنا چاہا۔ خالد بھی اپنی جگہ پر پریشان نظر آ رہا تھا۔ اس لا علاج مرض میں پیچیدگیاں پیدا کرنے سے نہ خالد کا فائدہ تھا اور نہ سلیم کا۔ یہ اندازہ تو

بہرحال ہو ہی گیا تھا کہ رخشندہ سلیم کو پاکر خالد کو بھولی نہیں ہے۔ لہٰذا دونوں اس حقیقت آمیز گفتگو سے کنارہ کش ہو کر ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگے۔ اس بے ربط موضوع کی ابتدا سلیم ہی سے ہوئی وہ پوچھنے لگا۔

کوئی ہم مذاق قیدی بھی ملا تمہیں جس سے دو چار باتیں کر کے دل بہلایا جا سکے؟

ہم مذاقی کا جیل خانہ سے کیا تعلق؟ تنہائی کا احساس عام طور پر اسی لئے زیادہ ہوتا ہے کہ یہاں کوئی ہم نوا نہیں، پھر جتنے مختلف قسم کے کلچر، تہذیب اور بولیاں یہاں ملتی ہیں شاید ہی دنیا کے کسی خطے میں نظر آتی ہوں انسانوں کے اس سیلاب میں اگر کوئی ہم مذاق ہو گا بھی تو اس کا پتہ کون چلا سکتا ہے پھر خالد اخلاقاً رخشندہ کی طرف گھوم کر دیکھنے لگا۔ تم آجاتی ہو تو ذرا دیر کے لئے یہ احساس بھی جاگ اٹھتا ہے کہ ہم مذاقی کا کوئی مفہوم اس دنیا میں باقی ہے اور کہو کس طرح گذارتی ہو سارا دن؟

رخشندہ کہنے لگی۔

"صبح کرنا شام کا لانا ہے جوئے شیر کا"

موضوع پلٹ کر پھر وہی شکل اختیار کر رہا تھا اس لئے سلیم پھر بیچ سے بول اٹھا۔

اور ملنے والوں میں کون کون آیا تمہارے پاس؟

بجز تم دونوں کے اور اتنی تکلیف کون کرتا۔ نہ میں کسی سے ملنا پسند کرتا ہوں۔ ابا اور امی بھی روزانہ آتے ہیں کبھی بہنوں کو لے کر کبھی بھائیوں کو

لے کر لیکن ان کا شمار ملنے والوں میں نہیں۔ بس کچھ نہ پوچھو جو ان کے اضطراب اور پریشانی کا عالم ہے۔ انھیں کو دیکھکر مجھے اپنی گمراہیوں کا احساس اور زیادہ ہوتا ہے۔ اگر لائق ہوتا تو یہ در بدر کی ٹھوکریں انھیں کیوں نصیب ہوتیں؟ اکثر مجھے اپنی بیچارگی پر بھی افسوس ہوتا ہے کہ ان کی کوئی مدد نہیں کر سکتا اور یہی مجبوری ان کے رحم کن حالات میں اور زیادہ اضافہ کر دیتی ہے ان سے اپنی خطاؤں کی معافی مانگنے کی بھی ہمت نہیں کر سکتا۔ کس منہ سے کہوں کہ وہ مجھے معاف کر دیں۔ خدا یہ وقت دشمن پر بھی نہ ڈالے جو بدقسمتی سے مجھ پر پڑ گیا ہے۔

پھر بھی اتنا نا امید ہونے کی ضرورت نہیں۔ خالد کہنے لگا۔ مجھے امید ہے کہ یہ حالات پھر پلٹا کھائیں گے۔ فیاض نے انتہائی خوش اسلوبی سے مقدمہ کی پیروی کی ہے اور اس کی کوشش سے بہت کچھ امیدیں وابستہ کی جا سکتی ہیں۔ جو تلقین تم ابھی ذرا دیر پہلے رخشندہ کو کر رہے تھے وہ در اصل تمہارے لئے زیادہ موزوں ہے حالانکہ اس کا تعلق ان بدلے ہوئے حالات سے بالکل نہیں اور وہ بے معنی سی نصیحت یہی ہے کہ "خوش رہنے کی کوشش کرو"

گفتگو کا مقررہ وقت ختم ہو چکا تھا اس لئے جیل کے سنتری نے مخل ہو کر یہ آپس کی گفتگو بند کرا دی۔

رخشندہ اور سلیم دل برداشتہ ہو کر آہنی سلاخوں سے الگ ہٹ کر کھڑے ہو گئے۔ خالد کو ایک دوسرا سنتری لئے ہوئے جیل کے اندر کہیں

اور چلا گیا اور یہ دونوں اپنی نگاہوں سے اس کے قدموں کا صرف تعاقب ہی کر سکے اور بس +

نرگس کا وجود اب رخشندہ کے گھر میں ایک مہمان کی طرح تھا۔ صبح سے شام تک اپنے کمرہ میں اکیلا پڑا رہتا۔ نہ اُسے اب گھر کی فکر تھی نہ آنے والوں کی۔ نرگس کے ہاتھ اٹھاتے ہی اس مشرب کے لوگوں نے جنکا تعلق اسکی ذات سے تھا اپنی آمد و رفت بند کر دی تھی۔ نہ اب وہ ہنگامہ رہا نہ غل شور اس لئے کہ رخشندہ نے مجروں پر بھی پابندی لگا دی اور ماں سے منع کر دیا کہ رقص و سرود کی کوئی محفل اب اس گھر میں منعقد نہیں ہو سکتی۔ بات چیت کا سلسلہ جو آپس میں کچھ روز کے لئے منقطع ہو چکا تھا اب برائے نام سا تھا۔ نرگس اگر کوئی بات پوچھتی تو رخشندہ جواب دیدیتی یا اگر اسے ماں سے کچھ کام ہوتا تو وہ نرگس کو مخاطب کرتی۔ ویسے عام حالت میں کوئی ایک دوسرے سے نہ بولتا تھا۔

نرگس کو اس مقدمہ کے فیصلہ کا انتظار تھا اور وہ بھی اس لئے کہ رخشندہ خود اس میں منسلک تھی ورنہ وہ چاہتی تھی کہ اس گھر سے کہیں اور جا کر رہے سلیم کو وہ اپنے پاس بٹھا کر کبھی کبھی باتیں کیا کرتی۔ سلیم میں اور اس میں کوئی ایسی خاص ان بن کبھی نہ تھی۔ ان بدلے ہوئے حالات میں اسے نرگس سے بات کرنیکا موقع نہ ملا اور وہ یہ سمجھی کہ رخشندہ کی طرح سلیم بھی اس سے روٹھا ہوا ہے لیکن دراصل ایسا نہ تھا۔ شکایت بدستور اپنی جگہ پر تھی مگر سلیم کسی سے گفتگو بند کرنیکا شروع ہی سے قائل نہ تھا۔ اور اب تو ان دونوں میں کبھی کبھی انتہائی مزیدار باتیں چل نکلتیں۔ رخشندہ کی فطرت پر بحث چھڑ جاتی۔ نرگس کو اس کے طوائف ہونے کا اب بھی پورا یقین تھا مگر پہلے جن باتوں کو وہ رخشندہ کے اوصاف بنا کر بیان کرتی اب ان میں برائیاں شامل تھیں۔ برخلاف اس کے سلیم اپنے خیال میں پختہ تھا۔ اس نے رخشندہ کو طوائف کا درجہ کبھی نہیں دیا۔ ان دونوں کے درمیان اب تک بحث کا موضوع وہی تھا یعنی رخشندہ فطرتاً طوائف ہے یا نہیں؟ نرگس ایک دن کہنے لگی۔

آپ ایک طوائف کو اگر خاتون کا درجہ نہ دیں تو اسے عورت ہی سمجھیں آپ طوائف کی ذات سے جسقدر نفرت کا اظہار کرتے ہیں اس سے مجھے یہ شک ہوتا ہے کہ آپ ایک طوائف کی زندگی کے متعلق بجز اس کے کچھ نہیں جانتے کہ وہ میں ہوں رخشندہ نہیں۔ میرے اور رخشندہ کے درمیان جو فرق ہے وہ ایک طوائف کا کردار نہیں ہیں اگر اپنی کہانی آپ کو سنانے بیٹھوں تو شاید آپ مجھے بھی طوائف ماننے سے انکار کر دیں، مگر مجھے اس کا یقین ہے کہ میں

پوری طوائف ہوں۔ اور رخشندہ کو اپنی اولاد سمجھتی ہوں۔ ناممکن ہے کہ ایک چوہے کا بچہ بل نہ کھودے۔ اب یہی دیکھ لیجئے کہ خالد پر مصیبت آنے کے بعد اس نے کس طرح نگاہیں پھیر لیں۔ ایک کے پہلو سے دوسرے کے پہلو میں۔ دوسرے کے پہلو سے تیسرے کے پہلو میں۔ یہی ایک طوائف کی زندگی ہے نہ؟

لیکن اگر کسی لڑکی کا تعلق صرف دو پہلوؤں سے ہو یعنی ایک کے پہلو سے دوسرے کے پہلو میں تو اسے طوائفیت نہ کہنا چاہئے۔ طوائف کو اتنا محدود تو نہیں کیا جا سکتا۔

اب، دونوں کے پہلوؤں سے بھی تجاوز ہو چکا ہے نرگس کہنے لگی اس کا علم مجھے ہے یا شاید گلاب کو بھی ہو کہ رخشندہ اور کھن کھن سیٹھ کے تعلقات تھے، وہ تو اس پر عاشق تھا۔ ایسا ارب پتی شخص اگر کسی لڑکی پر نظر ڈالے تو کیا وہ بچ کر نکل سکتی ہے؟ اسی زمانہ میں خالد کے ساتھ اگر افواہیں نہ گرم ہوتیں تو کھن کھن رخشندہ کو کوئی کوٹھی دیکر اپنی داشتہ بنا لیتا۔

مگر اس بات کا ذکر آپ نے مجھ سے کبھی نہیں کیا۔ سلیم کو تعجب بھی تھا اور شکایت بھی۔

ذکر کس منہ سے کرتی۔ نرگس کہنے لگی۔ ہمارے یہاں شرم وحیا کو زیادہ دخل تو نہیں مگر پھر بھی اپنے ناموس کی آبروریزی کرنا اچھا نہیں سمجھتے ہیں۔ اب بھی ان باتوں کا آپ سے ذکر نہ کرتی مگر چونکہ رخشندہ کو سمجھنے میں آپ ابتک غلطی کئے جا رہے ہیں اس لئے مجھے کہنا پڑا۔

فرض کیجئے میں رخشندہ کو طوائف نہ سمجھوں یا سمجھنا نہ چاہوں تو اس

میں آپ کا کوئی نقصان ہے؟

جی ہاں نرگس نے جواب دیتے ہوئے کہا۔ ایک ماں کو طوائف سمجھکر اس کی لڑکی کو اس سے اعلیٰ اور برتر سمجھنا کوئی عقلمندی کی بات نہیں۔ اب رہا نفع یا نقصان اس کے لئے مجھے یہ کہنا ہے کہ ایک غیور ماں خواہ اسے دنیا کسی نام سے پکارتی ہو اپنی لڑکی کے ہاتھوں اپنی بے عزتی کب تک گوارہ کر سکتی ہے۔ رخشندہ کا یہ زعم کہ وہ نواب مرحوم کی لڑکی ہے غلط ہے۔ اس حقیقت کو بھی میں ہی خوب جانتی ہوں۔ نواب صاحب سے جس روز میرا عقد ہوا یہ تین سالوں کی تھی۔ یہ سچ ہے کہ نواب صاحب نے اسکو مثل اپنی اولاد کے پالا اور تربیت دی، مگر رخشندہ اولاد کسی اور کی ہے۔

نرگس اتنا کہنے کے بعد خاموش ہو گئی مگر سلیم کے تعجب اور استعجاب کی اب انتہا نہ تھی۔ اس کے وہم وگمان میں بھی یہ حقیقتیں کبھی نہ آسکیں جو آج نرگس کی زبان پر تھیں۔ وہ کہنے لگا۔

مجھے آپ اپنی کہانی تفصیل سے سنائیں۔ اور میں بہت غور سے سنونگا۔ اس سے تو مجھے ہرگز انکار نہیں کہ آپ رخشندہ کو ہم دونوں سے بہتر جانتی ہونگی مگر آپ بذات خود کیا ہیں یہ ہم میں سے کسی کو معلوم نہیں اور رخشندہ کو بھی اس کا علم نہ ہوگا۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ آپ اپنی داستان حیات رخشندہ کو بھی سنائیں تاکہ وہ واقعات کی روشنی میں آپ کی صحیح شکل و صورت دیکھ سکے اور پھر آپ کو پہچان کر اپنا طریقہ بھی درست کر لے۔ آپ کی زندگی کے سربستہ راز شاید کبھی آپ کی زبان پر نہ آتے۔ انسان اپنا وقار قایم رکھنے کے لئے انکی

حفاظت کرتاہے مگر جب وقار اٹھ جائے تو وہی ہلکی پھلکی باتیں زبان پر آکر اتنی وزنی بنجاتی ہیں (بشرطیکہ ان میں حقیقت بھی ہو) کہ گئی ہوئی عزت پھر سے قائم ہوجاتی ہے۔ اب اگر آپ اجازت دیں تو میں رخشندہ کو آواز دے کر آپ کے کمرہ میں بلالوں اور آپ ہم دونوں کے سامنے اپنی کہانی شروع کریں

نرگس کو سلیم نے اس قدر مطمئن کیا کہ وہ رخشندہ کے سامنے اپنی کتاب زندگی کھولنے پر آمادہ ہوگئی۔

اس نے اپنے دل میں سوچا کہ یوں بھی رخشندہ کے دل میں اس کی کوئی عزت نہیں لہذا اسکو بتلانے میں ہرج ہی کیا ہے کہ وہ خود بھی زیادہ مہذب کہلانے کی کسی طرح مستحق نہیں۔ سلیم نے وہیں بیٹھے بیٹھے رخشندہ کو آواز دی وہ آئی تو اس کی تیوریوں پر بل پڑے ہوئے تھے، نرگس اس کی طرف دیکھ کر پہلے مسکرائی پھر کہنے لگی۔

آج باتوں باتوں میں یہ ذکر آگیا کہ تم کسکی لڑکی ہو دنیا تمہیں نواب صاحب مرحوم کی اولاد سمجھتی ہے لیکن آج غلطی سے میں نے سلیم سے یہ اعتراف کرلیا کہ تم ان کی کوئی نہیں ہو۔

پھر ــــــ؟ اتنا کہنے کے بعد رخشندہ کو چکر آنے لگا۔ وہ خود ہی ماں کی مسہری پر اطمینان سے بیٹھ گئی۔ زمین نے اس کے پاؤں پکڑ کر اسے وہیں بٹھادیا یہ گھبرا کر پوچھنے لگی۔

پھر اور میں کسکی لڑکی ہوسکتی ہوں۔

نرگس کہنے لگی۔

وہ نام اتنی آسانی سے تو میری زبان پر نہیں آسکتا جتنی آسانی سے تمنے سوال کر ڈالا۔ اس افسانہ کو پوری تفصیل سے سنوگی تو تمہیں یقین بھی آئے گا اور اپنے متعلق صحیح علم بھی ہوگا۔

اچھا تو پھر سنائیے میں بھی سنوگی رخشندہ کہنے لگی۔

یہ دونوں جب ہمہ تن گوش بنکر بیٹھ گئے تو نرگس نے اپنی داستان اس طرح شروع کی۔

آج سے تقریبًا ۱۷ سال قبل جب نواب صاحب نے مجھے پہلی بار ایک جلسہ میں دیکھا تو اسی وقت سے میرے عاشق ہو گئے اس وقت تم ساڑھے تین سال کی میری گود میں تھیں۔ وہ برابر میرے گھر آتے رہے۔ پھر میری ان کی جب بے تکلفی بڑھی تو میں بھی ان کے یہاں جانے لگی۔ ایک بوسیدہ مگر عالیشان محل میں ان کی رہائش تھی۔ غربت کی زندگی ناداری کی حالت مگر شرافت کی دولت سے مالامال، اور ان کی اسی شرافت نے مجھے انکی طرف راغب کر دیا۔ اس گھر میں وہ اپنی کھلائی آسیہ کے ساتھ رہا کرتے تھے آسیہ مجھے بالکل پسند نہ کرتی تھی۔

اس کا خیال تھا کہ نواب کی مفلسی اور ناداری کی وجہ میں ہی ہوں حالانکہ ان کا علاقہ جس وقت کورٹ ہوا ہے میں انھیں جانتی بھی نہ تھی لوگوں سے ان کی شان و شوکت کی باتیں ضرور سنتی تھی۔ پھر میں نے انھیں جس حال میں دیکھا وہ اس شان و شوکت کی ضد تھا۔ اس وقت کی یادگار صرف ایک پہاڑی مینا انکے پاس ضرور تھی جسے شاید وہ میرے بعد چاہتے تھے یا میرے برابر ہی جس

وقت کا یہ ذکر ہے میں خود بھی بے انتہا مضمحل تھی جس شخص نے مجھے اپنے گھر بٹھا لیا تھا اور جس کی تم اولاد ہو وہ مر چکا تھا۔ اور میں کبھی کبھی سوچا کرتی تھی کہ نواب صاحب کے دامن میں پناہ لے لوں مگر میری یہ خواہش پوری نہ ہو سکی، اول تو آسیہ بماری اس محبت میں سدراہ بنی ہوئی تھی اس کے علاوہ میرا خود بھی دل ڈرتا تھا کہ کہیں نواب صاحب بھی میری قسمت سے انتقال نہ کر جائیں اب اگر تم میری زندگی کا ڈرامہ اپنی تصوراتی آنکھوں سے دیکھ سکو تو یہ سمجھ لو کہ کسی بوسیدہ عالیشان مکان کے کمرہ میں جس کے آگے ایک خزاں رسیدہ چمن بھی تھا شہزادہ نواب اور آسیہ بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔ کمرہ کے اندر جو سامان تھا اس پر غربت کا قبضہ تھا۔ صدر دروازہ کے بازو پر ایک مینا کا پنجرہ آویزاں تھا جو کبھی کبھی انسان کی آواز میں ایک آدھ لفظ بول دیا کرتی تھی۔ آسیہ اور نواب عموماً بیٹھے ہوئے باتیں کیا کرتے۔ وہ کبھی کبھی گھبرا کر پکار اٹھتی۔

نواب!

اور نواب صاحب اس طرح جواب دیتے جیسے انھیں بات کرنے میں تکلیف ہو رہی ہو۔ انھیں در اصل آسیہ کا نواب کہکر انھیں مخاطب کرنا بے حد ناگوار تھا۔ پھر ایک دن آسیہ انسے پوچھنے لگی۔

" نواب " تمہاری کوئی دکھتی ہوئی رگ ہے جسے میں پکڑ لیتی ہوں اور یہ تمہاری چہیتی مینا صبح سے جو نواب نواب کی رٹ لگاتی ہے اسے کچھ نہیں کہتے۔

نواب نے جواب دیا:۔

آج ہی صبح میں نے اسے سمجھا لیا ہے اور جب سے اس نے میرا نام نہیں لیا۔ میں نے اپنے دل کی حالت اس سے بیان کردی اور وہ سمجھ گئی۔ اس نے میرے جذبات کی قدر کی مگر تم ——————"

آسیہ نے بات کاٹ کر کہا۔

وہ تو صبح سے بھوکی ہے اس لئے چپ چاپ پڑی ہے آج اس کا بیسن بھی ختم ہو گیا۔ ہمیں کھانے کو نہیں ملتا تو اس مینا کو کہاں سے دیں۔ اب اسے بیچ کیوں نہیں ڈالتے کسی مالدار کے ہاتھ۔

اس دنیا میں میری مینا کی کوئی قیمت لگا سکتا ہے؟

آسیہ ہنسنے لگی پھر بولی:۔

سب کچھ کھو جانے کے بعد بھی چین نہ گیا۔ پرندے سے وقت اور ضرورت کے ساتھ محبت کی جاتی ہے، تعلقہ نکل گیا، گھر کی چیزیں تک بک گئیں مگر مینا بڑی پیاری ہے۔ تم مجھے اپنی مینا کے مقابلے میں بیوقوف سمجھتے ہو مگر میں تو جو کچھ کہتی ہوں تمہارے فائدے کے لئے۔ میں نے تمہیں پیدا نہیں کیا لیکن مامتا تمہیں یوں برباد ہوتا نہیں دیکھ سکتی۔ تم اور مینا زندگی کے جس دور سے گذر رہے ہو وہ مجھ پر سے گذر گیا۔ تمہارے والد بھی اسی طرح ایک طوطے سے محبت کرتے تھے۔ یہ تمہاری خاندانی میراث ہے البتہ تمہارے خاندان میں کسی نے طوائف سے محبت نہیں کی، نرگس جس دن سے تمہاری زندگی میں شامل ہوئی تم برباد ہو گئے۔ میں اکثر یہ سوچتی ہوں کہ مینا اور نرگس

میں تمہیں کون زیادہ پیارا ہے، نرگس کو بھی میں ایک حسین اور چالاک پرند سے زیادہ نہیں سمجھتی۔ تم اپنی جان بھی دیدو گے مگر وہ تم سے شادی نہیں کریگی، ایک طوائف اور شادی؟ یہ دونوں متضاد چیزیں ہیں۔

طوائف ——— ؟ نواب نے بڑی تعجب بھری نظروں سے اسکی طرف دیکھکر سوال کیا۔

کیوں نہیں آسیہ کہنے لگی۔ ایک لڑکی کی ماں ہونے سے کیا وہ طوائف نہیں رہی۔ تمہیں چاہے میں نواب نہ کہوں مگر اسے طوائف ضرور کہونگی۔

ضرور کہو۔ نرگس کو طوائف اور مجھے نواب کہہ کر ہی تو تمہارے دل میں ٹھنڈک پڑتی ہے مگر تمہیں یہ نہیں معلوم کہ اس نے اپنا پیشہ چھوڑ کر ایک شریف آدمی کے گھر بیٹھنا پسند کیا جسکی اولاد یہ لڑکی رخشندہ ہے۔ نرگس اس مرنے والے سے اب تک اسی طرح محبت کرتی ہے اور اس لئے میرے ساتھ شادی کرنا نہیں چاہتی۔

شادی نہ کرنے کی تنہا وجہ یہ نہیں ہے آسیہ کہنے لگی۔

"وہ یہ بھی سمجھتی ہے کہ اب تمہارے پاس کچھ نہیں ہے تم غریب ہو"

شادی نہ کرنیکی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے نواب نے کہا، میں غریب ہوں مگر میں غلیظ ہونے کا کبھی دعویٰ نہیں کر سکتا تم نے نرگس کو قریب سے دیکھنے کی کوشش نہیں کی ورنہ تمہیں اپنا خیال بدلنا پڑتا۔

میں نے تو جس روپ میں طوائف کو دیکھا ہے نرگس کو بھی ویسا ہی سمجھتی ہوں۔ ویسے بھی ایک عورت عورت کو زیادہ سمجھتی ہے۔ خیر چھوڑو

اس قصّہ کو ـــــــ اب میں جارہی ہوں تم اپنی بینا سے باتیں کرو۔ ایک ایسے بے زبان سے جسے تم نے اپنی ضرورت کے مطابق بولنا سکھایا ہے۔ جو تم چاہو گے وہی وہ کہے گی۔

نرگس اتنا کہنے کے بعد ٹھیر گئی، اس نے سلیم اور درخشندہ کے چہروں کی طرف نظر بھر کر دیکھا جو بہت غور سے بیٹھے ہوئے اس داستان کو سن رہے تھے۔ وہ کہنے لگی:۔

جس وقت نواب اور آسیہ کی یہ گفتگو ہو رہی تھی میں وہیں چھپ کے کھڑی ہو گئی اور یہ تمام باتیں سنتی رہی۔ پھر جب آسیہ نواب کے کمرہ سے باہر نکلی تو اسے مجھے دیکھ کر بڑا تعجب ہوا۔ وہ پوچھنے لگی:۔

تم یہاں کھڑی ہوئی شاید اپنی ہی باتیں سن رہی تھیں؟

جی ہاں! آپ کی باتوں میں مخل ہونا نہیں چاہا اسلئے یہاں آکر کھڑی ہو گئی۔

آسیہ میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے اپنے ہمراہ لے چلی۔ پھر نواب کے کمرہ کا دروازہ بند کر کے وہ مجھ سے بولی۔

میں چاہتی ہوں نواب کو ابھی تمہارے آنے کی اطلاع نہ ہو۔ اسی لئے میں نے ان دروازوں کو بھیڑ دیا۔

میں نے کہا۔

میرے پاس وقت بہت کم ہے نواب نے شاید آپ کو بتلایا ہو کہ میری لڑکی بیمار ہے۔ میں اس وقت نواب کے پاس ایک ضروری کام

سے آئی تھی ۔

آسیہ کے چہرہ کا رنگ فق ہوگیا وہ کہنے لگی ۔

نواب کے پاس اب ایک پھوٹی کوڑی بھی نہیں ہے اُسے بیکار شرمندہ کر کے کیا کروگی ؟ البتہ جو کچھ ہو سکے گا میں تمہاری مدد کردوں گی ۔

مگر میں اس خیال سے تو نہیں آئی ہوں ۔ میں نے فوراً آسیہ کو جواب دے دیا ۔ بہرحال آپ کو جو باتیں مجھ سے کرنا تھیں وہ کیجیئے ۔ میں اب نواب سے نہ ملوں گی ۔

ہماری باتیں تو تم نے سن ہی لی ہونگی ؟ آسیہ مشکوک نظروں سے مجھے گھور کر پوچھنے لگی ۔

جی ہاں ! ذکر کچھ میرے ہی متعلق تھا ، آپ کو شاید یہ تشویش ہے کہ میں کون ہوں ۔ میں اسے بہت اختصار کے ساتھ آپکو بتلائے دیتی ہوں ۔

اتنا کہنے کے بعد میں نے آسیہ کو اپنی اس وقت کی کہانی سنائی جسکا تعلق میری اس کہانی سے کچھ بھی نہیں ہے ۔ وہ کہانی آسیہ کو آسودہ کرنے کے لئے تھی ۔ اس کا تعلق تم دونوں کی آسودگی سے ہے ، آسیہ نے تو میرے حرف بہ حرف کو تسلیم کر لیا تھا اب تم دونوں میری اس کہانی کو جھوٹ سمجھو یا سچ مگر ہے یہ حقیقت اور اسی کی سچائی کو پیش نظر رکھکر میں رخشندہ کی قسم بھی کھا سکتی ہوں جس سے زیادہ عزیز میرے لئے دنیا میں اور کوئی شے نہیں ۔

بہرحال آپ نے آسیہ کو اپنی اس وقت کی زندگی کی کہانی سنائی ،

رخشندہ نے گھبرا کر ماں سے یہ سوال کیا۔

میں نے اسے حقیقت بتلادی کہ چودہ برس کی عمر میں میرے والدین مر گئے تھے، میں اپنے چچا کے گھر آکر رہنے لگی اور اس نے مجھ سے پیشہ کروانا شروع کر دیا۔ چودہ برس کا سن اور پیشہ بس یہ سمجھئے کہ پیشہ میرے بس میں نہ تھا میں پیشہ کے بس میں تھی۔ میں عورت نہ تھی نوجوانی کے سن میں بہت مشکل سے آئی ہونگی کہ مجھ پر یہ ظلم ٹوٹا۔ تھوڑے ہی دنوں میں میں نے سب کچھ دیکھ لیا مجھے ساری دنیا کا تجربہ ہوگیا، میری نظر سے سماج کے وہ گھناؤنے مناظر گذرے جنھیں بے نقاب کرتے ہوئے جی ڈرتا ہے

ایک دن ایک سن رسیدہ شخص میرے پاس آیا۔ میرے چچا نے اس سے بات چیت کی مگر جب اس نے میری شکل دیکھی تو مجھے چھوڑ دیا۔ معلوم نہیں اسے میری بے نور آنکھوں میں کون سی چیز نظر آئی کہ اسے مجھ پر رحم آگیا۔ اس نے مجھے اپنی جیب سے نکال کر پانچ روپے کا ایک نوٹ دیا، اور جانے لگا۔ میں اس کی ٹانگوں سے لپٹ کر رونے لگی۔ اس شخص نے میرے چچا کو بلا کر خوب ڈانٹا، پھر اس نے میرا ڈاکٹری معائنہ کرایا۔ میرے چچا کو سزا ہوگئی اور اس طرح میں اس کے گھر سے نکلی، اتنے دنوں میں مجھے بڑی بڑی بیماریاں لگ گئی تھیں۔ اس شخص نے میرے علاج میں کافی روپیہ صرف کیا۔ جب میں اچھی ہوگئی تو اس نے مجھے اپنے دامن میں پناہ دیدی، بڑا فرشتہ صفت انسان تھا۔ میں اس کے احسان کو کبھی نہیں بھول سکتی۔

آسیہ نے مجھے ٹوک کر پوچھا۔

نواب سے زیادہ فرشتہ صفت تھے وہ؟

میں نے کبھی مقابلہ نہیں کیا یہ میرا جواب تھا۔ مگر میں نواب کے لئے کسی خوشی کا پیش خیمہ نہیں بن سکتی۔ میں کبھی مسکرا نہیں سکتی۔ میں کبھی عورت نہیں بن سکتی۔ میری روح ہمیشہ کے لئے گہنا گئی ہے، سماج نے میرے ساتھ جو ظلم کیا ہے، وہ عصمت دری سے زیادہ ہے، مجھے اپنی عصمت جانے کا افسوس نہیں وہ ایک دن جاتی، خاوند کے ہاتھوں یا کسی غیر مرد کے ہاتھوں افسوس تو یہ ہے کہ سماج نے میری مسکراہٹ مجھ سے چھین لی، میرا اعتماد چھین لیا۔ میری ہنسی چھین لی اور جب کسی انسان سے اس کی ہنسی چھین لی جائے تو اس سے بڑھکر بدقسمت انسان اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

تمہاری زندگی تو بڑی ہی دردناک ہے آسیہ کہنے لگی نواب تمہیں ہنسا سکتے ہیں۔ کیا ہرج ہے اگر تم ان کے ساتھ شادی کر لو؟

میں نے کہا۔

اس محسن کے مرنے کے بعد جب میں نے ان ہاتھوں کی چوڑیاں توڑیں تو یہ عہد کر لیا تھا کہ اب انھیں کبھی نہ پہنونگی۔

اور اس عہد پر اب تک قائم ہو آسیہ پوچھنے لگی۔ کیا ہرج ہے اگر ان ہاتھوں میں دو دو چوڑیاں ڈال لو، اچھا آج تم پریشان ہو تمہاری لڑکی کی طبیعت خراب ہے پھر کسی دن تم سے اس مسئلہ پر باتیں کرونگی اب تم نواب صاحب کے پاس جاؤ تمہیں دیکھ کر خوش ہو جائینگے۔

کمرے کا دروازہ کھولا گیا تو نواب کی آواز میرے کانوں میں آئی،

وہ اس وقت غالب کی یہ غزل گا رہے تھے۔

درد منت کش دوا نہ ہوا　　　　میں نہ اچھا ہوا برا نہ ہوا

مجھے دیکھتے ہی وہ گانا وانا سب بھول گئے اور پریشان ہو کر رخشندہ کی خیریت پوچھنے لگے۔

میں نے بتایا

حالت اچھی نہیں ہے تمہارے پاس ایک ضروری کام سے آرہی تھی مگر آسیہ نے پکڑ کر بٹھا لیا؟

اسے غلط فہمی تھی وہ مجھے پہچانتی نہ تھی لیکن آج میں نے اسے پہچنوایا۔ اس تھوڑی بہت رسمی گفتگو کے بعد نواب نے پھر مجھ سے شادی کا مطالبہ کیا مگر میں نے ان سے کہا۔

تم میری زبان سے بار بار ایک بات کہلوانا چاہتے ہو؟ شادی کے نام سے میری روح کانپ اٹھتی ہے مجھے وہی انجام نظر آرہا ہے جو اس سے قبل ہو چکا ہے۔ میں تمہیں اپنے دل کی گہرائیوں سے قریب پاتی ہوں۔ تمہیں دنیا میں سب سے زیادہ عزیز رکھتی ہوں۔ اس محسن سے بھی زیادہ۔ تم میری دنیا ہو، میری زندگی ہو۔ میرا رواں رواں تمہارا اور صرف تمہارا ہے۔

لیکن اس قسم کی باتیں کرتے وقت مجھے فوراً یاد آگیا کہ رخشندہ کی حالت اچھی نہیں ہے اور مجھے فوراً گھر پہنچنا چاہئے اس لئے میں نے نواب سے کہا۔

میں اس وقت تمہارے یہاں کچھ کھا لوں گی۔ رخشندہ کو غذا کی سخت

ممانعت ہے اس لئے میرے یہاں کچھ نہیں پکا، میرے اس کہنے کا اثر نواب پر نہ معلوم کیا ہوا کہ وہ گھبرائے ہوئے فوراً آسیہ کے پاس چلے گئے پھر جب وہ واپس آئے تب بھی اتنے ہی پریشان تھے۔ میں نے سمجھا کہ شاید آسیہ نے کھانے پکانے سے انکار کردیا ہوگا۔ لیکن ذرا دیر کے بعد آسیہ ایک قاب میں بھنا ہوا گوشت لے کر آگئی۔ اور انتہائی محبت سے میری طرف مخاطب ہو کر بولی:۔

لے میں نے جلدی میں بھون دیا ہے مگر ایسے مزے کا ہے کہ کھا کر خوش ہو جاؤگی۔

میں نے چکھا تو گوشت واقعی مزیدار تھا۔ نواب بدستور اپنی جگہ پر سنجیدہ بنے ہوئے بیٹھے تھے ان کے مزاج کی اس فوری تبدیلی کو میں بالکل نہ سمجھ سکی۔ میں نے پھر مخاطب کرکے کہا۔

آسیہ کے ہاتھوں کی چیزیں مجھے پسند ہیں اسی لئے جب یہاں آتی ہوں تو وقت بے وقت کھانے کی فرمائش کر دیتی ہوں۔

میں نے دیکھا کہ نواب صاحب اب تک خاموش بیٹھے ہوئے سنتے رہے اور میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔

تیسری بار میں نے انھیں پھر مخاطب کرکے کہا۔

رخشندہ نے تمہاری پیاری مینا مانگی ہے اس روز وہ اس سے باتیں کرکے بہت خوش ہوئی تھی۔

میری پیاری مینا۔؟ نواب کے منہ سے یہ جملہ نکل کر رہ گیا

میں نے کہا

کیا بات ہے میرے یہاں تمہاری بینا کوئی تکلیف نہ ہوگی مجھے معلوم ہے کہ تم اُسے بہت چاہتے ہو مگر ایک بیمار بچی کی فرمائش ہے اس لئے کہہ رہی ہوں۔

میں نے دیکھا کہ نواب نے پہلی بار میری اس خوشی کو ٹال دیا اس وقت کا انکار میری سمجھ میں بالکل نہ آسکا جب وہ یہ کہنے لگے۔

میری ہر چیز حتی کہ جان تک کی مالکہ تم ہی ہو مگر میں اپنی پیاری بینا کو نہیں دے سکتا زندگی میں آج پہلی مرتبہ انکار کی جرأت کر رہا ہوں میری وفادار بینا تمہارے گھر نہ جاسکیگی۔

نواب کے اس جواب پر میرے تعجب کی انتہا نہ تھی۔ مگر ساتھ ہی مجھے یہ بھی اندازہ ہوا کہ وہ اپنی بینا کو کسقدر چاہتے ہیں۔ شاید میرے وجود سے بھی زیادہ۔ میں یہ سب کچھ سوچ ہی رہی تھی کہ نواب پاگل ہو کر عجیب پریشانی کے عالم میں باہر نکل گئے۔ یہ معمہ اس وقت میری سمجھ سے باہر تھا مگر آسیہ نے میرے پاس آکر بتایا۔

یہ گوشت جو تم کھا رہی تھیں بینا ہی کا تھا۔ گھر میں اور کوئی چیز نہ تھی، جو تمہیں پکا کر کھلائی جاتی، یہ سچ ہے کہ نواب اپنی اس بینا کو بہت چاہتے تھے مگر تم سے کم، اور آج انھوں نے اپنی اس پیاری چیز کو بھی تم پر سے نچھاور کر دیا۔

یقین مانو کہ میں آسیہ کی یہ باتیں سنکر بدحواس ہوگئی اور میں نے اس کے سامنے اپنے ننگے ہاتھوں کو پھیلا کر کہا:۔

اب ان میں چوڑیاں ڈالدو۔ میں مینا کی اس قربانی کو نہیں فراموش کرسکتی۔
سلیم اور رخشندہ بھی اس ڈرامائی کیفیت کو سنکر بدحواس ہوگئے
اور نرگس نے یہ کہکر اپنی داستان حیات ختم کردی کہ۔
شادی کے بعد ہم دونوں لکھنو سے بمبئی آگئے اور یہاں آکر تو ایک کاروبار
ایسا چلا کہ خدا ویسے دن ہر ایک کو نصیب کرے چھوٹی سی تجارت بڑھتے
بڑھتے پورا کاروبار بن گئی اور اس میں لاکھوں روپے کا منافع ہوا۔ مگر میں اب
بھی یہ سوچتی ہوں کہ وہ غربت کے دن میرے لئے زیادہ اچھے تھے یا یہ امارت
کی زندگی۔ مال وزر کی افراط نے مجھ سے رفتہ رفتہ اچھی صلاحیتیں چھیننا شروع
کردیں اور مجھ جیسی کردار کی عورت کے لئے ایک دن وہ بھی آیا جب میں نے
پچاس لاکھ روپیہ کے لالچ میں آکر خالد کی زندگی کا سودا کردیا۔ نواب صاحب
کی زندگی کے بعد میں نے اس پیشہ کو پھر اپنے گھر میں چلانا چاہا۔ نہ معلوم
میری زندگی میں یہ اتنا بڑا انقلاب کس طرح آگیا؟
نرگس زار و قطار رو رہی تھی، رخشندہ اور سلیم ابھی تک بیٹھے ہوئے
اس کا منہ ہی تک رہے تھے اور بس *

خالد نے جذباتی بن کر جس وقت اقبال جرم کیا ہے تو اسے نہ ان ایذاؤں کا کوئی تصور تھا نہ یہاں کی سختیوں کا۔ اب وہ اپنی اس حرکت پر پچھتا تا بھی تھا مگر مجبوری یہ تھی کہ خود اپنی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ واپس کس طرح لئے جائیں اس ایک اقبال جرم کی بدولت اس نے خود بھی اپنی زندگی خراب کر لی اور فیاض کی مشکلات میں بھی اضافہ کر دیا۔ کوئی قانونی نکتہ ایسا نہ تھا جسکو فیاض نے اس مقدمہ کے سلسلے میں استعمال نہ کیا ہو مگر کوئی صورت ایسی نہ نکل سکی جو خالد کو مقدمہ سے بری کر سکتی اور اس لئے مجبوراً جج کو اپنی تجویز میں لکھنا پڑا۔

"ملزم کے اقبال جرم کے آگے ساری دلیلیں بیکار رہیں۔ اس کی شرافت اور کم سنی یہ دو بڑی ضمانتیں اس کے حق میں ہیں اور اسی لئے عدالت کو اتنی لمبی سزا دیتے ہوئے پس و پیش ہوا مگر مدت کو کم کرنے کا کوئی امکان

نہ تھا۔ اس لئے سالوں کی تعداد گھٹائی نہ جا سکی، جوری اور جج اس رائے سے متفق ہیں کہ ملزم کو چار سال قید بامشقت کی سزا دیجائے ۔"

عدالت میں آج بھی ویسا ہی ہجوم تھا، عزیزوں کا مجمع۔ احبابوں کا جماؤ۔ فیاض نے عدالت کا یہ فیصلہ سنکر جج کی طرف سے اپنا منہ پھیر لیا۔ رخشندہ چکرا کر اپنی کرسی پر گر پڑی اور محسن علی تو چیخیں مار مار کر رونے لگے۔ خالد بھی ملزم کے کٹہرے میں نیچی گردن کئے ہوئے کھڑا تھا۔ اسنے جب اپنی تقدیر کا فیصلہ سُنا تو بدحواس ہو کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ اسکی سمجھ ہی میں نہ آیا کہ لوگ اک دم سے اتنے پریشان کیوں ہو گئے۔ عدالت تو برخاست ہو ہی چکی تھی۔ اس لئے سپاہی پھر خالد کو لے کر چلے گئے۔ اب سارے آسرے ٹوٹ چکے تھے۔ خالد کو کٹہرے سے نکلتے ہوئے اور عدالت کے باہر جاتے ہوئے سب نے دیکھا۔ کسی کو اس سے بات کرنیکی اجازت نہ تھی۔ خالد نے بھی جاتے ہوئے سب کی طرف نظر کی مگر زبان سے کچھ نہ کہا۔ کچھ عجیب بیچارگی کا عالم تھا۔ سلیم بھی اپنی کرسی پر چپ چاپ بیٹھا ہوا یہ منظر دیکھ رہا تھا اختیار میں اس کے بھی کچھ نہ تھا ورنہ وہ خالد اور رخشندہ کی ایک آخری ملاقات تو اور کرا دیتا۔ پورے چار سالوں کی مسلسل جدائی اور وہ بھی ان کے درمیان جو کبھی ایک دوسرے سے جدا نہ ہوتے تھے۔ سلیم کو حقیقتاً بڑا ایس وپیش تھا۔ کہ یہ دونوں اگر اس آخری وقت بھی ایک دوسرے سے نہ مل سکے تو عمر بھر پریشان رہیں گے۔ وہ تھوڑی دور تک خالد کے پیچھے بھی گیا مگر سپاہیوں نے کوئی بات نہ کرنے دی۔ مجبوراً ناامید ہو کر واپس آگیا۔ رخشندہ اسی طرح مضمحل بیٹھی

ہوئی سب کی طرف دیکھ رہی تھی، سلیم کو واپس آتا ہوا دیکھ کر وہ سنبھل کر بیٹھ گئی
پھر پوچھنے لگی۔

رخصت کر آئے؟

صرف آنکھوں سے بات چیت کرنے کا موقع نہیں تھا۔

چلو قصہ ختم ہوگیا۔ رخشندہ کہنے لگی۔ اب میں بھی کوشش کروں گی
کہ انھیں بھول جاؤں۔ ابھی تک تو ذرا سی امید تھی کہ وہ چھوٹ کر آجائیں اور
انھیں کے ساتھ وہ گذرے ہوئے دن بھی۔ لیکن وہ ساری امیدیں خواب
پریشاں تھیں جن کی کوئی تعبیر نہیں۔

ممکن ہے چار سالوں کے بعد وہ زمانہ پھر پلٹ آئے اس لئے امید تو
تمہیں رکھنی چاہیئے۔

چار سالوں کے بعد میری امید کیا باقی رہے گی۔ مجھے اتنے دنوں زندہ
رہنے کی امید نہیں۔

یہ سب وقتی جذبہ ہے سلیم نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ وقت
بڑے سے بڑا غم بھلا دیتا ہے، تم بھی کچھ روز میں خالد کو بھول جاؤگی۔

ہم تم سب بھول جائیں گے۔ مرنیوالے کو لوگ آخر کس طرح بھول جاتے
ہیں؟ میں تو اپنے نزدیک یہی سمجھتی ہوں کہ خالد کو خدا نے موت دیدی۔
میں تو خیر اس کی عزیز بھی نہیں۔ اس کے والدین کو یہی سمجھ کر صبر کرنا پڑیگا۔

چار سالوں کو موت کا درجہ دیتی ہو؟

وہ موت ہی ہوئی۔ خالد جب چھوٹ کر آئیگا تو دنیا بدلی ہوئی ہوگی

نہ ہم ہوں گے نہ خالد خالد، یہ موت نہیں تو اور کیا ہے۔
اکثر اس قسم کی ظاہری موتیں زندگی بھی بن جاتی ہیں۔ بہر حال اب اٹھو۔ سارے لوگ تو بغیر ہمارا انتظار ہی کئے ہوئے چلے گئے کوشش کرو کہ اس قسم کے خیالات اب تمہاری زندگی میں پھر سے کوئی جگہ نہ پیدا کر سکیں مجھے تم سے چونکہ بے انتہا محبت ہے۔ اس لئے تمہیں سمجھانا بھی اپنا فرض سمجھتا ہوں۔ میری زندگی میں اگر تمہیں خامیاں نظر آتی ہوں تو مجھ سے بھی الگ ہو جاؤ۔ مجھ میں اپنی کمزوریوں کے ساتھ برداشت کا مادہ بھی ہے اور میں اپنے اس غم کو بھی ہنسی خوشی جھیل لونگا۔

رخشندہ کہنے لگی۔ مجھے پاگل بنانے کے لئے اگر تم ایسا کرنا چاہتے ہو تو شوق سے کرو۔ اب لے دے کے تمہیں میرا آسرا ہو تم شاید خود میری حالت سے منحرف ہو گئے اور اس کا مجھے افسوس ہے۔ دراصل میں خود اپنی حالت کا اندازہ نہ لگا سکی۔ مجھے یہ زعم تھا کہ خالد کا کوئی مقام میری زندگی میں نہیں ہے۔ مگر حالات اس کے برعکس ثابت ہوئے اور جن سے تمہیں تکلیف بھی ہوئی مگر اب میں وعدہ کرتی ہوں کہ ایسی کوئی صورت پیدا نہ ہوگی۔

مجھے قطعاً کوئی تکلیف نہیں ہوئی سلیم کہنے لگا۔ تمہارا زعم خلاف انسانیت بھی تھا اور خلاف فطرت بھی اور اس سلسلہ میں مجھے تم سے کوئی شکایت بھی نہیں تم شاید میرا مطلب ہی غلط سمجھیں۔ انسان اگر عاقبت اندیشی کے ساتھ زندگی بسر کرے تو تکلیفوں کے امکانات باقی نہیں رہتے۔ محبت ایک ہیجانی کیفیت ہے اور زیادہ عرصہ تک زندہ نہیں رہتی اس لئے زندگی کے اس

دَور میں اگر تم اپنے آپ کو سنبھال سکو تو پھر کوئی خطرہ باقی نہ رہیگا۔
مگر میں تمہیں تو کسی قیمت پر بھی نہیں چھوڑ سکتی البتہ اگر تم خود مجھے
چھوڑنا چاہو ــــــــــــ"

جملہ پورا ہونے سے قبل رخشندہ کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے اور
پھر وہ کچھ نہ کہہ سکی۔ نظریں ایک دفعہ سلیم کے چہرہ کو دیکھکر خود بخود جھک
گئیں اور آنکھوں سے پٹا پٹ اشک گرنے لگے سلیم نے بڑی محبت سے
اس کا سر اپنے سینہ سے لگالیا وہ اب کچھ اور کہہ کر اس کے دل کو تکلیف دینا
نہ چاہتا تھا۔ پھر یہ دونوں بھی بہت خاموشی کے ساتھ اٹھے اور ایک دوسرے
کا ہاتھ پکڑے ہوئے کچہری کی حدوں سے باہر نکل گئے۔

اس روز کے بعد پھر رخشندہ کی زبان پر خالد کا کوئی تذکرہ نہیں آیا معلوم
یہ ہوتا تھا کہ وہ عمداً اس ذکر سے گریز کرتی ہے مگر سلیم کی یہ خواہش تھی کہ
وہ ملاقاتیں جو فیصلہ سے قبل جیل کی حدوں میں جاری تھیں برقرار رہیں
اسنے رخشندہ کو کئی مرتبہ چلنے کے لئے آمادہ بھی کیا مگر وہ ٹال گئی۔ اتنے دنوں کی
ادھیڑ بن میں اب وہ یہ فیصلہ کر چکی تھی کہ ان دونوں میں وہ کسی ایک ہی کی
ہو کر رہے گی اور چونکہ مقابلتاً اسے سلیم زیادہ پسند تھا اس لئے اس نے
خالد کے خیال ہی کو دل سے نکال پھینکا۔

سلیم جب رخشندہ کو لے جانے میں کسی دن کامیاب نہ ہوا تو وہ ایک
دن تنہا خالد کو دیکھنے گیا۔ دوستی کے وہ گہرے نقوش جو دلوں میں تھے باوجود
دھندلے ہونے کے بھی قائم تھے۔ دوسرے اس کی وضعداری کا بھی یہ تقاضا

تھا کہ وہ ایسے نازک وقت پر اپنے دوست کا ساتھ نہ چھوڑے، مگر یہ خواہش پوری نہ ہو سکی۔

خالد اب بمبئی کی سنٹرل جیل سے کہیں اور تبدیل کر دیا گیا تھا اور کوئی نہ جانتا تھا کہ اسے کس مقام پر بھیج دیا گیا ہے۔ سلیم لوٹ کر گھر آیا تب بھی رخشندہ نے خالد کی بابت کچھ نہ پوچھا۔ اسے انتظار ضرور تھا کہ وہ خود ہی خالد کا تذکرہ کرے اور رخشندہ کی اس خواہش ہی کو سمجھ کر اس نے دبی زبان سے کہا۔

"وہ جو بیچتے تھے دوائے دل وہ دوکان اپنی بڑھا گئے"

رخشندہ سمجھ گئی کہ یہ اشارہ خالد کی ہی طرف ہے مگر پھر بھی اس نے کوئی سوال نہیں کیا سلیم نے جب یہ نوبت دیکھی تو خود بھی خاموش رہا۔ پھر ان دونوں کے درمیان ایک عرصہ تک خالد کا کوئی ذکر ہی نہ آیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اسکا وجود بے معنی سا ہو کر رہ گیا ہے اس کیفیت اور خاموشی میں پہلے دن گذرے پھر مہینے، پھر سال یہاں تک کہ خالد حقیقتاً ایک بھولا ہوا افسانہ بن گیا۔ اب ان دونوں کو اسکے متعلق کچھ سوچنے کی فرصت ہی نہ تھی سلیم اور رخشندہ کی زندگی کا نیا دور پھر سے شروع ہو گیا۔ انتہائی مسرت اور شادمانی کا دور رہا اب ان کا سارا سارا وقت ہنستے کھیلتے گذر جاتا۔ رخشندہ ہر طرح سے مطمئن تھی نہ کوئی غم نہ فکر اسلئے وہ دھیرے دھیرے پھر سے جوان ہونا شروع ہوئی اور جوانی کے ساتھ اسکی وہ سوئی ہوئی امنگیں بھی جاگ اٹھیں۔

اب تو یہ عالم تھا کہ سلیم کو رخشندہ کے بغیر قرار نہ رخشندہ کو سلیم کی جدائی منظور مگر نرگس کے نزدیک ان دونوں کا جنون کوئی اہمیت نہ رکھتا

تھا۔ اتنے دنوں کے بعد اب ماں بیٹی کے درمیان وہ سارے تکلفات بھی ختم ہو چکے تھے۔ رخشندہ چونکہ بے حد خوش تھی اس لئے ماں کی طرف سے وہ ملال خود بخود دور ہو گئے تھے۔ اب دونوں میں پہلے کی طرح بے تکلفی سے باتیں بھی ہوئیں۔ نرگس پھر اسے زندگی کے تمام نشیب و فراز سمجھانے لگی۔ رخشندہ نے جب سلیم کے ساتھ اپنی شادی کی بات چیت چھیڑی تو سب سے پہلے اسی نے مخالفت کی۔ یہ سودا اس کے نزدیک اِن داموں میں بہت گراں تھا اور نرگس کی یہ خواہش تھی کہ وہ کسی طرح رخشندہ کو راہِ راست پر لاکر پھر اپنا پرانا کاروبار شروع کرے۔ گلاب کو اب پھر اس نے اپنی مٹھی میں لے لیا۔ نرگس ہی کے سمجھانے پر اب یہ بات اس کی عقل میں آگئی تھی کہ جوانی کی بہاریں جاکر پھر کبھی واپس نہیں آتیں۔ یہی ایک عورت کے کھانے کمانے کے دن ہوتے ہیں۔ اسی وقت اس کے حوصلے اور ارمان پورے ہوتے ہیں۔ اور اب وہ ہر رات رخشندہ کی لاعلمی میں کسی نہ کسی کے پہلو کی زینت بنجاتی رخشندہ اس قسم کی کوئی معلومات نہ رکھتے ہوئے اس پر اسی طرح مہربان تھی سلیم کسی وقت گھر پہ نہ ہوتا تو وہ اسی کو اپنے پاس بٹھا کر باتیں کیا کرتی۔ چونکہ اس کے علم میں گلاب کی زندگی ہنگاموں سے خالی تھی اس لئے وہ اس پر بے انتہا رحم کھاتی۔ ایک دن ایسی ہی تنہائی میں اس نے گلاب سے پوچھا۔

خالہ اب بھی یاد آتے ہیں کبھی؟

پہلے آپ بتائیے۔ گلاب مسکرا کر رخشندہ کی طرف دیکھنے لگی۔

میں اگر جھوٹ موٹ تمہیں کچھ بتلا بھی دونگی تو اس سے تمہیں کیا

فائدہ ہوگا؟

میں نے یہ سوال تم سے اس لئے اور بھی کیا کہ خالد کے بعد میری زندگی میں تو نوڑا سلیم داخل ہو گئے۔ انھیں پہلے بھی میری محبت میں بڑا دخل تھا، خالد کی موجودگی میں بھی انھیں بھولی نہ تھی۔ مگر تمہاری زندگی تو بالکل ویران ہو گئی آخر تمہاری جوانی کو بھی تو کسی آسرے کی ضرورت ہے؟

جی ہاں! ہے تو سہی گلاب ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہنے لگی مگر مجھے اپنے اوپر کوئی اختیار نہیں اس لئے مجبور ہوں۔

غلط انسان پر اتنا اختیار قدرت نے کسی کو نہیں دیا کہ وہ زندگی بھر جس کو چاہے اپنے غلام بنائے رکھے۔ اگر تمہاری نظر میں کوئی ہو تو تم مجھے بتاؤ میں تمہاری مدد کرونگی۔

میری نظر تو اب کسی قابل نہیں رہی مس صاحب اس عمر میں نظر کا کوئی سوال بھی باقی نہیں رہتا۔ جوانی کا اندھاپن مشہور ہے اور مجھے بھی آپ اس معاملہ میں بغیر آنکھوں کا سمجھئے۔

کہیں اس کا یہ مطلب تو نہیں۔ رخشندہ گھبرا کر پوچھنے لگی کہ اب تم میں برداشت کی طاقت باقی نہیں اور اب تم ہر اس شخص کے ہاتھ میں ہاتھ دینے کو تیار ہو جو تمہاری طرف نظر بھر کر دیکھے۔

بجائے کچھ جواب دینے کے گلاب خاموش بیٹھی ہوئی یہ باتیں سنتی رہی در اصل یہ اس کے لئے بڑا ٹیڑھا مسئلہ تھا کہ ذکر چھڑ جانے پر وہ اپنی زندگی کا کوئی راز زبان پر نہ لائے۔ خواہشیں اس کے لب پر آ کر مچلنے لگیں مگر فوراً

اس کو نرگس کا وہ جملہ یاد آگیا جو اس نے انتہائی غیض و غضب میں آکر اس کی پہلی شب عروسی کے موقع پر کہا تھا گلاب خالد کی آغوش میں تو خود سے گئی تھی۔ تحریک نرگس کی طرف سے ضرور ہوئی مگر اس نے خالد اور رخشندہ کو جس طرح آپس میں ہم کنار دیکھا تھا وہی اس کا خود بھی کرنے کو دل چاہا۔ نرگس نے صرف اشارہ کیا اور وہ تیار ہو گئی۔ اس وقت نہ اسے روپیوں کی تمنا تھی نہ کسی عہد و پیمان کی حاجت۔ اوبلی ہوئی مستیوں کا تقاضا پورا کرنے کے لئے اس نے ایسا کر لیا مگر اب تو صورت ہی دوسری تھی۔ ہر روز ایک نئے ملاقاتی سے واسطہ ایک کے بعد دوسرا خالد۔ دوسرے کے بعد تیسرا اس لئے نرگس کو یہ کہکر دھمکانا پڑا کہ اگر کسی دن تیری زبان پر یہ حکایت آگئی تو اس بازار میں تیرا خریدار کوئی نہ ملے گا۔ اس وقت جو تیرے دام ہیں وہ محض اس سازش کے کہ عصمت فروشی سے تیری ذات کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ گلاب گھبرائی ہوئی نظروں سے ابھی تک رخشندہ کو دیکھے جا رہی تھی مگر جواب دینے کے لئے کوئی معقول سی بات اسکی عقل و فہم میں نہ تھی۔ رخشندہ نے پھر پوچھا:

کوئی ایسی بات ہے جو تم مجھے بتلانا نہیں چاہتیں؟

بات تو ایسی ہی ہے مگر اسے بتلانا چاہتی ہوں۔

تو پھر بتلاؤ

گلاب پھر خاموش بیٹھ کر کچھ سوچنے لگی مگر فوراً ہی سنبھل کر بولی۔

بتلانے والی بعض باتیں اگر آپس میں ایک دوسرے کو نہ معلوم ہوں تو تعلقات خوشگوار رہتے ہیں مثلاً اس رات والا خالد سیٹھ کا وہ واقعہ اگر

آپ کو نہ معلوم ہوتا تو کتنا اچھا تھا۔

مگر میں نے اُس کا اثر تو کچھ نہیں لیا۔

آپ نے نہیں لیا مگر یہ چیز سیٹھ خالد سے آپ کی محبت کو کم نہ کر سکی۔ سلیم سیٹھ اگر نہ ہوتے تو آپ اس طرح ہنسی خوشی اس صدمہ کو نہیں برداشت کر سکتی تھیں۔

یہ تو میں نے تم سے پہلے بھی کہا تھا رخشندہ کہنے لگی۔ مگر مجھے تعجب یہ ہو رہا ہے کہ خالد کا نام تو تمہاری زبان پر بڑی آسانی سے آگیا۔ اب کسی دوسرے نام لینے میں اس قدر پس و پیش کیوں کر رہی ہو اور یا پھر صاف صاف کہو کہ امی تمہیں اپنے رنگ پر لے آئیں۔

جی ہاں!

گلاب اتنا کہنے کے بعد پھر خاموش ہو گئی مگر تفصیلات میں جانے کے لئے اس کی خواہش مچلی اور الفاظ خود بخود اس کی زبان پر آکر تڑپنے لگے۔ رخشندہ اب سب کچھ سمجھ چکی تھی اور ذرا دیر کے لئے اسے یہ سوچکر تکلیف بھی ہوئی کہ اپنی طرح گلاب کو اس پیشہ سے نجات دلانے کے لئے اس کی تمام امنگیں ختم ہو گئیں۔ اس نے پوچھا۔

تمہاری زندگی میں اس نئے دور کی ابتدا کب سے ہوئی؟

آپ کو میں نے بتلایا نہیں مس صاحب گلاب کہنے لگی بی بی جی جب بری طرح میرے پیچھے پڑیں تو آخر کار مجھے تیار ہو جانا پڑا۔ اور میں عزت و آبرو کے ساتھ بیٹھ کر کرتی بھی کیا؟ شادی میری نہ ہوئی۔ نہ زندگی میں کسی اور آسرے

کی مجھے امید تھی جوانی کے دن ختم ہو رہے تھے اس لئے میں نے سوچا کہ بی بی جی کچھ کہتی ہیں وہ ٹھیک ہی ہوگا اور اسی خیال کے آنے سے میں تیار ہوگئی۔

زبردستی ٹھیک ہوگا ؟ رخشندہ کو گلاب کا یہ کہنا ناگوار خاطر گذرا۔ میں نے تو یہ سوچا تھا کہ تمہیں بھی اس گھر کی آلودگیوں سے اپنے ساتھ لے چلوں مگر تمہیں خود ہی گڑھے میں گرنے کا شوق تھا اس لئے گر پڑیں۔

خود سے گر پڑی ؟ گلاب رخشندہ کی طرف گھور کر دیکھنے لگی۔ میرا بس چلتا تو میں کبھی ایسا نہ کرتی۔ خالد سیٹھ کی زبردستی کے بعد پھر مجھے اس برے کام کی کوئی تمنا بھی نہ تھی۔ مجھے خود اس پیشے سے نفرت ہے مگر بچاؤ کی کوئی صورت ہی ممکن نہ تھی۔

یہ تو تم نے خوب کہا۔ امی میرے پیچھے کیا کم پڑیں۔ اب بھی ہر روز میرے ان کے درمیان اسی موضوع پر بحث ہوتی ہے۔ مگر انسان ہر کام کرنے سے پہلے اپنی عقل پر اعتماد کرتا ہے۔ میرے لئے بھی اس شہر میں دولت کی کمی نہ تھی۔ مگر میں نے ان کی ایک بات نہ مانی۔

مگر خالد سیٹھ کی موجودگی میں تو آپ بن ٹھن کے لئے تیار ہوگئی تھیں۔ فرض کیجئے اگر وہ انکار نہ کرتا۔

تب بھی میں اس پیشہ کو تو ہرگز اختیار نہ کرتی۔ میں نے یہ تو تم سے کبھی نہیں کہا کہ میں پارسا ہوں۔ میں نے زندگی میں کوئی گناہ نہیں کیا۔ خالد نے وہ جو تمہارے ساتھ زبردستی کی تھی اس کے لئے میں نے تمہیں کب مورد الزام ٹھہرایا۔ ایسی غلطیاں تو ہر ایک کی زندگی کے ساتھ ہیں۔ مگر گناہ کو بطور پیشہ

کے اختیار کر لینا بالکل مختلف چیز ہے۔ پارسائی اور گنہگاری کی حدوں میں رہنا انسانی فطرت کے خلاف نہیں۔ مگر زندگی کی تمام آلودگیوں کو تو انسانی ضمیر بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ میں دنیا میں عزت مآب نہ بن سکی اس کا مجھے افسوس ہے مگر میں روسیاہ بننا بھی نہیں چاہتی اور نہ میرا ضمیر اس کے لئے مجھے اجازت دے گا۔

تو پھر آپ نے بی بی جی کی بات کا کیا جواب دیا؟

وہ میرا جواب سننے کے لئے یہ سب کچھ نہیں کہتیں بلکہ یہ ان کی عادت ہے مگر اب سانپ تو نکل ہی چکا۔ خالی لکیر پیٹنے سے کیا ملیگا؟ اور اتنا کہنے کے بعد درخشندہ نے تھوڑا سا مسکرا کر پوچھا۔

آج رات کے لئے کوئی پروگرام بنا لیا ہے؟

گلاب کچھ کہنا چاہتی ہی تھی کہ سلیم کہیں باہر سے آگیا۔ اس کا آنا تھا کہ درخشندہ صبح کے پھولوں کی طرح سے کھل گئی اب اس کے لئے گلاب کی موجودگی یا اس قسم کی باتیں بیکار تھیں۔ گلاب نے جلد ہی اس کیفیت کا اندازہ لگا کر کہا۔

ابھی آپ میرے پروگرام کے بارے میں پوچھ رہی تھیں مگر اب سیٹھ سلیم آگئے ہیں اس لئے آپ دونوں مل کر کوئی پروگرام بنائیے۔

گلاب اٹھ کر جانے لگی تو درخشندہ نے پھر اسے ٹوک کر کہا۔

بیٹھو چلی کہاں تم؟

مگر گلاب اتنی دیر میں ڈرائنگ روم سے باہر نکل چکی تھی اس نے باہر ہی

سے آواز لگا کر کہا۔

جا رہی ہوں بالکونی میں اپنا بستر ٹھیک کرنے۔

رخشندہ سلیم کی طرف دیکھ رہی تھی اور سلیم کو تعجب ہو رہا تھا کہ گلاب یہ کیا کہتی ہوئی باہر چلی گئی۔ بالکونی میں اپنا بستر ٹھیک کرنا نرگس کے گھر کی پرانی تاریخ ہے +

ادھر کچھ روز سے نرگس کا منہ پھولا ہوا تھا۔ بات یہ ہوئی کہ درخشندہ کو جب
گلاب کے واقعات کا صحیح علم ہو گیا تو وہ ماں سے پھر کھنچ گئی۔ اول تو نرگس
کو اس کا یہ طریقہ ہی ناپسند تھا کہ وہ سارا سارا دن سلیم کو لئے ہوئے ڈرائنگ
روم میں بیٹھی رہے، شام ہو تو اسی کے ساتھ تفریح کرنے نکل جائے۔ دوسرے
جو عزت اسے درخشندہ نے اپنے گھر میں دے رکھی تھی وہ نہ ہونے کے برابر تھی
نرگس اگر ماں نہ ہوتی تو اس کے دل کو کوئی تکلیف نہ تھی۔ اولاد کی ذلتوں کو
برداشت کرتے کرتے جب وہ تھک گئی تو اس نے پھر اپنا منہ پھلا لیا اور گھر
کے کام کاج سے ہاتھ اٹھا کر اپنے کمرہ میں بیٹھ گئی، اب سارا گھر نوکروں کے رحم
و کرم پر چل رہا تھا۔ جو ان کے دل میں آتا وہی وہ کرتے۔
درخشندہ کی آمدنی اتنی محدود تھی کہ گھر کا کارخانہ بغیر حسن انتظام کے چل ہی نہ

سکتا تھا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ مقروض ہونا شروع ہوگئی۔ سلیم بھی کسی قسم کی مالی امداد
کرنے کے لائق نہ تھا اور نرگس کو جو بات سب سے زیادہ ناگوار تھی وہ یہی سلیم
کی غربت تھی۔ یہ تب بے زرعشق والا ٹیں ٹیں'' اسے کبھی ایک آنکھ نہ بھایا اور وہ
سلیم کے وجود سے اس گھر کو پاک کرنے کی ترکیبوں پر غور کرنے لگی۔ اس
سلسلہ میں اس نے گلاب کو بھی اپنا راز دار بنانا چاہا مگر اسے گلاب کی
طبیعت پر پورا اعتماد نہ ہو سکا۔ پھر بھی وہ اکثر ہمت کرتی گلاب کو اپنے
پاس بٹھا کر رخشندہ اور سلیم کی برائیاں کرتی اپنے اوپر لعنت بھیجتی کہ اس نے
شروع دن سے ایک ایسے شخص کو اپنے گھر میں پناہ کیوں دی۔ لیکن اس کی ان
باتوں کا جواب عموماً گلاب یہی دیا کرتی کہ نہیں بی بی جی سیٹھ سلیم تو بڑے
شریف آدمی ہیں۔ انھوں نے مس صاحب کو کبھی کوئی بری راہ نہیں چلنے
دی۔ ہر وقت وہ اسی لئے تو ساتھ رہتے ہیں کہ اس پُر آشوب زمانہ میں
کوئی مس صاحب کو کچھ کہہ کر نہ نکل جائے۔ گلاب کے منہ سے اس قسم کی
باتیں سنکر نرگس کے جسم میں آگ لگ جاتی اور وہ بجائے اپنا راز دار بنانے
کے گلاب کو اپنے کمرہ سے بھگا دیا کرتی۔ غرضکہ دن اسی طرح گذرتے ہوئے
چلے جا رہے تھے۔ سلیم اور رخشندہ کی شادی کے دن جتنے جتنے قریب آتے گئے
نرگس پریشان ہوتی چلی گئی۔ اسے اب پورا یقین تھا کہ یہ بنا بنایا گھر کسی نہ کسی
دن تباہ ہو کر رہے گا پہلے تو اس نے بے انتہا کوشش کی کہ ان باتوں کی طرف
سے اُسے صبر آجائے اور وہ رخشندہ سے کچھ نہ کہے مگر اس خیال کے ساتھ ہی اس کا
کلیجہ پھٹکنے لگتا تھا۔ آخر کار ایک دن جب ضبط کی طاقت جواب دے گئی تو اس

نے دونوں کو ٹوک ہی دیا۔

سلیم اور رخشندہ گیارہ بجے رات میں کہیں سے گھوم کر پلٹے تو گلاب نے بتلایا۔

آج بی بی جی نے خانساماں کو جواب دیدیا۔ اس نے اپنی پچھلی تنخواہ مانگی تو بی بی جی نے کہا روپے نہیں ہیں۔ بس اسی بات پر وہ بگڑ کر چلا گیا۔ مجھ سے برا بھلا جیسا کھانا پک سکا میں نے پکایا ہے۔

اتنے میں نرگس خود بھی کمرہ میں داخل ہوئی اور رخشندہ نے قہر آلود نگاہوں سے اسکی طرف دیکھ کر پوچھا۔

گلاب کیا کہہ رہی ہے؟

تم نے سنا نہیں جو کچھ اس نے کہا۔ میرے پاس کوئی روکڑ گڑی ہوئی ہے جو میں ہر مہینہ نوکروں کی تنخواہیں دیا کروں اور ابھی تو خانساماں ہی نے جواب دیا ہے رفتہ رفتہ سارے نوکر اسی طرح کھسک جائیں گے۔

رخشندہ کہنے لگی۔

آپ اگر ان چھوٹی چھوٹی باتوں پر اپنے دل کا بخار نکالنا چاہتی ہیں تو ویسا کہئے۔ ورنہ اتنے روپے تو ہر وقت آپ کے پاس رہتے ہیں کہ نوکروں کی تنخواہیں چکائی جاسکیں۔ آپ اگر دینا نہیں چاہتی تھیں تو مجھ سے کہا ہوتا۔

تمہیں گھومنے پھرنے سے فرصت کہاں ہے؟ اتنا بڑا گھر محض تفریح پر تو نہیں چل سکتا۔

پھر آپ نے میرے معاملات میں دخل دیا۔ رخشندہ نرگس کو ڈانٹنے لگی

اس روز جو آپ نے اپنی زندگی کی چھوٹی سی کہانی ہمیں سنائی تھی اس کی روشنی میں اگر آپ کو دیکھا جائے تو آپ بالکل مختلف نظر آتی ہیں۔ آپ کو خود بھی تعجب تھا کہ یہ انقلاب آپ میں کس طرح پیدا ہوا۔ میں بھی اکثر یہی سوچا کرتی ہوں کہ اگر آپ وہی خاتون ہیں جس کے ننگے ہاتھوں میں آسیہ نے چوڑیاں ڈالیں تو میرے تعجب کی انتہا نہیں رہتی۔

تعجب کس بات پر ہوتا ہے۔ نہ میں اس وقت بے وقوف تھی نہ آج ہوں نواب صاحب مرحوم اگر مینا کو میرے اوپر سے قربان نہ کرتے جو اس وقت کے لحاظ سے بہت بڑی قربانی تھی۔ تو کیا تم سمجھتی ہو کہ میں ان کے ساتھ شادی کر لیتی؟

توبہ کرو۔ مجھے بے زر کے آدمی کبھی بھی پسند نہ تھے۔ تم میری اولاد ہو۔ مجھ میں اور تم میں زمین و آسمان کا جو فرق ہے اس پر تمہیں تعجب نہیں ہوتا؟

تعجب ہوتا ہے رخشندہ کہنے لگی مگر اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ میں آپ کا طرزِ زندگی اختیار کر لوں۔ اب رہے بے زر کے آدمی۔ وہ مجھے پسند ہوں یا ناپسند آپ کو اس سے کوئی سروکار نہیں ہونا چاہیئے۔ آپ اگر میرے ساتھ رہنا نہیں چاہتیں تو کہیں اور چلی جائیے۔

چلی میں کیوں جاؤں نرگس کہنے لگی۔ تمہیں اگر میری صورت سے نفرت ہو گئی ہو تو اپنا انتظام کرو یہ کوٹھی میری ہے۔ یہاں کا سارا فرنیچر میرا ہے۔ تم مجھے نکالنے والی کون ہوتی ہو؟

یہ سب کچھ اباّمیاں کا ہے رخشندہ نے جواب دیا اور وہ اپنی ساری چیزیں مجھے دے گئے ہیں۔

مگر تم ان کی اولاد کب ہو۔ یہ میں نے اس روز بھی تمہیں بتلایا تھا اور آج پھر تمہاری اطلاع کے لئے یہ بتلاتی ہوں کہ ان کی کسی چیز پر تم بحیثیت اولاد کے اپنا حق نہیں جتا سکتیں۔ تم مجھ سے کسی بات میں اختلاف نہ کرتیں تو میری جان تک بھی تمہارے کام آسکتی تھی مگر ایسی حالت میں جب تم مجھے غیر سمجھو میں تمہاری کوئی مدد نہیں کرسکتی۔

رخشندہ کو ماں کی اس گفتگو پر فوراً غصہ آگیا وہ سلیم کی طرف گھوم کر دیکھنے لگی پھر بولی:۔

جلد سے جلد کسی فلیٹ کا انتظام کردیجئے یہ گھر اب بہرحال چھوڑ دینا پڑے گا

سلیم جواب تک خاموش بیٹھا ہوا دونوں کی گفتگو سن رہا تھا ہنس کر بولا:۔

یہ سارا جھگڑا شاید میری ذات کا ہے۔ اس لئے میں نے پہلے بھی علیحدگی چاہی تھی مگر تم نہ مانیں۔ تمہاری امی کا یہ خیال صحیح ہے کہ تم اس دنیا میں عقلمند بن کر رہو اور سب سے بڑی عقلمندی آج کل یہی ہوسکتی ہے کہ کسی مالدار سے تعلقات پیدا کرو۔ تمہاری فطرت اگر اس کو گوارا نہیں کرسکتی تو زبردستی اس کو عادی کرو۔

فطرت گوارا کیوں نہیں کریگی نرگس بیچ سے بات کاٹ کر کہنے لگی۔

تمہارے ہوتے ہوئے خالد سے ربط و ضبط خالد کی موجودگی میں لکھن لکھن سیٹھ سے تعلقات یہ سب کچھ کیا تھا۔ تم اب تک رخشندہ کو اپنی غلط فہمی کی بناء پر وہی سمجھے جا رہے ہو جو وہ حقیقتاً نہیں ہے۔

امّی ——— ؟ رخشندہ غصہ میں آکر اکدم چلا پڑی، آپ کو مجھ پر اس قسم کے الزامات لگاتے ہوئے شرم نہیں آئی۔ لکھن لکھن کو آپ ہی نے میرے پیچھے لگایا اور جب میں نے اس کی بات نہ مانی تو خود بگڑ کر بیٹھ رہیں اب آپ کا یہ مطلب ہے کہ میں آپ کے سارے عیوب اپنی زبان پر لے آؤں۔

میرے عیوب تو عالم آشکارا ہیں۔ نرگس کہنے لگی۔ تم زبان پر لے آؤگی تو کیا ہو جائیگا لکھن لکھن سیٹھ سے جس وقت میں نے بات کی تھی تو تم نے انکار کر دیا تھا۔ پھر بعد میں تم نے اس سے خود درخواست کی۔

آپ کو اس کا علم کس طرح ہوا؟

خود لکھن لکھن نے مجھے بتایا، اس نے ایک بھرے مجمع میں مجھ سے طنزاً کہا اور میں شرم سے پانی پانی ہوگئی۔

شرم کی بات بھی تھی سلیم بیچ سے بول پڑا۔ مگر اس کا علم شاید آپ ہی کو ہے لہذا اگر عزت کا کوئی تصور آپ کے ذہن میں باقی ہو تو اب اس ذکر کو کبھی زبان پر نہ لائیے۔

میں عزت و آبرو کا خیال کروں اور صاحبزادی مجھے جوتے ماریں۔

یہ آپنے اچھا فیصلہ کیا۔

رخشندہ کا غصہ اب اپنے پورے عروج پر تھا اس وقت کی صاف صاف گفتگو کا صرف یہی ایک مقصد تھا کہ دونوں ہمیشہ کے لئے ایک دوسرے سے علیحدہ ہو جائیں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ رخشندہ نرگس کی سب سے بڑی دشمن ہے، اور نرگس رخشندہ کی۔ ذرا دیر خاموش رہنے کے بعد رخشندہ کہنے لگی۔

آپ کے یہ جملے مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے اور نہ مجھے آپ کا طرز زندگی اختیار کرنے پر مجبور کر سکتے ہیں سلیم کو اگر آپ مجھ سے منحرف کرنا چاہیں تو گلاب کو پھر بیچ میں لے آیئے جیسا کہ آپ نے خالد کی موجودگی میں کیا تھا آپ کے نزدیک تو صرف دولت ایک عورت کا ایمان ہو سکتی ہے۔ گلاب کو آپ نے صرف پانچ سو روپیوں کی خاطر خالد کی آغوش میں دیدیا تھا اور یہ نہ سوچا کہ اس کا اثر میری زندگی پر کیا پڑیگا؟

یہ بھی الزام میرے ہی اوپر آگیا نرگس بگڑ کر کہنے لگی جس نے تمہیں یہ خبر پہنچائی اس نے یہ نہیں بتایا کہ خود خالد اس کے لئے میری جان کھا گئے گلاب کوئی پرستان کی پری نہ تھی صرف جوان تھی جو ہر زندہ رہنے والی لڑکی ہوتی ہے۔ اتنا خیال تو خالد ہی کرتے کہ تمہاری موجودگی میں ان کی نظر ادھر اُدھر نہ جاتی۔

اور جیسے آپ کا تو اس میں کوئی ہاتھ ہی نہ تھا رخشندہ کہنے لگی پھر وہ پانچ سو روپیہ کیا ہوا جو خالد نے پیش کیا تھا؟

وہ سب گھر کے کاموں میں خرچ ہو گیا۔

گھر کے کاموں میں پچاس لاکھ وہ بھی تو خرچ ہوا جو خالد کو گرفتار کرانے کے سلسلہ میں آپ کو ملا۔ بس رہنے بھی دیجئے امی رخشندہ نے حقارت سے ماں کی طرف دیکھ کر کہا۔ خود اپنے گریبان میں منہ ڈالئے اور سوچئے عصمت فروشی تو اپنی جگہ پر ایک علیحدہ چیز ہے مگر اس قسم کی حرکتیں جو بسا اوقات جانوروں میں بھی نہ پائی جاتی ہوں لعنت ہے اور آپ کو اس عمر میں ایسا کرتے ہوئے شرمانا چاہیئے۔

مجھے شرم دلانے کی اس قدر زحمت تم کیوں گوارا کر رہی ہو۔ اس عمر میں اگر تمہارے نزدیک مجھے شرمانا چاہیئے تو تمہیں اپنی چھوٹی سی عمر میں نصیحت کرتے ہوئے بھی محجوب ہونا چاہیئے۔ میری یہ حرکتیں اب اس ضعیفی میں کیا چھوٹیں گی؟ تم اپنی اصلاح کرو۔ تمہیں زندہ رہنا ہے۔ مہذب بننا ہے شادی کرنا ہے۔ میں تو اپنی عمر کا زیادہ حصہ جس طرح ہوسکا گذار چکی اب صرف مرنا باقی ہے۔

عاقبت کے لئے کچھ کیجئے اگر دنیا نہیں بنا سکیں؟

وہ تو میری اور تمہاری ایک سی ہے۔ پارسائی کا دعویٰ تو تم بھی نہیں کر سکتیں۔ دنیا کی بدنامی سے ڈر کر جو کام کیا جائے اس سے عقبیٰ کا کوئی تعلق نہیں۔ مجھ میں اور تم میں صرف یہ فرق ہے کہ تم دنیا سے ڈر گئیں میں نہیں ڈری۔ ویسے عاقبت کی دنیا میں ہماری حیثیتیں ایک سی ہیں۔

سلیم اب اس قسم کی باتیں سُن سُن کر پریشان ہوچکا تھا۔ اسے کُھن کُھن اور خالد کے واقعات معلوم کرکے حیرت بھی ہوئی۔ وہ اب تک گلاب

کو اپنی خوش فہمی کی بنا پر بالکل معصوم ہی سمجھتا تھا اور رخشندہ کی طرف تو اس کا وہم وگمان بھی نہیں گیا۔ سب سے زیادہ وحشت اس کو اسی خیال سے ہوئی کہ رخشندہ کے دل ودماغ میں کس کس کا تصور کبھی موجود تھا ممکن ہے وہ اب بھی ہو اور اس حقیقت کی روشنی میں جب اس نے اپنے اوپر نظر ڈالی تو اس ماحول میں اسے اپنا وجود بے معنی سا نظر آیا۔ باتوں میں اتنا وقت گذر چکا تھا کہ صبح ہونے میں شاید کچھ ہی دیر باقی رہ گئی ہوگی اگر رات اتنی نہ گذر گئی ہوتی تو وہ اسی وقت واپس چلا جاتا بھوک بھی سب کو لگی ہوئی تھی اور اسی بھوک کے طفیل میں باتوں کا ایک بے معنی سلسلہ جاری تھا۔ سلیم کو دراصل اب یہ فیصلہ کرنا تھا کہ وہ رخشندہ کا ساتھ دے یا الگ ہو جائے اس نے سوچا کہ اگر کس کس والی بات صحیح ہے تو بقول نرگس کے ان ماں بیٹیوں میں کوئی نمایاں فرق نہیں۔ صبح کے ستارے جھلملا رہے تھے نرگس اور رخشندہ کو سولی پر کی نیندیں آگئیں۔ ڈرائنگ روم کے کوچوں پر دونوں کے سر ڈھلک گئے اور آنکھیں بند ہوگئیں۔ سلیم نے دونوں کے خوابیدہ چہرے بہت غور سے دیکھے جن میں اب کوئی بناوٹ اور مکاری شامل نہ تھی۔ وہ اسی نتیجہ پر پہنچا کہ معیار زندگی بدل گیا ہے، ورنہ حقیقتاً یہ دونوں ایک +

دوسرے دن رخشندہ اپنے کمرہ میں بالکل یکہ و تنہا تھی اس روز سلیم کے نہ آنے سے وہ اور زیادہ مضمحل اور پریشان ہوگئی۔ یہ پریشانی اس خیال سے اور زیادہ بڑھی کہ شاید سلیم اب اس گھر میں کبھی نہ آئے۔ رات کی گفتگو سے رخشندہ ہی کو انتہائی تکلیف پہنچی تھی پھر سلیم کو تو جہاں تک نہ تکلیف ہوئی ہو کم ہے۔ اس جیسا مزاج کا انسان بھلا ان باتوں کو کب برداشت کرسکتا تھا۔ اسے رخشندہ سے اگر اتنی محبت نہ ہوتی تو وہ نرگس کے گھر پا بھی قدم بھی نہ رکھتا مگر دل سے مجبور تھا۔ رخشندہ اس کی بہت بڑی کمزوری تھی اس کی محبت کی انتہا کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ خالد کے بعد اس نے رخشندہ کو پھر وہی عزت دے دی جو اس کی نظروں میں خالد کے آنے سے پہلے تھی۔ نرگس کا یہ اعتراض اپنی جگہ پر صحیح تھا کہ سلیم نے

رخشندہ کو اچھائی یا برائی کے معیار پر نہیں جانچا لیکن، محبت کی دنیا میں اس قسم کی کمزوریاں انسانی فطرت ہے۔ صرف سلیم ہی پر منحصر نہیں بلکہ ہر شخص پر خواہ وہ کتنا ہی شریف النفس اور فرشتہ کیوں نہ ہو۔ ان معاملات میں اپنی کمزوریوں کا اظہار ضرور کرتا ہے۔ رخشندہ کو آج کی تنہائی میں بار بار یہ خیال آکر پریشان کر رہا تھا کہ کہیں دوسرے صدمات کی طرح سلیم اس چوٹ کو بھی نہ برداشت کر لیجائے اور مجھ سے کبھی نہ ملنے کا عہد پورا کر بیٹھے وہ سمجھتی تھی کہ جو شخص رقیب کو برداشت کر لیجائے پھر اس کے لئے امتحان کی اور زیادہ کڑی منزل کیا ہو سکتی ہے؟ سلیم رخشندہ کی نظروں میں قابلِ رحم ہمیشہ سے تھا مگر اس بات والے واقعہ کے بعد اور زیادہ ہو گیا۔ اپنی بے انتہا شرافت کی بنا پر وہ جس ذہنی کشمکش سے گذر رہا ہوگا اس کا رخشندہ کو علم تھا اور اسی لئے وہ بہت زیادہ پریشان بھی تھی۔

تھوڑی دیر بعد گلاب اندر آئی۔ اور رخشندہ کو خلا میں آنکھیں گاڑے ہوئے دیکھ کر یہ سمجھی کہ اسے اس کے آنے کی مطلق خبر نہیں ہوئی۔ پھر اسنے خود ہی رخشندہ کو ٹوک کر کہا۔

کھانا تیار ہے چل کر کھا لیجئے۔ بی بی جی دسترخوان پر بیٹھی ہوئی آپ کا انتظار کر رہی ہیں۔

اپنی بی بی جی سے میرا سلام کہنا اور ان کی اس محبت کا بہت بہت شکریہ ادا کر دینا۔ مجھے بھوک نہیں ہے۔

گلاب سمجھ گئی کہ غصہ کا پارہ ابھی انتہا پر ہے اس نے دبی زبان سے پھر

پوچھا:۔

یہیں لے آؤں آپ کا کھانا؟

پریشان مت کرو گلاب مجھے صرف تنہائی کی ضرورت ہے اور بس۔

مگر بھوک جو لگی ہوگی آپکو؟

کہہ چکی ہوں کہ مجھے بھوک نہیں۔ رخشندہ نے خلا سے اپنی آنکھیں ہٹا کر گلاب کی طرف گھوم کر دیکھ لیا اور وہ گھبرا اٹھی گئی ——— ایک سوال کو بار بار پوچھنے کی بری عادت تم ہیں نہ معلوم کیوں ہے؟

گلاب واپس گئی تو نرگس مسکراتی ہوئی کمرہ میں داخل ہوئی وہ تو رخشندہ کے دلی تاثرات اچھی طرح سمجھ رہی تھی اور اس خیال سے خوش بھی تھی کہ اس کا حربہ سلیم کو شکست دینے میں شاید کامیاب ہوگیا وہ ہنس کر کہنے لگی۔

ایک دن میں تم تنا پریشان ہوگئیں لیکن اگر خدانخواستہ یہ جدائی مستقل بن گئی تو؟

رخشندہ کی تیوریوں پر بل پڑ گئے وہ کہنے لگی۔

میں آپ سے اب اس مسئلہ پر کوئی گفتگو کرنا نہیں چاہتی۔

تم بات نہ کرو مگر میں نے جو کچھ کہا ہے یا جو کرنا چاہتی ہوں وہ تمہارے فائدے کے لیے سلیم ایسے غریب شخص کے ساتھ اگر تم نے جذباتی بن کر شادی کرلی تو زندگی بھر پچھتانی رہوگی۔ تمہارے حسن اور جوانی کی جو قیمت ہے وہ سلیم نہیں ادا کر سکتا خالد کے ساتھ جب تم نے اس قسم کا

رشتہ جوڑا تو مجھے کوئی اعتراض نہ تھا لیکن سلیم کے ساتھ تو اس کا کوئی تک ہی نہیں ہے۔ یہ باتیں ابھی شاید تمہاری سمجھ میں نہ آئیں۔ زندگی کے تجربوں کا جوانی سے کوئی لگاؤ نہیں ہوتا مگر عقلمند وہی ہے جو ان باتوں کو اپنی کم عمری میں سمجھ لے۔

آپ ذرا دیر میرے پاس بیٹھ کر ایک آخری فیصلہ کرلیں کہ میں اپنا ارادہ بدل سکتی ہوں یا نہیں اس لڑائی سے تو کوئی فائدہ نہیں میری باتیں سن کر آج اگر آپ یہ فیصلہ کرسکیں کہ میں اپنا ارادہ نہیں بدل سکتی تو خاموش ہو جائیے اور مجھے میری مرضی پر چھوڑ دیجئے اور اگر آپ یہ فیصلہ کریں کہ میں راہ راست پر آسکتی ہوں تو بے شک اپنی کوششوں کو جاری رکھئے گا۔

پہلے تم مجھے اپنا آخری فیصلہ سناؤ نرگس کہنے لگی۔ میں یہی سوچکر اس وقت تمہارے پاس آئی ہوں کہ اگر تم راہ راست پر نہ آسکو تو تمہیں تمہاری رائے پر چھوڑ دوں۔

آپ کا یہ خیال ہے کہ میں راہ راست پر آسکوں گی؟

میرا خیال ہی نہیں بلکہ مجھے یقین ہے نرگس کہنے لگی بشرطیکہ تم چیزوں کو ان کی صحیح شکلوں میں دیکھ لو۔ میں آج تمہارے سامنے اپنی ساری زندگی کے تجربوں کو نچوڑ کر رکھدونگی۔ زندگی کے اتفاقات کو صحیح سمجھ کر اپنی بھرتی کرلینا بچوں کا کھیل ہے، خالد کے بعد پھر سلیم کا تمہاری زندگی میں آنا محض ایک حادثہ ہے اور اگر اسے خوب صورتی سے نہ سنبھالا گیا تو حشر وہی ہو سکتا

ہے جو خالد کا ہوا۔ وہ بھی ایک حادثہ ہی تو تھا بظاہر کتنا معمولی اور چھوٹا۔ لیکن بعد میں کتنی خوف ناک شکلیں اختیار کرتا چلا گیا!

عشق و محبت کے معاملہ میں مجھے تم سے زیادہ تجربہ ہے۔ میری زندگی میں بھی دو شخص یکے بعد دیگرے شامل ہوئے لیکن میں دونوں میں سے کسی سے بھی آسودہ نہ تھی۔ تمہاری طرح میں بھی جذباتی تھی۔ نواب صاحب مرحوم بھی میرے پیچھے اسی طرح ہاتھ دھو کر پڑ گئے تھے جس طرح سلیم تمہارے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ میں تمہیں ایک بات بتلاتی ہوں اور وہ یہ کہ محبت ایک ذہنی عیاشی ہے۔ نہ یہ میرے وقتوں میں کوئی پائیدار چیز تھی اور نہ اب ہے۔ زمانہ کی بدلتی ہوئی قدروں کا اگر ساتھ تم نہ دے سکو گی تو مٹ کر تباہ ہو جاؤ گی تمہیں اس وقت کی حالت کا ابھی کوئی اندازہ نہیں تا وقتیکہ یہ نئی بات پرانی ہو کر تلخیاں نہ پیدا کرے۔ شادی کے بعد نہ سلیم کی یہ مزاجی کیفیت رہے گی نہ تمہاری۔ دولت پاس نہ ہو تو ہر چیز خواہ اس میں کتنا ہی نیا پن کیوں نہ ہو ایسی روکھی پھیکی اور بدمزہ ہو جاتی ہے کہ پھر نہ اسے اوگلتے بنتا ہے نہ نگلتے۔ روپے کو لوگ برائیوں کی جڑ بتلاتے ہیں مگر میرے نزدیک بہت سے عیوب دولت کے نہ ہونے کی وجہ سے پیدا ہو جاتے ہیں مثلاً تم خود اپنی مثال لے لو۔

خالد کی زندگی میں تم کس قدر خوش تھیں مگر وہ کمال سراسر خالد کا نہیں خالد کی دولت کا تھا۔ وہ تمہارے لئے نئے ماڈل کی گاڑی خرید کر لایا تمہاری زیبائش اور پوشاک میں اس نے ہزاروں روپے خرچ کر دیئے۔ سلیم کی دنیا

میں اس لئے صدمات زیادہ ہیں کہ اس کے پاس دولت نہیں تمہارے دل و دماغ کے اندر اس کی موجودگی ہیں؛ امنگ اب بھی کبھی کبھی خالد کے لئے ہوتی ہے وہ اس کی دولت کی یاد ہے جسے تم زبان سے نہیں کہتیں مگر اس کے بالکل بھول جانے پر تمہیں کوئی قدرت حاصل نہیں۔

اور سلیم کی محبت میں جو ترس کا عنصر تمہارے دل میں ہر وقت تڑپا کرتا ہے وہ اس کی غربت ہے اور یہی چیز جب پرانی بن جائیگی تو تمہارے ترس کا بے رحمی سے بدل جانا عین قرین قیاس ہے۔ تمہیں میرے اندر اتنے بڑے انقلاب پر جو تعجب ہوتا ہے اس کی وجہ بھی یہی ہے۔

مجھے نواب صاحب مرحوم پر بے انتہا ترس آتا تھا اور جب یہ ترس اپنے پورے عروج پر پہنچ گیا تو میں نے ان کے ساتھ شادی کرلی۔ شادی کے کچھ روز تک تو میں خوش رہی، مگر زندگی بھر "لنگوٹی پر پھاگ کھیلنا" اور خوشی متضاد چیزیں ہیں اس لئے وہ قائم نہ رہ سکی۔ ہم دونوں نے اپنا وطن چھوڑا۔ بمبئی آئے اور یہاں آکر مجھے اپنا پھر وہی کاروبار شروع کرنا پڑا۔ نواب صاحب مرحوم اپنی محبت بھری حماقت کی بدولت مجھ سے چمٹے رہے، ورنہ کوئی شریف انسان میری ان آلائشوں کا ساتھ نہیں دے سکتا تھا جو میں نے یہاں آکر شروع کردی تھیں۔ شرافت کا مرض جو ان میں ازل سے تھا وہ قائم رہا۔ میری طرف سے تو چشم پوشی ان کی عادت بن گئی لیکن شرافت کی مشق وہ تم پر کرتے رہے۔ تمہاری تربیت کی تمام تر ذمہ داری انھیں پر تھی۔ انھیں کے اصرار پر تمہیں تعلیم ملی۔ انھوں نے کبھی تمہیں میرے ساتھ

مجروں میں نہیں جانے دیا۔ اور ان کی یہ خواہش میں نے اس لئے پوری ہونے دی کہ ان پر ترس کھانا اب تک میری عادت تھی۔ مگر تمہارے وقتی طور پر بدل جانے کے بعد اب مجھے اپنی اس غلطی کا احساس ہوتا ہے۔ اگر میں اپنی اس بری عادت کو اسی وقت ختم کر دیتی تو تمہیں راہ راست پر لانے کا بھی کوئی سوال ہی نہ تھا۔ تم وہی کرتیں جو میں نے زندگی بھر کیا ہے۔ مجھ پر بھی سارا یہی دور گذرا ہے اور اس لئے مجھے اس ہیجانی کیفیت کا خوب اندازہ بھی ہے۔ اب اگر تم میری نصیحتوں پر عمل کرنا چاہو تو بتاؤ ورنہ پھر جو کچھ تم کرنا چاہتی ہو وہ کرو مصیبتیں کبھی کہہ سنکر نہیں آئیں اور نہ آئیں گی لہٰذا ان کے آنے سے قبل ہی اگر تم سنبھل جاؤ تو اچھا ہے۔

نرگس اتنا کہنے کے بعد خاموش ہو گئی تو رخشندہ نے اس کے چہرے کی طرف دیکھ کر پوچھا:۔

اور کچھ کہنا ہے آپ کو؟

بس۔ نرگس کہنے لگی۔ اب تم اپنا آخری فیصلہ مجھے بتا دو۔ اگر یہ باتیں تمہاری سمجھ میں نہ آئی ہوں تو اپنے قیام کا کہیں اور انتظام کر دو۔ اس کوٹھی کو میں نے اپنے پیسہ سے خریدا ہے، نواب صاحب مرحوم کا اس پر کوئی حق نہیں ان کی جائیداد میں جو کچھ یہاں ہے وہ تم بے شک لے لو اور نہ اس کی مجھے ضرورت ہے۔ میں نے ہی ان کو اپنے سے الگ کرنے کے لئے ایک دوکان کھلوا دی تھی۔ اسی کے منافع سے وہ چھوٹی موٹی چیزیں خریدا کرتے تھے جو میری نگاہ میں کبھی نہیں آئیں اور نہ آج ان کی کوئی وقعت میری نظروں میں ہے

تم نے مجھ سے گھر کا کارخانہ لے لیا مگر میں نے محبت اور دلار میں تم سے کچھ نہیں کہا۔ اس وقت مجھے یہ بھی امید تھی کہ تم یہ سب کچھ کرنے کے بعد شاید اپنی ضد چھوڑ دو گی لیکن اگر اس کا کوئی امکان نہ ہو تو میں تمہیں یہ بتا دوں کہ اس گھر کا تمام کارخانہ میرا ہی قائم کیا ہوا ہے۔ سارے ملازم میرے ہیں، یہاں کی ہر چیز میرے ہی قبضہ میں رہے گی اور تم مجھ سے اختلاف کر کے نہ یہاں رہ سکتی ہو نہ یہاں کی کسی چیز کو استعمال کر سکتی ہو۔ چوکیدار کو میں نے آج ہی ہدایت کر دی ہے کہ وہ سلیم کو پھاٹک کے اندر نہ داخل ہونے دے میں جس شخص کو اچھا نہیں سمجھتی اسے میرے گھر آنا بھی نہیں چاہیئے۔

میں آج ہی یہاں سے چلی جاؤنگی آپ مطمئن رہیں۔

کیا یہی میری باتوں کا جواب ہے اور تمہارا آخری فیصلہ؟

جی ہاں!

بس تو پھر اب مجھے بھی کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ تم اپنا سامان ٹھیک کرو۔ سلیم اگر تمہیں لینے آئیں تو انھیں بغیر میری اجازت کے اندر مت بلا لینا۔

وہ آپ کے دروازے پر کبھی نہ آئیں گے۔ رخشندہ کہنے لگی۔ وہ یوں بھی اس واقعے کے بعد نہ آتے لیکن اب تو ان کے آنے پر آپ نے پابندی بھی لگا دی۔

پابندی نہ لگاتی تو پھر کیا کرتی۔ انھیں نے تمہیں مجھ سے منحرف کر دیا۔ میری طرف سے تمہارے خیالات بدل دیئے۔ مجھے برباد کر دیا۔ اولاد

کی محبت کوئی ہیجانی چیز نہیں ہے جو کبھی ختم ہو جائے۔ تم ہی مجھے دنیا میں سب سے زیادہ عزیز تھیں اور تم ہی کو مجھ سے سلیم نے چھین لیا۔ میں تمہارے لئے عمر بھر روتی رہونگی یہ تو محض پابندی ہے میرا اگر اختیار چلتا تو میں اسے شہر سے باہر نکلوا دیتی۔

لیکن آپ اپنے فیصلہ پر کوئی نظر ثانی نہیں کر سکتیں۔ رخشندہ نے ماں کے جذبات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کو مجھ سے بے انتہا محبت ہے۔ آپ مجھے ایک ماں کے تمام ولولوں اور ارمانوں کے ساتھ چاہتی ہیں لیکن میری اتنی سی ضد کو پورا نہیں کر سکتیں۔

وہ تو نصب العین کا سوال ہے اگر میں تمہاری اس ضد کو پورا کر دوں تو یہ محبت نہیں ہوئی دشمنی ہوئی۔ کوئی ماں اپنی لڑکی کو آگ کے شعلوں میں پھینک سکتی ہے؟

لیکن یہ بھی تو ممکن ہے کہ آپ نے سلیم کو غلط سمجھا ہو؟

مجھے اس کے سمجھنے کی ضرورت کیا ہے نرگس کہنے لگی۔ میرے پیش نظر تو تم ہو۔ میں تمہیں سمجھتی ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ تمہاری ایسی لڑکی غربت کی زندگی نہیں بسر کر سکتی۔

کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ آپ نے مجھے غلط سمجھا ہو؟

تمہیں نہ سمجھنا بالکل خلاف قدرت ہے۔ اب اگر تم اس مسئلہ پر بحث کرو کہ تم خود اپنے آپ کو زیادہ سمجھتی ہو یا میں تمہیں۔ تو شاید مجھے کامیابی ہوگی۔

غرض یہ کہ آپ اپنے فیصلہ سے ایک انچ بھی ادھر سے ادھر نہیں ہو سکتیں رخشندہ نے مجبور ہو کر اقرار کر لیا۔

ہم دونوں ایک ہی منزل پر ہیں نرگس کہنے لگی۔ اب، یہ تو وقت ہی ثابت کرے گا کہ ہم میں سے کون ٹھیک تھا اور کون غلط۔ تم میری اولاد ہو تم اپنے فیصلہ سے نہ ہٹو اور میں ماں ہو کر تمہاری بات مان لوں؟

یہ تو زبردستی کی بات ہوئی امی رخشندہ کہنے لگی۔ آپ یہ مقابلہ مجھ سے نہیں کر رہی ہیں بلکہ سلیم سے۔ فرض کیجئے اگر میں آپ کی ہدایت پر عمل کروں تو اپنی زندگی بھر کا سودا کر ڈالوں۔ مجھے معلوم ہے کہ میں سلیم کو کبھی بھول نہ سکونگی، میں اس کے بغیر زندہ نہ رہ سکوں گی۔ خالد کا اتنا گہرا اثر میری زندگی پر نہ تھا۔ آپ جب اپنے سے میرا مقابلہ کرتی ہیں تو یہ بھول کر کہ میری اور آپ کی ابتدائی تربیت جداگانہ طریقوں پر ہوئی جس پیشہ سے آپکو بچپن میں راغب کیا گیا۔ مجھے اس سے نفرت کرنا سکھائی گئی، اور اس عمر میں جب کہ میرے ارادے پختہ ہو چکے ہیں آپ مجھ سے میرا نصب العین چھین رہی ہیں۔ آپ نے مجھے اپنے اندازوں کے مطابق پرکھا ہے حالاں کہ جو آپ ہیں وہ میں نہیں ہوں اور نہ کبھی ہو سکتی ہوں۔ آپ نے تعلیم نہیں پائی۔ آپ کو زندگی میں اچھی صحبتیں نہیں ملیں۔ ہم دونوں ایک ماحول میں رہ کر اپنی سماجی حیثیتیں الگ الگ بنا بیٹھے اور یہی سب سے بڑا اختلاف ہم دونوں میں ہے۔

یہ کوئی ایسا اختلاف نہیں جسکو تم اتنی بڑی اہمیت دے رہی ہو

نرگس نے پھر رخشندہ کی طرف دیکھ کر کہنا شروع کیا۔ میں نے سماج یا
ماحول کے اصول پر تم سے کوئی بات نہیں کی۔ میں نے تو جو کچھ کہا ہے وہ قدرت
کا اٹل قانون ہے کہ نہ کوئی اور قدرت کے قانون کو نہ کوئی تعلیم مٹا سکی نہ
صحبت۔ میں نے تو صاف صاف لفظوں میں تمہیں یہ بتایا کہ جس لڑکی کی
اٹھان امارت کی بنیادوں پر ہو۔ وہ غربت میں اپنی زندگی نہیں بسر کر سکتی۔

لیکن اس دنیا میں ایسی بھی مثالیں ہیں کہ امیر گھرانوں کی لڑکیاں
غریبوں کے یہاں جا کر خوش رہی ہیں۔

اس حقیقت کا تعلق صرف کتابی ہوگا۔ نرگس کہنے لگی۔ قصے کہانیوں
میں ایسی باتیں اس لئے لکھ دی جاتی ہیں کہ انھیں پڑھ کر امیر لڑکیاں
اپنے غریب شوہروں کے ساتھ ذرا دیر کے لئے بہل جائیں اور بس عملی
زندگی میں ان چیزوں کا کوئی دخل نہیں اور نہ کبھی ہوگا۔ جتنی زیادہ تمہاری
تعلیم ہے اتنا ہی کم تمہارا مشاہدہ اس لئے تم زندگی کے نشیب و فراز
مجھ سے بہتر نہیں سمجھ سکتیں میں نے جو کچھ کہا ہے اس کا کوئی تعلق تمہاری تعلیم
یا سماج سے نہیں ہے تم اس پر پھر ٹھنڈے دل سے غور کرو اور آج نہیں
تو کل مجھے اپنے فیصلے سے آگاہ کر دینا۔

مگر آپ کی شرط تو تو پھر بھی پورا نہ کر سکونگی رخشندہ کچھ عجیب حسرت
بھری نظروں سے ماں کی طرف دیکھ کر کہنے لگی۔ یہ مطالبہ اگر آپ نادرہ کے
لئے کرتیں تو مجھے منظور تھا مگر سلیم کے لئے تو ایسا کوئی خیال بھی میں اپنے
دل میں لانا نہیں چاہتی۔

تو پھر اب اس بحث کو ختم ہی کرو نرگس کہنے لگی۔ تھوڑا سا چل کر کھانا کھالو تاکہ تمہارے حواس درست ہو جائیں پیٹ میں کوئی چیز جائیگی تو عقل بھی اپنا کام کریگی۔ اسوقت تم بھوکی ہو اس لئے تمہاری کچھ سمجھ میں نہیں آرہا ہے۔

میں بالکل بھوکی نہیں ہوں رخشندہ نے جواب دیا۔ بھوک ہوتی تو گلاب کے بلانے پر فوراً آپ کے پاس آجاتی۔

بھوک کی انتہا ہو تو کھانے کی خواہش مرجاتی ہے۔ ایک نوالہ منہ میں رکھوگی تب پتہ چلیگا کہ بھوکی کسقدر ہو۔ چلو اٹھو۔ نرگس نے رخشندہ کا ہاتھ پکڑ کر اسے اٹھاتے ہوئے کہا۔ کل کی ساری رات اور اتنا دن اگر پیٹ میں پتھر بندھے رہیں تو پھر کچھ نہ کھانے کی ضد پیدا ہو جاتی ہے۔

نرگس کسی طرح نہ مانی تو مجبوراً رخشندہ کو کھانا کھانا پڑا۔ یہ حقیقت تھی کہ اس کی بھوکی آنتوں میں جیسے ہی غذا پہنچی وہ کلبلا کر کھانا مانگنے لگیں رخشندہ نے بے تکلف بن کر کھانا شروع کیا اور نرگس یہ دیکھ دیکھ کر خوش ہوتی رہی کہ شاید کھانا کھانے کے بعد وہ اپنا فیصلہ بدلدے۔

زخشندہ ماں سے کوئی تعاون نہ کر سکی اور اس لئے مجبوراً اسے نرگس کی کوٹھی کو بھی چھوڑ دینا پڑا ۔ سلیم پہلے سے جس فلیٹ میں رہا کرتا تھا وہیں زخشندہ بھی رہنے لگی ۔ گلاب نرگس ہی کے پاس تھی چلتے وقت زخشندہ نے اس اس کے لئے خواہش بھی کی مگر نرگس نے یہ کہکر انکار کر دیا کہ گلاب اسی کی پروردہ ہے اور کسی دوسرے کا کوئی حق اس پر نہیں پہنچتا ۔ اس چھوٹے سے فلیٹ میں سلیم اور رخشندہ دونوں بے حد مطمئن تھے ۔ وہ شاہانہ زندگی تو اب نہ تھی مگر خود مختاری نے وہ مزہ دیا کہ پچھلی راحتیں جن میں بہت سے تفکرات بھی شامل تھے خواب و خیال بن گئیں ۔ رخشندہ نے جس روز سے اپنی کوٹھی چھوڑی سلیم کو اس کی بے لوث محبت پر یقین آگیا ۔ اعتماد اسے پہلے بھی تھا مگر نرگس کے کبھی کبھی بہکانے پر اس کا یقین شک سے بدلتا رہا

اب نہ اس قسم کا کوئی جھگڑا تھا نہ آپس کی بے اعتمادی اس لئے دن بہت مزے سے کٹ رہے تھے۔ مالی پریشانیاں ضرور تھیں مگر ان کی کوئی اہمیت اس لئے نہ تھی کہ دونوں ایک دوسرے کی محبت میں ڈوبے ہوئے تھے، پھر چونکہ یہ سکون بھرے لمحات بے شمار خطرات کے بعد نصیب ہوئے تھے اس لئے مالی بدحالی ان کی زندگی میں کوئی تغیر نہ پیدا کر سکی۔ ان کا تو اب یہ مقولہ تھا کہ "جان بچی سو لاکھوں پائے" دن جتنے سہانے تھے راتیں اتنی ہی ولولہ انگیز۔ البتہ دونوں میں کھٹکنے والی چیز صرف ایک تھی اور وہ دونوں کی غیر قانونی یکجائی۔ دنیا کی نظروں میں یہ دونوں میاں بیوی بن کر رہ رہے تھے حالانکہ حقیقتاً نہ تھے۔ نرگس نے تو سارے شہر میں یہ شور مچا رکھا تھا اور بدنامی کے پہلو اس لئے اور بھی زیادہ نمایاں ہو گئے تھے کہ رخشندہ نے کبھی اپنے آپ کو طوائف کی لڑکی نہیں سمجھا ہمیشہ اچھی صحبتوں میں اٹھی بیٹھی، تعلیم کی بدولت شریف لڑکیوں سے اس کا یارانہ رہا اب نرگس کے واویلا کرنے پر وہی سب انگشت نما تھیں۔ خالد کے بعد سلیم کا یہ ساتھ اس کی بدنامی کا اور زیادہ موجب ہو گیا۔

شادی کے بعد اگر رخشندہ ماں کے گھر سے نکلتی تو کوئی کچھ کہنے والا نہ تھا مگر ایسی حالت میں تو یہ قصہ داستان بن کر ہر گھر میں کہا اور سنا گیا سلیم کے احباب نے اسکو مبارکبادیں دیں مگر رخشندہ کی سہیلیوں نے اس کو چوک کھایا۔ اس کی سب سے بڑی دوست اور رازدار ریحانہ تھی۔ یہ دونوں جبتک کالج میں رہیں ایک دوسری کی عاشق تھیں۔ تعلیم ختم کرنے کے بعد بھی ان کا ساتھ نہیں چھوٹا اور برابر دونوں کی ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ وہی سب سے زیادہ

رخشندہ کے پیچھے پڑ گئی۔ وہ ایک دن فرض کر کے ملنے آئی، اور چونکہ دونوں میں بے تکلفی بے انتہا تھی اس لئے اس نے آتے ہی کہا۔

حد کر دی تم نے بھی یا تو شرافت اور پاکدامانی کا زعم نہ کرتیں اور کیا تھا تو اس کو نبھاتیں۔

تو ہوا کیا رخشندہ بن کر کہنے لگی۔

ہو گا تو تمہارے ننھ یک اس وقت جب اللہ میاں گود ی بھر دینگے مجھے اکثر خیال آتا ہے کہ کہیں خدا نخواستہ پیٹ میں کوئی کیڑا ویڑا پڑ گیا تو دنیا کیا کہے گی۔ اکیلی ایک مرد کے ساتھ فلیٹ میں رہتی ہو۔ میں تو تمہارے اس "اکیلے پن" کو محسوس کر کے شرما جاتی ہوں۔

شرما جاتی ہو کہ منہ میں پانی بھر آتا ہے؟ رخشندہ مسکرا کر ریحانہ کی طرف دیکھنے لگی۔

جو کچھ سمجھو۔ ریحانہ اپنی جگہ پر لے قابو ہو کر بولی کسی لڑکی کا کسی غیر مرد کے ساتھ اکیلا رہنا کتنی بری گالی ہے۔ میں تو کسی کے سامنے یہ جملہ زبان پر نہیں لا سکتی اور تم عمل سے ثابت کر رہی ہو۔

سچ سچ ہے تو بُری بات رخشندہ کہنے لگی مگر کروں کیا شادی کے لئے وہ ابھی تیار نہیں ہوتے۔

زبردستی کرو۔ وہ تو یہ سمجھتے ہیں شادی سے فرق ہی کیا پڑتا ہے۔ اب بھی تم ان کے پاس ہو شادی کے بعد بھی ان کے پاس رہو گی۔ اس لئے وہ خواہ مخواہ کا جھنجال کیوں مول لیں۔ ایسی حالت میں کوئی مرد آسانی سے

شادی کے لیۓ تیار ہو سکتا ہے ؟

مگر مجھے ان پر پورا اعتماد ہے وہ آج نہیں تو کل مجھ سے شادی ضرور کر لیں گے ۔

بشرطیکہ تم نے اس قسم کی احتیاطیں برتی ہوں

کس قسم کی احتیاطیں برتی ہوں ۔

اس منزل پر پہنچنے کی احتیاطیں جس کے لئے ہر مرد بے چین رہتا ہے

تمہارے نزدیک وہ منزل اگر طے ہو جائے تو کوئی مرد شادی کرنے پر آمادہ نہیں ہو سکتا ؟

ہاں بشرطیکہ تھوڑا سا بے وقوف ہو کسی عقلمند مرد کا تو یہ شیوہ نہیں ۔

مگر سلیم سے تو تم مل چکی ہو تمہارے خیال کے مطابق انھیں بیوقوف سمجھا جائے یا عقلمند ؟

ریحانہ رخشندہ کے اس سوال پر غور کرنے لگی پھر اس نے تھوڑا سا سوچ کر جواب دیا ۔

آدمی تو کچھ بدھو نظر آتے ہیں اب دل کا حال تو خدا ہی بہتر سمجھ سکتا ہے ۔

دل بھی ویسا ہی بدھو ہے رخشندہ ہنس کر کہنے لگی ۔ تم شاید یقین نہ کرو جب میری اور خالد کی دوستی تھی اس وقت میری مفارقت میں رویا کرتے تھے اور اب تو وہ مجھے ایسی دولت سمجھتے ہیں جو کھو جانے کے بعد کسی کو پھر مل جائے ۔

اس کا تو مجھے بھی احساس ہے ریحانہ کہنے لگی مگر وہ بات تو بتاؤ جسے تم بہت خوبصورتی سے ٹال گئیں۔

کونسی بات؟

منزل تک پہنچ چکے ہیں وہ؟

یہ پوچھ کر کیا کرو گی؟

تمہیں میری جان کی قسم کسی سے کہنے تھوڑی بیٹھ جاؤ نگی میں؟

کہہ بھی دو گی تو میرا کیا بگڑ جائیگا۔

تو پھر بتا دو نہ؟

کیا کرو گی جان کے ویسے میری منزل تک پہنچنا کسی کے لئے اتنا اہم نہیں ہے میں نے اس منزل کو منزل مقصود کبھی نہیں سمجھا۔

پھر کیا سمجھتی ہو؟

میری منزل اتنی دشوار گذار نہیں۔ وہاں تک پہنچنا تو بہت آسان ہے مگر وہاں سے واپسی ——"

رخشندہ اتنا کہنے کے بعد ایک قہقہہ مار کر ہنسنے لگی۔ اس وقت اسکا اشارہ سلیم اور خالد دونوں کی طرف تھا جو منزل تک تو پہنچ چکے تھے مگر واپسی میں راستہ بھول کر ادھر اُدھر بھٹکتے پھر رہے ریحانہ کہنے لگی۔

یہ تو تم نے واقعی سچ کہا۔ اس معاملہ میں ہم سب کو تمہاری شاگردی کرنا چاہئے، لیکن وہ کونسا حربہ ہے جنہیں تم استعمال کرتی ہو۔

وہ اتنی آسانی سے تو نہیں بتلائے جاسکتے رخشندہ بولی۔ ان کا تعلق

تھیوری سے نہیں پریکٹس سے ہے اگر تم اس کے لئے آمادہ ہو جاؤ تو میں تمہیں آج ہی پہلا سبق دوں۔

ہائے غضب ریحانہ ڈر کر چلا پڑی۔ مگر پہلا سبق لینے کے بعد تو میں کسی قابل نہ رہونگی۔

کیوں تمہیں گھول کر کوئی پی نہیں لے گا اور پھر پہلا سبق تو لبطور دوا کے لیا جاتا ہے۔ ضرورتاً

پھر تو اس کے بعد عادت پڑجاتی ہوگی؟ ذہانت ہو تو ایک کے بعد دوسرا سبق، دوسرے کے بعد تیسرا۔ پھر چوتھا پھر پانچواں۔ نوج میں اس مصیبت میں اپنے کو گرفتار کراؤں۔

تو پھر وہ حربے کس طرح معلوم ہوں گے جنھیں میں استعمال کرتی ہوں۔

بلا سے نہ معلوم ہوں وہ حربے اور سبق تمہیں کو مبارک رہیں اچھا ایک بات تو بتاؤ رخشندہ۔ ریحانہ نے موضوع بدلنے کے رخشندہ سے یہ سوال کیا۔

خالد کی کھٹک دل میں ہوتی ہے کبھی۔ یا بالکل ہی بھول گئیں اسے؟

تم بھی کس قدر بے تکا سوال پوچھنے لگیں، میں تمہاری اس بات کا جواب نہیں دے سکتی۔

نہ دو مگر یہ شاید تمہاری دکھتی ہوئی رگ ہے۔ میں اکثر سوچتی ہوں کہ خالد اور سلیم میں تمہیں کون سا زیادہ عزیز رہا؟

یہ میں خود بھی اب تک فیصلہ نہیں کر سکی مجھے دونوں عزیز تھے میں

ان میں سے کسی ایک کو بھی پا جاتی تو مطمئن رہتی۔

یہ تو بالکل خلافِ فطرت ہے۔

یہ تو تم اپنی ناتجربہ کاری کی بناء پر کہتی ہو۔ درخشندہ کہنے لگی۔ عورت کی زندگی میں خواہ کتنے ہی مرد آجائیں وہ خلاف فطرت نہیں ہو سکتے۔ میں نے تو فی الحال تم سے دو ہی مردوں کا ذکر کیا ہے اچھا اب ایک بات مجھے بتاؤ درخشندہ نے ریحانہ کی طرف غور سے دیکھ کر کہا۔

تم کس منزل پر ہو؟ ممکن ہے تم مجھے اپنے دل میں بد اخلاقی کا درجہ دے بیٹھی ہو کیونکہ میں نے تم سے اس قسم کا کوئی سوال نہیں کیا۔

خوب! گویا اس قسم کا سوال نہ کرنا بد اخلاقی ہے؟

اور کیا ـــــ دو جوان لڑکیاں اگر تنہائی میں بیٹھ کر اس قسم کی باتیں کریں تو ان کی حیثیت دو شاعروں جیسی ہے۔ اگر ایک شاعر دوسرے کو اپنا کلام سناتا رہے اور اس سے اس کے کلام کی فرمائش نہ کرے تو اسے بد اخلاق کہیں گے۔

لیکن اگر ان میں شاعر صرف ایک ہے اور دوسرا سامعین؟ پھر تو بد اخلاقی کا اطلاق اس پر نہیں ہونا چاہئے۔ اس محفل میں تم شاعرہ ضرور ہو مگر میں محض سامعین سخن فہم بھی اپنے کو نہیں کہہ سکتی اس لئے زبان کھولوں تو کس بھروسہ پر۔

باتوں کا یہ دلچسپ سلسلہ جاری تھا کہ سلیم بھی کہیں باہر سے آگیا یہ کورم جب پورا ہوگیا تو باتیں پھر چھڑ گئیں سلیم اور ریحانہ میں پہلے سے کافی

بے تکلفی تھی۔ طالب علمی کے زمانہ میں سب کا ساتھ تھا۔ آج ایک عرصہ کے بعد جو وہ سلیم کو اچانک اس طرح مل گئی تو اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی اس نے ریحانہ کو دیکھتے ہی کہا۔

"وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے"

ریحانہ کہنے لگی۔ خدا کی قدرت کا تو مجھے بھی قائل ہونا پڑا مگر وہ کسی کے آنے جانے کے بارے میں نہیں بلکہ پہلوئے حور میں لنگور دیکھکر معاف کیجیئگا یہ بھی کچھ کم خدا کی قدرت نہیں۔

سب کے قہقہے اک دم سے فضا میں گونج گئے رخشندہ ریحانہ سے مخاطب ہوکر کہنے لگی۔

دیکھا تم نے لنگور کی حیثیت سے بھی اتنے ہی خوش ہیں جتنا کہ انسان کی حیثیت سے۔ اب ایک حور اگر یہ سوچکر ڈرے کہ لنگور اس کو دغا دیگا تو یہ اس کی بے وقوفی ہے نہ؟

سلیم نے ریحانہ سے پوچھا

غائب کہاں تھیں اتنے دنوں سے؟ کالج تو سنسان کر ہی چکی تھیں پھر بمبئی کو بھی ویران کر کے چلی گئیں؟

پونا میں تھی ریحانہ نے جواب دیا مگر تمہارے سکنڈلس وہاں بھی سنتی رہی۔ سچ مچ تم اور رخشندہ عجیب و غریب دور سے گذرے ہو مگر خدا کے لئے اب شادی کر ڈالو ورنہ ممکن ہے پھر کوئی شگوفہ اٹھ کھڑا ہو۔ یہ جو عورت ہے رخشندہ۔ ریحانہ نے تمسخر سے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔ اس پر کچھ بھرو

نہ کرنا چاہئے نہ معلوم کس وقت داغِ مفارقت دے بیٹھے اس وقت بجز رونے کے تمہارے پاس کوئی چارہ نہ ہوگا۔

یہ سچ کہا تم نے سلیم۔نے تائید میں گردن ہلائی۔ مگر یہ شادی کرنے پر رضامند نہیں ہوتیں؟

میں انھیں تیار کرلوں گی۔ ریحانہ کہنے لگی۔

تمہاری اس کوشش کا منہ مانگا انعام میں تمہیں دونگا۔

ریحانہ کہنے لگی۔

مذاق مت کرو میں انتہائی سنجیدگی سے تمہیں یہ مشورہ دے رہی ہوں۔ ابھی تمہارے آنے سے قبل میں رخشندہ سے بھی یہی باتیں کررہی تھی مگر ان کا خیال ہے کہ تاخیر تمہاری طرف سے ہورہی ہے۔ یہ دراصل دنیا اور سماج دونوں کی نظروں میں انتہائی معیوب ہے کہ تم دونوں اس حیثیت سے ایک دوسرے کے ساتھ رہو۔

میں بھی کافی سنجیدہ ہوں سلیم نے جواب دیا۔ اب تم آگئی ہو تو یہ مرحلہ آسانی سے طے ہو جائیگا۔ ہمارا آپس کا پروگرام بھی یہی ہے کہ کوئی ایسی صورت عمل میں لائی جائے جس سے انگشت نمائی نہ ہو۔ تاخیر کسی کی طرف سے نہیں ہوئی بلکہ جس نازک دور سے ہم دونوں گذرے ہیں اس کے اثرات اب تک پیچھا نہ چھوڑ سکے۔ رخشندہ کو مجبوراً اپنا گھر چھوڑنا پڑا۔ مجھے اپنی خاندانی روایات۔ لیکن یہ ساری قربانیاں اس لئے کی گئیں کہ ہم ہمیشہ کے لئے ایک دوسرے کے ہو جائیں اور پھر ہمیں دنیا کی

کوئی طاقت ایک دوسرے سے جدا نہ کر سکے۔

یہ خیال بھی بڑا مبارک ہے اور ارادہ بھی ریحانہ نے جواب دیا مگر اب اس میں تاخیر کی گنجائش نہیں۔ میں رخشندہ کو آج اپنے ہمراہ گھر لئے جاتی ہوں۔ ایک ہفتہ کے بعد تم غریب خانہ پر آجانا۔ سارے انتظامات مکمل ہونگے اسی وقت رسم نکاح ادا کر دیجائیگی۔

ایک ہفتہ کے بعد؟ سلیم نے گھبرا کر سوال کیا۔ بھئی اس زلف کے سر ہونے تک کون زندہ رہیگا۔ مجھے یہ جدائی منظور نہیں۔

کم از کم ایک ہفتہ تو رخشندہ کو اپنے لئے برا بلم بننے دو جس سے ہمارے ملک کا ہر نوجوان دولھا گذرتا ہے۔ شادی کا لطف بھی نہیں جب ہی آئیگا جدائی کی یہ مدت اور زیادہ بڑھائی جا سکتی تھی مگر تمہارا چونکہ کوئی لمحہ بغیر رخشندہ کی یاد کے نہیں گذرتا اس لئے یہ چھوٹی سی مدت بھی بہت ہوئی۔

نہ معلوم ان کی اس بارے میں کیا رائے ہے؟ سلیم نے رخشندہ کی طرف دیکھ کر اپنی تشویش کا اظہار کیا۔

"بس راضی بہ رضا" ریحانہ کہنے لگی۔

پہلے ان سے دریافت تو کر لو۔ سلیم نے پھر رخشندہ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

دولہن کی خاموشی، نیم رضا ہوا کرتی ہے۔ ریحانہ نے جواب دیا۔ اس کے علاوہ اب انھیں دولہن بن کر بولنا بھی نہیں چاہیئے اور نہ اب تمہیں بے شرمی کرنے کی ضرورت ہے۔ بس اب ایک ہفتہ کے بعد میرے یہاں آکر دولہن

رخصت کر لے جانا۔

سلیم نے دیکھا تو زخشندہ واقعی گردن جھکائے ہوئے بیٹھی تھی جیسے ریحانہ کے کہنے کی تائید کر رہی ہو۔ پھر اس نے بھی جیب سے اپنا رومال نکال کر منہ پر رکھ لیا۔

ریحانہ نے جب ان دونوں کو شرماتے ہوئے دیکھا تو خود بھی شرما کر نظریں نیچی کر لیں +

ایک ہفتہ کے بعد رخشندہ حسب وعدہ رخصت ہوکر پھر سلیم کے گھر آگئی
دولہنوں کے وہ تمام تکلفات لئے ہوئی سمٹی سمٹائی۔ ریحانہ نے اُسے جس سلیقہ
سے سجایا تھا وہ کسی نئی نویلی دلہن کے ٹھاٹ سے کم نہ تھا۔ چہرے اور بالوں
پر افشاں ۔ اوبٹن اور سہاگ کی بھینی بھینی خوشبو سے معطر، ریشمی اور
لچکے دار کپڑے، ہاتھ گلے اور کان میں زیورات غرضکہ ریحانہ نے اسے عروس
نو بنانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی سلیم اپنے احبابوں کے ساتھ سرِ شام ریحانہ
کے مکان پر چلا گیا جہاں سارے انتظامات پہلے سے مکمل تھے۔ پہلے چند
لوگوں کی موجودگی میں سلیم اور رخشندہ کا نکاح پڑھا گیا اور برات کو کھانا
کھلا کر دلہن رخصت کردی گئی۔ دولہن دولہا اپنے فلیٹ کے عروسانہ کمرہ
میں چپ چاپ آکر بیٹھ گئے۔ سات دنوں کی یہ جدائی دونوں پر بہت شاق

گذری تھی مگر اب تو دونوں کبھی نہ جدا ہونے کے لئے پھر ایک دوسرے سے مل گئے تھے۔ اب ان دونوں میں ایک نئی اسپرٹ ایک نیا جوش موجزن تھا۔ پھر بھی نہ معلوم کیوں ایک دوسرے سے شرمائے جا رہے تھے بہت دیر تک خاموش بیٹھے رہنے کے بعد بھی جب آپس کی گفتگو کا کوئی پہلو نہ نکلا تو سلیم ہی نے ہمت کر کے پوچھا۔

مزاج تو اچھا ہے سرکار کا۔

جی ہاں آپ اپنا حال سنائیے۔

بس کچھ نہ پوچھو سلیم کہنے لگا۔ تمہارے بغیر میں نے یہ دن جس طرح گذارے ہیں وہ مصائب خدا دشمن پر نہ ڈالے۔

اچھا! کیا بہت یاد آئی میں۔

تمہیں کچھ تعجب ہوا سلیم رخشندہ کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگا۔

میرا مطلب یہ تھا کہ چلے کیوں نہ آئے میرے پاس۔ تھی تو اسی شہر میں اپنی ایک سہیلی کے یہاں۔

ریحانہ سے وعدہ کر چکا تھا۔ اس کے علاوہ میں نے سوچا کہ دن جتنے زیادہ گذریں گے کشش اتنی ہی زیادہ بڑھے گی۔

مگر تکلیف تو ہوئی خواہ مخواہ کی آپ کو۔

تکلیف کے بعد اتنی ہی زیادہ مسرت بھی ہوئی۔ سلیم کہنے لگا۔ آج تم ملی ہو تو ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ زندگی میں پہلی بار تم سے مل کر خوش ہو رہا ہوں اور اب یہ ملنا ایسا ہے کہ شاید زندگی بھر جدائی نہ ہو۔ انشاء اللہ اب نہیں

قانون الگ کر سکتا ہے نہ سماج۔

رخشندہ اپنی سنہری بڑے سے اٹھی بڑے سے قدآدم آئینے کے سامنے اس نے اپنے آپ کو دیکھا اور خود ہی شرمانے لگی۔ عورت کا عروسانہ سنگار اس کی زندگی کی سب سے بڑی زینت ہے، وہ اسی طرح شرماتے ہوئے سلیم سے بولی۔

ریحانہ نے کیسے چونچلے کئے ہیں میرے ساتھ۔ میں نے بہت منع کیا مگر وہ مانی ہی نہ کسی طرح۔

مجھ سے وعدہ جو کیا تھا انھوں نے کہ تمہیں باقاعدہ دولہن بنا کر رخصت کریں گی۔ سچ مچ بہت اچھی معلوم ہو رہی ہو تم۔

واقعی، رخشندہ ہنسنے لگی۔ مجھے تو ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے کوئی للی گھوڑی آئینہ کے سامنے کھڑی ہے۔ اب ان کپڑوں کو اتارتی ہوں میں۔

سلیم نے گردن ہلا کر منع کیا۔ یہ عروسانہ کپڑے پہلی رات کی زینت ہیں۔ اگر انھیں اتار دوگی تو میری تمام حسرتوں کا خون ہو جائیگا۔

مگر ان کپڑوں میں مجھے ساری رات نیند نہ آئیگی۔

آج کی رات خدا نے سونے کے لئے نہیں بنائی۔ سلیم نے ہنس ہنس کر کہنا شروع کیا۔ آج کی رات وہ رات ہے جس کے تصور سے انسان مہینوں اور برسوں کھیلا یہ رات خوشبوؤں ارمانوں اور ولولوں کی اتنی بڑی ضمانت ہے جسے دنیا میں مسرتوں کا سب سے بڑا شرف عطا کیا گیا آج کی رات جوانیاں صرف انگڑائیاں لے لے کر رہتی ہیں۔ آج کی رات نہ ایک مرد سوتا ہے نہ عورت۔ آج کی رات دنیا سوتی ہے مگر محبتیں جاگتی ہیں آج کی رات

توبہ اللہ۔ رخشندہ بات کاٹ کر کہنے لگی۔ بس اب ختم کرو اس شاعری کو مطلب یہ ہے کہ میں ان کپڑوں کو نہ اتاروں مجھے منظور ہے۔ اس کے لئے اتنی لمبی چوڑی شاعری کی کیا ضرورت تھی۔

یہ میرے دلی جذبات تھے جنھیں تم نے شاعری کہکر ٹھکرا دیا۔

رخشندہ نے ایک مرتبہ سلیم کی طرف مسکرا کر دیکھا اور ہاتھ بڑھا کر بجلی کا بلب بجھا دیا۔ کمرہ اب بھی اندھیرے میں منور تھا اور اندر رکھی ہوئی تمام چیزیں چمک رہی تھیں۔ رخشندہ کے عروسی جوڑے میں ٹکے ہوئے موتی اندھیری رات میں ستاروں کی طرح چمک رہے تھے۔ کمرہ میں دونوں کی مسہریاں پاس ہی پاس بچھی ہوئی تھیں۔

رخشندہ اپنی مسہری پر آکر لیٹی تو سلیم بھی اسی کی طرف کروٹ لے کر لیٹ گیا اب پھر پہلے کی طرح خاموشی مسلط تھی۔ دونوں کو شاید پھر یہ انتظار تھا کہ ابتدا کون کرے مگر اس مرتبہ پھر سلیم ہی نے ابتدا کی، اس نے بہت دھیمی آواز میں پوچھا۔

سو گئیں کیا؟

آج کی رات سونے کے لیے تو نہیں بنائی گئی رخشندہ کہنے لگی۔

تو پھر کوئی شغل ہو۔ رات کو کاٹنے کے لئے۔

کون سا؟ رخشندہ کی آواز اور زیادہ دھیمی ہوگئی جیسے درو دیوار بھی نہ سن سکے۔

جو تم پسند کرو۔ سلیم نے اس کے اور زیادہ قریب کھسک کر کہا۔

آج کی رات تم میری ملکہ ہو، میری عزت ہو، میری زندگی ہو۔ میں کتنا خوش ہوں تمہیں پاکر رخشندہ۔ کسی کا یہ شعر مجھ پر صادق آرہا ہے ؎

سب کچھ خدا سے مانگ چکا تجھ کو مانگ کر
اٹھتے نہیں ہیں ہاتھ میرے اس دعا کے بعد

شعر تو اچھا ہے رخشندہ کہنے لگی خدا ہماری اس خوشی کو ہمیشہ برقرار رکھے۔

اس قسم کی گفتگو کے ساتھ ساتھ مسہری پر بیٹھے دونوں کے جسم ایک دوسرے کے قریب ہوتے گئے یہاں تک کہ درمیان میں ایک چھوٹا سا خلا باقی رہ گیا۔ رخشندہ نے بیچ میں اپنا کنگن بھرا ہاتھ رکھکر کہا۔

یہ ہمارے درمیان حد فاصل ہے اس پر کوئی قبضہ نہ کرے۔

سلیم نے ہنستے ہوئے وہ خوب صورت ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ اس ہاتھ کے تمام پوروں میں مہندی کی لالی تھی۔ گوری اور سڈول کلائی میں لاکھ کے سرخ سرخ کنگن ایسے بھلے معلوم ہو رہے تھے جیسے سیاہ بادلوں میں قوس قزح کی خوب صورت لکیر کھنچی ہوئی ہو۔ سلیم اس خوب صورت ہاتھ کو بہت دیر تک اپنے ہاتھوں میں لئے ہوئے کھیلتا رہا اور خوش ہوتا رہا۔ رخشندہ پوچھنے لگی۔

آخر مطلب کیا ہے تمہارا؟

مطلب ——؟ سلیم نے وہ خوب صورت ہاتھ خود ہی اپنی

گردن میں حمائل کر کے کہا وہ تو تم جانتی ہی ہو۔

نہ اب وہ خلا باقی تھا اور نہ وہ حد فاصل یہ دونوں اس طرح ایک دوسرے سے مل گئے جس طرح رات و دن ملا کرتے ہیں +

دن انتہائی سرعت کے ساتھ گذرتے چلے گئے۔ وقت کے ساتھ ساتھ ماحول بدلا اور ماحول کے ساتھ ساتھ زندگی۔ صبح و شام بھی بدل گئے، اب نہ رخشندہ میں عروسانہ بہاریں تھیں نہ سلیم میں وہ انہماک اور جوش، شادی کے ایک سال بعد جب دونوں کی حالت اعتدال پر آگئی تو ان کے سامنے زندگی کے بہت سے مسائل تھے۔ دونوں کی اقتصادی حالت بگڑنے کی وجہ سے جذبات سرد پڑ چکے تھے۔ شہر میں اب ان کے لئے نہ وہ شور تھا نہ وہ ہنگامہ پہلے سینکڑوں کی زبان پر رخشندہ کا نام تھا ہزاروں دلوں میں اس کی تشویش مگر اب نہ کوئی نام لینے والا باقی تھا نہ کوئی اس قسم کے افکار سے بھرپور دل۔ رخشندہ بھی اب اپنی جگہ پر خاموش تھی اور ریحانہ بھی زندگی کے قدرتی مصائب میں گرفتار پھر جب مالی بدحالی نے ان دونوں کو اور پریشان کیا تو سلیم نے ایک چھوٹی سی ملازمت کرلی۔

زندگی جو محض بے فکریوں اور لطافتوں کی مرہون منت تھی۔ اس پر ایک بار گراں پڑ گیا۔ مصائب اور پریشانی کا وہ بار جسے نہ حسن کی نزاکتیں اٹھا سکیں نہ عشق کی کرامتیں

اب جوان دونوں کو کوئی اسی فلیٹ میں دیکھتا تو یہ یقین مشکل سے کر سکتا تھا کہ یہ دونوں کبھی عاشق و محبوب بھی تھے، دو چڑچڑے مزاج کے میاں بیوی جن سے آئے دن کی پریشانیوں نے محبت کی اہلیتیں بھی چھین لی تھیں اکثر ایک دوسرے سے الجھ جاتے۔ رخشندہ کے یہاں جس روز سے ولادت کے آثار پائے گئے تو طبیعتوں میں اور زیادہ ناامیدیاں پیدا ہوئیں۔ سلیم سارا دن کام کرنے کے بعد گھر آتا تو رخشندہ کچھ بجھی بجھی سی اُس کے سامنے آکر بیٹھ جاتی۔ اِدھر اُدھر کی باتیں شروع ہو جاتیں، کبھی گھر کے اخراجات پر تبادلہ خیال ہوتا، کبھی کوئی نیا کپڑا خریدنے پر باتیں نکلتیں اور اکثر بچہ کی ولادت کے لئے دونوں اپنی اپنی تشویش کا اظہار کرتے۔

غرضیکہ حسن و عشق کی ان پچھلی باتوں کا اب کہیں کوسوں پتہ نہ تھا رخشندہ کو سلیم مل چکا تھا اور سلیم کو رخشندہ اس لئے زندگی کی ساری جد و جہد دم توڑ کر ایک ابدی سکون اور اطمینان بن گئی تھی۔ اب نہ کوئی ارمان باقی تھا نہ حسرت اس لئے زندگی میں وہ پہلی سی تڑپ بھی باقی نہ رہی، اسی امید و بیم کے زمانے میں رخشندہ نے ایک دن کہا۔

میرے زیورات بیچ کر کوئی تجارت کرو ملازمت کی چھوٹی تنخواہ سے تو گھر کا خرچ نہیں چل سکتا۔

ان زیورات پر میرا کوئی حق نہیں جو میں انھیں اپنی ضرورت کے لئے خرچ کروں۔ میں تو بہرحال اپنی اس حالت سے مطمئن ہوں۔ تم میرے پاس موجود ہو تو پھر مجھے کوئی غم نہیں رہتا۔

غم ممکن ہے نہ ہو مگر تکلیف تو بہرحال تم کو بھی ہے۔ اس لئے ان زیورات کو فروخت ہی کردو۔ ویسے بھی اب ان سے میرا تعلق نہیں رہا۔ بکس کی زینت کے لئے ان کا رکھ چھوڑنا محض بے وقوفی ہے۔

ہاں استعمال تو تم انھیں نہیں کرتیں سلیم کہنے لگا لیکن ان سے تمہیں تقویت تو ہے۔

وہ تو مجھے ویسے بھی رہے گی اگر ان کی قیمت کو آپ نے کسی اچھے کاروبار میں لگا دیا۔

کاروبار میں اگر خسارہ ہوا تو وہ تقویت کہاں باقی رہیگی اس لئے انہیں فی الحال بکس ہی کی زینت رہنے دو۔ یہ سچ ہے کہ تم میرے ساتھ کافی پریشان ہو چکیں۔ میں تمہیں کوئی آسائش نہ دے سکا لیکن میں اس کے لئے بھی مجبور ہوں کہ تمہاری چھوٹی سی پونجی کو اپنے مقصد کے لئے خرچ کروں۔

میری اور آپ کی چیز الگ الگ ہے کیا؟

غربت اور پریشانی کے دن ہوں، تو ہر چیز کو الگ الگ ہی سمجھنا چاہیئے دل و دماغ الگ الگ ہو جاتے ہیں۔ نہ تاریکی میں سایہ انسان کا ساتھ دیتا ہے نہ غربت میں دل و دماغ۔ میرا دل اگر کسی بات میں مجھے مشورہ دیتا بھی ہے تو دماغ اس کی ممانعت کرتا ہے اور میں سمجھ ہی نہیں سکتا

کہ کیا کروں اور کیا نہ کروں ۔

در اصل تم بے حد مضمحل اور پریشان ہو، رخشندہ کہنے لگی ایسی حالت میں تمہارا دل و دماغ کام نہ کرتا ہوگا ۔ میں تمہارے لئے اب بھی بہت کچھ کرسکتی ہوں مگر تم مجھے اجازت ہی نہیں دیتے ۔ امی نے تھک ہار کے آخر کار اپنی محبت سے مجبور ہو کر مجھے بلا بھیجا ہے ۔ کیا ہرج تھا اگر میں ان کے پاس کچھ روز جاکر رہتی ۔ بچہ کی ولادت بھی وہیں ہوجاتی اور تم بھی کچھ دنوں کے لئے ہلکے ہوجاتے ۔

اگر جانا چاہتی ہو تو شوق سے جاؤ سلیم کہنے لگا ۔ میں اس خون کے لافانی رشتے کو تو منقطع نہیں کرسکتا جو تمہارے اور ان کے درمیان ہے لیکن میرے قدم اب اس گھر کی طرف کبھی نہ اٹھیں گے جہاں سے بے حد ذلت کے ساتھ نکل چکے ہیں ۔ مجھے وہ دن آج بھی اتنی ہی شدت کے ساتھ یاد ہے جیسے وہ کل کا واقعہ ہو ۔

ہٹو جی! رخشندہ نے تردید کرتے ہوئے کہا ۔ کسی اور بات میں وہ شدت نہ رہی لیکن اس مخصوص واقعہ میں اسی طرح برقرار ہے ۔ یہ کیوں نہیں کہتے کہ تمہیں امی سے ویسی ہی نفرت ہے جیسے کہ پہلے تھی ۔ اس واقعہ کو آج پورے دو سال گذر چکے دنیا ادھر سے ادھر ہوگئی ۔ زمانہ بدل گیا لیکن تم وہی ہو جو پہلے تھے ۔

میں نے تمہیں اتنا مجبور تو کبھی نہیں کیا کہ وہاں تم جانہ سکو مجھے میری مرضی پر چھوڑ دو ۔ اس میں فرق ہی کیا پڑتا ہے ۔ جب تک چاہے

وہاں رہنا۔ جب یہاں آنا چاہو چلی آنا۔

میں بغیر تمہارے تو نہیں جاؤنگی۔

نہ جانا بہتر ہے، بجائے اس کے کہ مجھے وہاں لے کر جاؤ۔

کیوں؟

اس لئے کہ تمہاری امی مجھے پسند نہیں کرتیں اور میرے وہاں جانیکے بعد وہ تمام چیزیں پھر زندہ ہو جائیں گی۔

یہ تو محض تمہارا وہم ہے رخشندہ نے جواب دیا۔ اس روز گلاب نے بھی آکر یہی کہا تھا کہ انھوں نے ہم دونوں کو آنے کی دعوت دی ہے مگر یہ بات تمہاری سمجھ میں نہیں آتی۔

سلیم بجائے کچھ جواب دینے کے رخشندہ کی ان معصوم باتوں پر ہنستا رہا۔ وہ سمجھتا تھا اس کی ناستقل مزاج طبیعت کا صرف یہی ایک تقاضا ہے کہ وہ پچھلی تلخیوں کو جلد سے جلد بھلا دے اور اس لئے اس نے رخشندہ سے اس مسئلہ پر مزید گفتگو کرنا ہی بیکار سمجھا۔ کچھ روز تک تو وہ رخشندہ پر بھی دباؤ ڈالتا رہا کہ وہ تنہا نرگس کے یہاں چلی جائے مگر جب وہ اسپر رضامند نہ ہوئی تو آپس میں یہ طے پایا کہ وہ پہلے ماں کے گھر جاکر وہاں کا رنگ ڈھنگ دیکھے اور اگر مناسب سمجھے تو پھر اسے بھی بلالے۔

رخشندہ کو سلیم کی اس تجویز پر کوئی اعتراض نہ تھا۔ اس نے سوچا کہ اس مرتبہ جب گلاب پھر ماں کا یہ پیغام لے کر آئیگی تو وہ اپنی آمد کی اطلاع انھیں دیدیگی، اور اتفاق کی بات کہ آج جیسے ہی سلیم اپنے دفتر کی طرف

روانہ ہوا گلاب ہنستی ہوئی رخشندہ کے کمرہ میں داخل ہوگئی۔ بڑی خندہ پیشانی سے اس کی طرف دیکھ کر رخشندہ نے پوچھا۔

آج پھر کیسے آگئیں اتنی جلدی۔ یوں تو تمہارا پھیرا ہفتہ دو ہفتہ میں ہوا کرتا تھا لیکن کل کے بعد ہی آج پھر تمہاری آمد کوئی بہت بڑے معنی ضرور رکھتی ہے۔

آپ کے شکوک میری طرف سے نہ گئے بیگم صاحب۔ گلاب مسکرا کر رخشندہ کے قریب ہی فرش پر بیٹھ گئی۔ غربت کی وجہ سے اب وہ رخشندہ کے اور زیادہ قریب ہوگئی تھی اور بجز روائتی ادب کے اور کوئی چیز گلاب کے لئے مانع نہ تھی۔ وہ بولی:۔

بی بی جی کو اب ایک منٹ بھی آپ کے بغیر قرار نہیں اور قرار ہو بھی کیسے؟ جو آپ کے ساتھ سایہ کی طرح ہر وقت ساتھ رہی ہوں اور پھر پورے دو سال تک آپ انھیں نہ ملیں۔ تو ان کے دل کی کیا حالت ہوگی۔

میں خود بھی تو ان کے لئے تڑپا کرتی ہوں۔ ان کی طرح میرا دل بھی پھڑپھڑاتا ہے مگر مجبور اس لئے ہوں کہ خود مختار نہیں۔ وہ کسی طرح بھی امی کے گھر آنے پر رضامند نہ ہوتے تھے لیکن آج اتنا وعدہ کر گئے ہیں کہ میں اگر امی کے یہاں سے انھیں بلاؤنگی تو شاید وہ چلے آئیں گے۔

تو بس پھر آج ہی چلئے اور وہاں پہنچکر سیٹھ سلیم کو بلا لیجئے گا۔

اس طرح نہیں رخشندہ بتلانے لگی۔ ان کی کچھ شرائط بھی ہیں پہلے انھیں پورا کرونگی تب بلاؤنگی۔ تم مجھے سچ سچ یہ بتاؤ گلاب۔ رخشندہ نے ذرا سا سنجیدہ

بنکر سوال کیا۔ امی نے حقیقتاً یہ بات تم سے کہی ہے کہ میرے ہمراہ وہ بھی آئیں ؟

یہ بات تو میں نے انھیں سوجھائی تھی گلاب کہنے لگی۔ ورنہ بی بی جی کے خیالات ابھی سیٹھ سلیم کی طرف سے ٹھیک نہیں ہوئے ہیں۔ آپ چلیں گی تو یہ صورت نہ رہیگی۔ سمجھا بجھا کر انھیں راضی کر لیجیگا۔

پھر تو ان کا خیال ٹھیک ہی تھا۔ رخشندہ اپنے دل سے سوچکر کہنے لگی نہ معلوم امی کو ان سے مخالفت کیوں ہوگئی۔ بہر حال مجھے تمہاری رائے سے اتفاق ہے کہ میں امی کے پاس چل کر صورت حال پر قابو پالوں۔ تم آج شام تک مجھے ٹیکسی بھیجدینا۔ اسوقت یہ بھی دفتر سے آچکے ہوں گے اور میں ان کی اجازت لے کر چلی آؤنگی۔

گلاب مطمئن ہوکر واپس ہوئی۔ اور رخشندہ تنہائی میں بیٹھکر یہ سوچنے لگی کہ اس کی زندگی میں اب شاید پھر کوئی انقلاب آیا۔

نرگس نے اپنی کوٹھی کو پھر از سر نو آراستہ کیا۔ خصوصیت کے ساتھ وہ رخشندہ کا کمرہ تمام دن سجاتی رہی۔ وہ دو سال کی طویل مدت کے بعد آج پہلی دفعہ رخشندہ کو پھر دیکھ رہی تھی یہ بھی ایک اتفاق تھا کہ رخشندہ اس مدت میں اسے کہیں ملی بھی نہیں اور اس کی آنکھیں اسکو دیکھنے کے لئے ترس گئیں۔ نرگس نے اپنی اس شکست ملنے سے قبل اپنے دل کو بہت سمجھایا کہ وہ ایک بھولی ہوئی چیز کو اتنی شدت کے ساتھ یاد نہ کرے اور رخشندہ نے جیسا کیا ہے اسے ویسا ہی بھگتنے دے مگر دل نہ مانا۔ پھر جب گلاب نے آکر اسے بتایا کہ بیگم صاحبہ آرہی ہیں تو اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی وہ کمرہ جس میں رخشندہ رہا کرتی تھی آج پہلی دفعہ جا کر اس نے کھولا اور اس کی ایک ایک چیز کو سلیقہ سے رکھتی اٹھاتی رہی۔ اس سے قبل وہ اس کمرہ میں اس لئے

جانے کی ہمت نہ کرتی تھی کہ اسے رخشندہ بے اختیار یاد آجاتی آج شام کے کھانے پر اس نے تمام چیزیں رخشندہ کی پسند کی پکوائیں۔ وہ تمام اہتمام کئے جنھیں رخشندہ کبھی پسند کرتی تھی۔ اس انہماک کا ایک مطلب یہ بھی تھا کہ یہ دن کسی نہ کسی طرح ڈھل کر شام ہو جائے۔ آج وہ آنیوالی شام کا اس بے چینی کے ساتھ انتظار کر رہی تھی جیسے وہ اس کی زندگی کی میں کبھی نہ آئیگی، بار بار وہ گلاب کو بلا کر وقت پوچھتی ٹیکسی لے جانے کے لئے ہدایتیں کرتی اور پھر رخشندہ کے کمرہ میں آکر ایک ایک چیز کو دیکھنے بھالنے لگتی۔

غرضکہ اس قسم کے تمام کاموں میں دن کٹ گیا اور شام ہوتا شروع ہوگئی۔ شام کا آنا تھا کہ نرگس کا اضطراب اور زیادہ بڑھ گیا۔ اس نے فوراً ٹیکسی بلوا کر گلاب کو اسٹیشن روانہ کیا کہ رخشندہ کو لے آئے۔

اب اسے ہر آہٹ پر رخشندہ ہی کا گمان ہوتا۔ اس وقت سے جو موٹر بھی اس کی کوٹھی کے سامنے سے گذری اس نے کھڑکی سے جھانک کر اسے دیکھ ضرور لیا اور اسی امید و بیم کے عالم میں وہ ٹیکسی بھی آگئی جو رخشندہ کو لینے کے لئے بھیجی گئی تھی۔ سب سے پہلے گلاب نیچے اتری پھر اس نے دروازہ کھول کر رخشندہ کو اتارا۔ نرگس کی بے چین آنکھوں نے جیسے ہی رخشندہ کی صورت دیکھی تو ان میں خوشی کے آنسو جھلملانے لگے۔ رخشندہ کا بھی کچھ یہی عالم ہوا۔ دونوں اپنی اپنی جگہوں سے ایک ساتھ بغل گیر ہونے کے لئے دوڑ پڑیں اور قریب آکر اس طرح ایک دوسرے سے مل گئیں جس طرح دریا کی موجیں ایک دوسرے میں سما کر سطح بنجاتی ہیں۔ نرگس رخشندہ کے ہر عضو بدن کو پیار

کرنے لگی۔ اس کی محبت کا وہ آتش فشاں پہاڑ اکدم سے پھٹ پڑا۔ نرگس رخشندہ کو پاکر ایسا محسوس کر رہی تھی جیسے وہ تمام کائنات کی مالکہ ہو۔ اسے آج اپنی خوش قسمتی پر بھی ناز تھا اور اپنی اس شکست خوردہ کامیابی پر بھی تھوڑی دیر بعد جب وہ اپنے تمام ظاہرا ارمانوں کو پورا کر چکی تو اس نے غور سے رخشندہ کو دیکھا اور اک دم یہ خیال اس کے دل میں چٹکیاں لینے لگا کہ وہ کتنی کمزور اور دبلی ہوگئی ہے۔ نہ اب رخشندہ کا وہ رنگ و روپ تھا نہ وہ سج دھج جن ہاتھوں کو صرف عطر کی شیشیاں کھولنے کی تکلیف ہوتی تھی انھیں سلیم کے یہاں برتن بھی مانجنا پڑے۔ کھانا بھی پکانا پڑا، اس لئے ان میں اب وہ نکھار اور بانکپن قائم نہ تھا۔ ہاتھوں کے خوبصورت ناخون بھی ادھر اُدھر سے کٹ گئے تھے۔ ہر وقت پانی کے استعمال نے ان کی رنگت بدل کر سیاہ کر دی تھی۔ نرگس نے بڑی محبت سے اس کا ایک ہاتھ پکڑ کر دیکھا پھر پوچھنے لگی۔

یہ وہی ہاتھ ہے تمہارا جس کے ایک اشارہ پر ادھر اُدھر بجلیاں کوندنے لگتی تھیں؟

رخشندہ اپنے کمرہ میں بیٹھی ہوئی تھی پچھلی تمام باتیں اسے ایک ایک کرکے یاد آنے لگیں: یہ اس کا وہی ہاتھ تھا جس میں ایک سال پہلے شادی کا کنگن بھی جاکر شرما گیا تھا۔ اس وقت رخشندہ اپنے کمرہ میں بیٹھی ہوئی اپنے اس پورٹریٹ پر نظریں جمائے ہوئے تھی۔ جسے خالد نے کئی ہزار روپیہ خرچ کرکے بنوایا تھا۔ قد آدم آئینہ کے سامنے اس کی موجودہ شکل بھی اس کے سامنے تھی، پہلی اور آج کی شکل میں جو زمین آسمان کا فرق پیدا ہوگیا تھا اسے پوری

شدت کے ساتھ آج درخشندہ نے بھی محسوس کیا اور نرگس کے اس ٹوکنے پر تو اس کے احساس میں اتنی شدت پیدا ہو گئی کہ اس کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔

ہاں امّی مجھ پر اُدھر چند دن انتہائی سخت گذرے درخشندہ ماں سے کہنے لگی۔ اب یہاں آپ کے پاس کچھ روز رہوں گی تو پھر ویسی ہی ہو جاؤنگی۔

کچھ روز کے لئے آئی ہو میرے یہاں، نرگس پوچھنے لگی۔ جب میں نے تمہیں بلا ہی لیا تو یہ سمجھ کر کہ یہ کوٹھی تمہاری ہے۔ یہاں کا فرنیچر تمہارا ہے۔ میری ساری دولت تمہاری ہے اب تم ہی اس گھر کو اپنی مرضی کے مطابق چلاؤ میں اپنے وہ تمام پچھلے الفاظ واپس لیتی ہوں۔

اس قسم کے تکلفات صرف پہلے دن برتے گئے دوسرے دن سے رخشندہ نرگس سے بے تکلف ہو گئی اور نرگس رخشندہ سے، اب یہ دونوں پھر ہمیشہ کی طرح ماں بیٹی تھیں۔ نرگس نے جہاں اُسے تمام آسائشیں دیں وہاں اس کا علاج بھی شروع کر دیا تاکہ جسم میں غربت کا کوئی چور اگر مرض کی شکل میں موجود ہے تو نکل جائے۔ اچھے اچھے وٹامنس اور ٹانک بھی رخشندہ استعمال کرنے لگی۔ بچّہ کی ولادت کے دن جتنے قریب آتے جا رہے تھے اس کی حالت سدھرتی جا رہی تھی پھر جلد ہی اس کی صورت میں ایسا تغیر ہوا کہ وہ پھر پہلی جیسی ہو گئی۔ اس کا وہی رنگ و روپ ہو گیا ویسا ہی گداز اور خوب صورت جسم۔ مگر ان تمام باتوں کے باوجود رخشندہ کو اب بھی اگر کوئی فکر لاحق تھی تو وہ سلیم کی طرف سے تھی۔ نرگس نے اجازت تو دے دی تھی کہ سلیم اس کی کوٹھی میں آ کر رہ سکتا

ہے مگر بہت ہی بے دلی کے ساتھ اور اسی لئے رخشندہ نے سلیم سے پھر کبھی ماں کی کوٹھی پر چلنے کا اصرار بھی نہیں کیا۔ وہ خود دن میں آکر سلیم کو اس کے فلیٹ پر دیکھ جایا کرتی تھی۔ ملازم کو اس کی آسائش اور آرام کے بارے میں ہدایتیں کر جاتی تھی اور چلی جاتی تھی۔ سلیم بھی اپنی جگہ پر مطمئن تھا کہ رخشندہ ماں سے مل کر خوش ہے پھر اس کی ساری جائیداد اور دولت پر قابض ہو گئی ہے۔ لہذا وہ بلاوجہ اس کی ان آسائشوں میں روڑے اٹکانا نہیں چاہتا تھا۔

نرگس اور رخشندہ میں یوں تو تمام دن باتیں ہوا کرتیں مگر جس بات کو نرگس خصوصیت کے ساتھ کہنا چاہتی تھی وہ ابھی تک اس کی زبان پر نہ آسکی تھی نرگس نے اسے اپنے گھر سے علیحدہ کرتے وقت جن خطرات کی طرف اشارہ کیا تھا وہ تو سب پیش نظر تھے ہی مگر رخشندہ کے متعلق اس کی پیشین گوئیاں بھی سچ ثابت ہو رہی تھیں۔ اس نے رخشندہ کو ہمیشہ یہی سمجھایا تھا کہ محبت کی ہیجانی کیفیت کسی مسلسل غربت کا مقابلہ نہیں کر سکتی اور آج یہ حقیقت نہ صرف نرگس کی نگاہوں کے سامنے تھی بلکہ رخشندہ کو بھی اس کا احساس ہو چلا تھا۔ دو سال کی متواتر تکلیفوں کے بعد جو یہ راحت کے دن نصیب ہوئے تو اس میں اچھائیوں اور برائیوں میں تمیز کرنے کا احساس بھی پیدا ہوا۔

رخشندہ کو سلیم کے ساتھ اب بھی محبت تھی مگر اب اس میں وہ تڑپ نہ تھی وہ بے قراری نہ تھی۔ رخشندہ سلیم کے فلیٹ پر جاکر اسے روزانہ دیکھ ضرور آتی تھی، مگر سلیم کی خود دار طبیعت کا یہ ہرگز تقاضا نہ تھا کہ وہ ماں کی عالیشان کوٹھی میں پھر اپنی مستقل رہائش اختیار کرے۔ زبان سے تو وہ پہلے بھی کچھ کہنے کا

عادی نہ تھا، پھر جب اس نے یہ دیکھا کہ رخشندہ سب کچھ بھول کر اب ماں کے ساتھ پھر مطمئن ہے تو اس نے مصلحتاً اپنی زبان بند رکھی۔ رخشندہ سے وہ اب بھی خندہ پیشانی سے ملتا رہا جس کی وجہ سے رخشندہ بھی اس کے دلی تاثرات کا اندازہ نہ لگا سکی، یہ خلش سلیم کے جسم کے اندر گھن بن کر کھاتی رہی مگر وہ حرف شکایت اپنی زبان پر نہ لایا۔ رخشندہ اسے ایک دن دیکھنے آئی تو کہنے لگی۔

"اگر میرے ساتھ کوٹھی پر رہنا نہیں چاہتے تو کبھی کبھی آجایا کرو۔ اکثر میری طبیعت مضمحل ہوتی ہے اور میرا یہاں آنیکو دل نہیں کرتا۔

تو پھر نہ آیا کرو، سلیم کہنے لگا۔ ہر روز ایک ہی مقام پر آکر واپس چلا جانا ہے بھی انتہائی تکلیف دہ۔

غرضکہ تم وہاں کبھی نہ آؤ گے؟ رخشندہ نے پوچھا۔

میرا وہاں آنا کچھ زیادہ اچھا نہیں۔ تمہاری امی اب بھی مجھے اچھی نظروں سے نہیں دیکھتیں اور اس کا مجھے خوب احساس ہے، تمہاری آسائشوں میں میری ذلت اگر نہ شامل ہوسکے تو اچھا ہے اور اس کے لئے تم مجھے مجبور نہ کرو۔

رخشندہ کو حقیقتاً کوئی حق بھی نہ تھا کہ وہ سلیم کو خواہ مخواہ اپنی ماں کے گھر لیجاکر ذلیل کروانی جبکہ اسے علم تھا کہ نرگس اس سے اب بھی اتنی ہی متنفر ہے جتنا کہ پہلے تھی۔ اس نے اب سلیم سے کہنا ہی چھوڑ دیا تھا۔

غرضکہ کچھ دن اسی طرح اور گذرے نرگس کے گھر بچی کی ولادت ساتھ خیریت کے ہوگئی۔ اس نے بچی کی پیدائش پر بڑی دھوم دھام کی۔ اپنے تمام ملنے والوں کی دعوت اور ناچ ورنگ کی محفل کا انتظام کیا۔ آنیوالوں میں

ریحانہ خصوصیت سے آکر شریک ہوئی۔ وہ آتے ہی سیدھی رخشندہ کے کمرہ میں چلی گئی اور اس کے پہلو میں پڑی ہوئی خوب صورت بچی کو اٹھا کر پیار کرنے لگی اس نے چھوٹتے ہی کہا۔

ہو بہو سلیم کا نقشہ ہے۔

اور کس کا ہوتا؟ رخشندہ نے مسکرا کر کہا۔ بچی بھی انہی کی ہے۔

میں نے کہا شاید زبردستی ان کے سر تھوپی جا رہی ہو۔ بہر حال اب مجھے یقین ہو گیا کہ تمہاری شادی ٹھیک ہوئی اور ہاں انھوں نے بھی دیکھا بچی کو ریحانہ معنی خیز نظروں سے رخشندہ کی طرف دیکھ کر پوچھنے لگی۔

کس نے؟

بچی کے باپ نے؟

انھوں نے یہاں آنے کی قسم کھالی ہے۔ آج گلاب کو بھیجکر بلواتی ہوں شاید چلے آئیں۔

کیوں؟ ریحانہ کو تعجب ہوا۔ کیا اب وہ اگلا سا اضطراب نہیں رہا۔

اسے رہنا بھی نہیں چاہیئے تھا۔ ملازمت کرنے کے بعد تو ان میں اور بھی احساس کمتری پیدا ہو گیا ہے۔ بیچارے یہاں آتے ہوئے شرماتے ہیں۔

ہائے اللہ ریحانہ کہنے لگی۔ تم ہی اس احساس کمتری کو میٹ دیتیں۔ یہ فرض تو تمہارا تھا کہ انھیں ہراساں نہ ہونے دیتیں۔

لو اور سنو میں کیا کرتی۔ میں نے ہر امکانی کوشش کی کہ وہ آنے جانے لگیں مگر وہ شرافت کا خون اس بدنام گھر میں آنے کی اجازت کیسے

دیتا؟ رفع حجت کے لئے آج گلاب کو بھیجتی ہوں آج بھی اگر نہ آئے تو میں بھی خاموش ہو جاؤنگی۔ مجھے دیکھنے نہ آتے مگر اپنی بچی کو تو دیکھتے آکر۔

اور یہ تصدیق بھی کر لیتے کہ بچی بھی دراصل انہیں کی ہے۔ ریحانہ کہنے لگی۔

اس کا تو انھیں یقین ہوگا اس معاملہ میں باپ ہی سب سے زیادہ حقیقت شناس ہوتا ہے۔

یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ نرگس بھی مسکراتی ہوئی زچہ خانہ میں آئی، ریحانہ کو وہ اس وقت سے جانتی تھی جب وہ کالج میں رخشندہ کے ساتھ پڑھا کرتی تھی اس نے اندر آتے ہی ریحانہ کو گلے سے لگالیا پھر کہنے لگی۔

دیکھا بچی کو؟ کیسی خوبصورت ہے ماشاء اللہ۔

جی ہاں وہی باپ کی شکل پر گئی ہے۔ ماں باپ دونوں خوب صورت ہوں تو پھر بچی کی شکل کا کہنا ہی کیا؟

باپ کو تو خوب صورت نہیں کہنا چاہیئے نرگس کہنے لگی۔ رخشندہ کیطرح شاید تمہیں بھی وہ اچھے لگتے ہوں؟

آپ کو وہ اچھے نہیں لگتے؟

اچھے بُرے لگنے کا سوال نہیں نرگس نے بات بنانا چاہی۔ تم نے سلیم کو خوبصورت کہا اس پر مجھے اعتراض ہے۔

ممکن ہے میرا خیال غلط ہو ریحانہ کہنے لگی۔ اگر کسی بدصورت باپ کا بچہ ایسا خوبصورت ہو تو اسے انتہائی خوش قسمت سمجھنا چاہیئے۔

قسمت کا انحصار خوبصورتی یا بدصورتی پر نہیں ہوا کرتا۔ نرگس کہنے لگی معلوم ہوتا ہے تم بھی رخشندہ کی طرح قطعی ناتجربہ کار ہو اور یا پھر تم نے خوش قسمت انسانوں کو دیکھا نہیں۔ میری زندگی میں ہر طرح کے لوگ آئے خوبصورت بھی اور بدصورت بھی۔ میں نے آجتک کسی خوبصورت انسان کو خوش قسمت نہیں پایا حسن اور دولت یہ دونوں الگ چیزیں ہیں اور سلیم بے چارے کے پاس تو ان میں سے کچھ بھی نہیں۔

فرض کرو حسن اگر ہوا بھی اور دولت نہ ہوئی تو کس کام کا۔ صورت ہمیشہ روپے سے نکھرتی ہے حسن یا خوبصورتی سے نہیں۔ سلیم اگر تمہاری نظروں میں حسین بھی ہیں تو ان کی صورت پر وہ نکھار نہیں یا شاید میری نظریں ایسا محسوس کرتی ہوں بہرحال مجھے اس قسم کی خوش اعتقادی کبھی نہیں ہوئی کہ مفلس حسن بھی زندگی میں اپنا کوئی مقام رکھتا ہے۔

نرگس نے عمداً یہ باتیں ریحانہ سے اس لئے کہیں کہ وہ بھی اس کی ہمخیال بنجائے اور پھر جب کبھی ان دونوں سہیلیوں میں اس قسم کا کوئی مسئلہ چھڑے تو ریحانہ انہیں خیالات کا اظہار کرے رخشندہ میں ابھی کچھ بگڑا نہ تھا ایک بچہ کی ماں ضرور ہوگئی تھی اور وہ بھی ایک خوبصورت لڑکی کی جو ایک طوائف کے ہاں ایک جائداد کی حیثیت رکھتی ہے۔ نرگس کا اب بھی یہ خیال تھا کہ اگر رخشندہ اس عمر میں بھی راہ راست پر آجائے تو بگڑے کام بن سکتے ہیں اور اسی لئے وہ رخشندہ کی موجودگی میں ہر ایک سے اپنے ان خیالات کا اظہار کردیا کرتی تھی۔ براہ راست کچھ نہ کہہ کر اس طرح کہنے کا طریقہ بھی انتہائی

مؤثر تھا۔ اور رخشندہ پر اس کا اثر بھی ہوتا تھا مگر وہ ابھی تک کسی فیصلہ پر نہ پہنچ سکی تھی۔ نرگس یہ باتیں کرکے پھر کسی کام سے باہر نکل گئی تو ریحانہ نے کہا۔

بہت ناخوش نظر آتی ہیں سلیم سے ؟

ہمیشہ سے نہیں رخشندہ بتلانے لگی۔ غریبوں سے بڑے لوگ یوں بھی ناخوش ہی رہا کرتے ہیں خصوصیت کے ساتھ ان سے جو خوددار ہوں۔ خودداری یوں تو بڑی اچھی چیز ہے لیکن امیروں نے اسے بدتمیزی سمجھ لیا ہے۔

اس کے معنے یہ ہیں ریحانہ کہنے لگی کہ تم اس معاملہ میں اپنی ماں سے متفق نہیں ہو؟

ہرگز نہیں۔ یہ خیالات ان کے بہت پرانے ہیں۔ اُن سے اگر میں متفق ہوتی تو یہ شادی ہی کیوں کرتی۔

پھر بھی ریحانہ کہنے لگی شادی کے تو اور بھی بہت سے وجوہات ہوسکتے ہیں اس وقت اگر تم متفق نہ تھیں تو اس کے یہ معنی نہیں کہ عمر بھر تمہارے خیالات ہی نہ بدلیں۔

تمہارے نزدیک امی نے جو کچھ کہا وہ ٹھیک ہے ؟

غربت میں محبت کو پنپتے تو میں نے بھی نہیں دیکھا۔ ممکن ہے تم اسے غلط ثابت کرسکو۔

میرا عزم تو یہی ہے امی کی دلیلیں کس قدر بازاری ہیں۔ زندگی بھر دولت کے پیچھے دوڑتی رہیں۔ شرافت اور انسانیت سے کبھی کوئی تعلق نہیں رکھا اسلئے زندگی کی اچھی قدروں کو وہ سمجھ ہی کیا سکتی ہیں۔ غربت میں محبت کبھی نہیں پنپی

مگر شرافت بنیں ہے۔ مالداروں کا کنگال ہونا تو تم نے سنا ہوگا۔ مگر کسی شریف کا رذیل ہونا میں نے آج تک نہیں سُنا۔ سلیم مالدار نہیں مگر شریف ہے اور وہ کسی قیمت پر بھی رذیل نہیں بن سکتا۔ آخر امّی نے اس کی خودداری کی قیمت لگائی تو تھی مگر نہ خرید سکیں۔ اس نے اس گھر میں آنے سے صاف انکار کردیا۔ اس وقت جو کچھ امّی نے کہا وہ ان کی شکست کی آواز تھی۔ زبان حال سے وہ خواہش بول رہی تھی جو کبھی پوری نہ ہوسکی۔

یہ تو مجھے بھی معلوم ہے ریحانہ ہنستے ہوئے رخشندہ کی ہمخیال بنکر بولی، بڑی بی کے جب کچھ بنائے نہ بنا تو لگیں اول فول بکنے بے سروپا کی دلیلیں دینے میں تو ماہر ہیں۔

اور پھر ان دلیلوں پر اتنا زعم ہے کہ دنیا کا کوئی فلسفہ کوئی منطق ان کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ اسی جوش اور ولولے سے انھیں باتیں کرتے ہوئے ایک سال سے زیادہ ہوگیا مگر میری سمجھ میں تو آج تک کوئی بات نہیں آئی۔

سلیم کو تم سے چھڑوانا چاہتی ہیں؟

ہاں بھئی اور وہ بھی اس طرح کہ آپس میں ایک دوسرے کے دشمن ہوجائیں۔

تو پھر ان کا مطلب کیا ہے یعنی تم سے بھی وہ . . . . .

ریحانہ کو آگے بڑھنے میں تکلف ہوا تو رخشندہ نے خود ہی اس کی بات پوری کردی۔

مجھ سے بھی وہ وہی پیشہ کروانا چاہتی ہیں جو ان کا خود کا ہے۔ یہی تو سارا مطلب ہے ان کا۔ سلیم بیچارے کی بدصورتی کا بھی یہی راز ہے۔

نوج ریحانہ کہنے لگی خدا کی مار اس پیشہ پر۔ اگر ایسا ہی تھا تو تمہیں پھر اعلیٰ تعلیم نہ دلواتیں۔

وہ تو آپا میاں مرحوم کی ضد تھی، خشندہ کہنے لگی۔ اب جب کبھی میں انکا سہارا لیتی ہوں تو فرماتی ہیں کہ وہ تمہارے والد ہی نہ تھے۔ عرضکہ عجیب گول مول باتیں ہیں میں تو اپنی زندگی سے عاجز آگئی۔

پھر کسے بتلاتی ہیں تمہارا والد؟

یہ تو میں نے پوچھا نہیں مجھے تو آپ اپنے ناپاک وجود سے شرم آتی ہے مگر اب کروں کیا؟

یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ نرگس پھر کمرہ میں داخل ہوئی۔ اس کے پیچھے پیچھے ایک آپا بھی تھی۔ وہ آتے ہی رخشندہ سے مخاطب ہو کر کہنے لگی۔

اے میں نے تمہاری بچی کے کھلانے کے لئے رکھ لیا ہے تم بھی اس سے باتیں کرکے دیکھ لو۔ مجھے تو یہ باسلیقہ اور تمیزدار نظر آتی ہے اس کے پاس کی سندوں سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے مگر چونکہ میرے اور تمہارے معیار زندگی میں ہمیشہ اختلاف رہا ہے اس لئے ممکن ہے جن باتوں کو میں نے پسند کیا ہے وہ تمہیں ناپسند ہوں اور تم اس آپا کی تقرری کو فضول سمجھو۔

رخشندہ نے دیکھا ایک انتہائی خوبصورت لڑکی نوخیز کلی اس کے سامنے کھڑی ہوئی مسکرا رہی ہے۔ ریحانہ بھی اس کی طرف ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے لگی۔ آپا

حقیقتاً انتہائی خوبصورت تھی اور اگر یہ مخصوص کام اس کے سپرد نہ کیا جائے تب بھی وہ بیحد کام کی لڑکی ثابت ہو سکتی تھی۔ ایک ایسے گھر میں جہاں حسن اور جوانی کی بڑی قیمت ہو۔ رخشندہ نے آیا سے سوال کیا۔

اس سے قبل تم کہاں تھیں؟

مختلف جگہوں پر مگر کسی جگہ دس روز سے زیادہ نہ ٹک سکی۔

کیوں وہ جگہیں تمہیں پسند نہیں تھیں؟

جی نہیں جس گھر میں جاکر میں نے ملازمت کی اسی گھر کی بیگم نے مجھے دسویں روز نکال دیا۔

کیوں؟

بس میاں بیوی آپس میں لڑتے تھے اور نزلہ میرے اوپر گرتا تھا پھر وہ رخشندہ کی طرف غور سے دیکھ کر پوچھنے لگی۔ سمجھ گئیں آپ؟

خوب اچھی طرح۔ یہاں تم بہت خوش رہوگی۔

لیکن آپ کے صاحب؟ آیا کے منہ سے تشویش کے ساتھ یہ ادھورا جملہ نکل کر رہ گیا۔

انھوں نے اگر ایسی بات پیدا کی، رخشندہ نے بتایا تو ہم بجائے تمہارے انھیں گھر سے نکالدینگے۔

ریحانہ اور رخشندہ آپس میں ہنسنے لگیں اور آیا نے بچی کو گود میں اٹھا کر کھلانا شروع کر دیا۔ نرگس جواب تک کھڑی دونوں کی باتیں سن رہی تھی مطمئن ہوگئی اور اسی وقت سے آیا کا تقرر بھی عمل میں آگیا +

گلاب بچی کی ولادت کی اطلاع لے کر سلیم کے فلیٹ پر پہنچی تو وہ وہیں موجود تھا۔ ایک عرصہ کے بعد آج اس نے سلیم کو دیکھا تو اسے انتہائی تعجب ہوا، نہ اسکی وہ جسامت تھی نہ وہ چہرے پر شگفتگی تھی۔ اس نے پہنچتے ہی سب سے پہلے سلیم کو اپنی مبارکباد دی، پھر بچی کی ولادت کی خبر سنائی یہ بھی بتایا کہ وہ رخشندہ کی بھیجی ہوئی یہاں آئی ہے اور اسے اسی وقت اس کے ہمراہ بھی چلنا ہوگا۔ مگر گلاب کی ان تمام باتوں کا جواب سلیم کی محض خاموشی تھی۔ نہ اس نے بچی کی ولادت پر کسی خوشی کا اظہار کیا۔ نہ وہ رخشندہ کے بلانے پر چونکا۔ بلکہ اپنا سر نیچا کئے ہوئے گلاب کی باتوں کو بہت غور سے سنتا رہا۔ یہ عادت اس کی بچپن سے تھی کہ وہ گفتگو کم کرتا تھا۔ گلاب کو بھی اسکی تمام عادات رخشندہ نے بتلادی تھیں۔ مگر پھر بھی اسے یہ یقین تھا کہ ولادت کی خبر

اس کے لئے انتہائی فرحت بخش ہوگی۔ وہ ایک سانس میں بچی کے متعلق سینکڑوں سوالات کر جائیگا۔ مگر اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب سلیم نے نہ تعجب کا اظہار کیا نہ خوشی کا اور اپنی جگہ پر بے حس وحرکت بنا بیٹھا سنتا رہا۔ گلاب کہنے لگی۔

لڑکا ہوتا تو آپ کو خوشی ہوتی۔ لڑکی کے نام سے جو ایک سناٹا سا ماں باپ پر چھا جاتا ہے اس کا ثبوت آپ نے ضرور دیا مگر بیگم صاحبہ نے نہیں۔

رنج اور خوشی کے سارے ثبوت وہی دیتی ہیں میرا اس فعل سے کوئی تعلق نہیں۔ میں تو پتھر ہوں اپنی زندگی کا ثبوت بھی نہیں دے سکتا۔

چلیں گے آپ میرے ساتھ؟ گلاب نے اس کے پہلے جواب کو بغیر سمجھے ہوئے یہ دوسرا سوال کیا۔

بیگم صاحبہ نے کہا ہے کہ میں آپ کو اپنے ساتھ لے کر آؤں۔

انسے کہہ دینا۔ سلیم کہنے لگا۔ کہ اگر بلانا ہے تو باقاعدہ پولیس کو بھیج کر مجھ بلالیں۔ میرے اوپر یہ جرم لگایا جاسکتا ہے کہ میں نے اپنی بچی کی پیدائش کی خبر سنی اور مجھے کوئی تعجب نہیں ہوا۔ کوئی مسرت نہیں ہوئی۔ کسی جذبہ نے میرے اندر کام نہیں کیا۔ وغیرہ وغیرہ۔

یہ آج آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں سیٹھ؟

پاگل کی سی نہیں، حالانکہ مجھے پاگل کرنے کی تمام اسکیمیں بنائی گئیں مگر میرے ہوش وحواس ابھی ٹھکانے ہیں۔

سلیم گلاب کی گھبراہٹ کو دیکھ کر ہنسنے لگا۔ وہ سمجھتی کچھ نہ تھی مگر اسے سلیم کی ہر ایک بات پر ایک اچنبھا ایک تعجب سا ہوتا تھا اور پھر اپنی عقل کے مطابق کوئی جواب نہ پاکر خود ہی پریشان بھی ہو جاتی تھی۔ وہ کہنے لگی۔

آپ اگر میرے ساتھ چل کر اپنی بچی کو دیکھتے تو آپ کا سارا رنج دور ہو جاتا ایسی خوب صورت اور بھولی بھالی ہے کہ اس کے پیدا ہوتے ہی گھر بھر میں روشنی پھیل گئی۔

مگر میں اس روشنی سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ میرے گھر میں تو ویسا ہی اندھیرا ہے۔ اب چھوڑو اس قصہ کو جس کام کے لئے تم میرے پاس آئی ہو اسے بھول جاؤ اور دوسری باتیں کرو۔ اب یہ بتاؤ کہ تمہارے دن کس طرح گذر رہے ہیں؟

"شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک" گلاب مصرع کو پڑھنے کے بعد ہنسی۔

سلیم پوچھنے لگا۔ شعر و شاعری کب سے شروع کر دی؟

بی بی جی نے بہت سے شعر یاد کرا دیئے ہیں اور کہا ہے کہ انھیں مردوں کے سامنے پڑھا کروں۔

تو اس وقت تم نے مجھے بھی ویسا ہی مرد سمجھ کر یہ مصرع پڑھ دیا۔

نہیں سیٹھ۔ گلاب ہنسنے لگی آپ نے پوچھا گذر کیسی ہو رہی ہے تو مجھے فوراً بی بی جی کا بتلایا ہوا وہ مصرع یاد آگیا

تو پھر اب تم ہر فن مولا ہوگئیں۔ ٹریننگ لے چکیں ساری؟

جی ہاں سیٹھ ۔ گلاب تو ٹریننگ دیتی ہوں ۔

اچھا! سلیم نے تعجب سے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔ ان دنوں بھی کسی کو سکھا رہی ہو؟

جی ہاں فی الحال ایک خوبصورت لڑکی آیا بنا کر گھر میں رکھی گئی ہے بچی کی وجہ سے ان کی ضرورت بھی تھی۔ لیکن بی بی جی نے مجھے بتایا کہ یہ لڑکی انڈر ٹریننگ ہے ۔ گھر چونکہ کافی بدنام ہو چکا ہے اس لئے بی بی جی پولیس کے خوف سے ایسی لڑکیوں کے لئے کوئی نہ کوئی بہانہ تلاش کر لیتی ہیں۔ بڑی خوبصورت لڑکی ہے سیٹھ ۔ خیال ہے کہ بازار میں اس کے دام بہت اونچے لگیں گے ۔ بیچاری معصوم بچی ۔ ٹریننگ پاکر تو قیامت بن جائیگی ۔

گلاب اب اٹھ کر جانے لگی تو سلیم نے اسے پھر بٹھا لیا ۔ وہ چاہتا تھا کہ ابھی رخشندہ کا کچھ اور تذکرہ جاری رہے ۔ آج کئی روز سے وہ آئی بھی نہ تھی ۔ اسے انتہائی شدت کے ساتھ اپنا وہ وقت یاد آگیا جب اس نے پورے .... ایک ہفتہ کے بعد رخشندہ کو دولہن کی شکل میں دیکھا تھا ۔ یہ ایک ہفتہ اس نے جس الجھن اور پریشانی میں گذارا ۔ وہ کیفیت آج بھی اسے اسی طرح یاد تھی ۔

اب بھی وہی سلیم تھا اور وہی رخشندہ ۔ آج پورے تین ماہ کی مسلسل غیر حاضری کے بعد اسے گلاب لینے آئی تو اس نے رخشندہ کے پاس جانے سے انکار کر دیا اب وہ اس بدلی ہوئی صورتِ حال پر گلاب سے کچھ باتیں کرتا موضوع بحث بھی رخشندہ ہوتی ۔ وہی تو اس کی ایک خلش تھی جو ہر

وقت تیر بن کر دل میں کھٹکا کرتی۔ مگر گلاب چونکہ ان تمام باتوں سے لاعلم تھی اس لئے زبردستی اُٹھ کر بھاگ گئی +

دنوں کو مہینوں اور مہینوں کو سالوں میں منتقل ہوتے ہوتے پھر زمانے نے دیکھا۔ وقت جتنی جلدی گذرتا چلا گیا۔ واقعات بھی اتنی ہی سرعت کے ساتھ پلٹا کھاتے رہے۔ چند سالوں کے بعد جب بچی کی عمر تین سال کی ہوئی تو سلیم ویسا ہی شریف النفس اور قابل اعتماد تھا مگر رخشندہ بدل چکی تھی اب اس کے ہاتھ میں ماں کا سونپا ہوا تمام کارخانہ تھا۔ گلاب اور آیا کھنی گھر کی تمام نقل و حرکت اب اسی کے سپرد تھی اور اسے پورا اختیار تھا کہ وہ جس طرح چاہے اس نظام کو اپنی مرضی کے مطابق برقرار رکھے۔ نرگس نے لڑکی کے حسن انتظام کو دیکھ کر اب گوشۂ تنہائی اختیار کرلی۔ اس کی حیثیت محض ایک نگراں کی سی تھی۔ وہ کبھی کبھی رخشندہ سے بیٹھ کر تبادلۂ خیالات کر لیا کرتی۔ آیا اور گلاب کے بارے میں اگر وہ کوئی ہدایت دیتی تو رخشندہ اس پر فوراً عمل کرتی۔ گلاب

کے خریداروں میں تو اب کمی تھی مگر آپا کی مانگ ہر طرف بڑھتی گئی۔ پھر رخشندہ
نے جس حکمت عملی سے اس کو استعمال کیا وہ اسی کا حصہ تھی۔ خود رخشندہ کو بھی اونچے
طبقہ کے لوگ للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہے تھے مگر انھیں زبان سے کچھ کہنے
کی ہمت اس لئے نہیں ہوئی کہ اس کے تعلقات سلیم کے ساتھ برقرار تھے
اور ان میں بظاہر کوئی کمی بھی واقع نہیں ہوئی تھی۔ ویسے ان کے اندرونی
حالات کشیدہ تھے۔ عام نظروں سے پوشیدہ ایک بہت بڑا راز تھا کہ
سلیم اب رخشندہ سے مطمئن نہ تھا۔ نرگس کے گھر مستقل رہنے کی مخالفت اپنے
دبی زبان سے کئی مرتبہ کی مگر رخشندہ نے اس پر عمل نہ کیا۔ سال بھر تک مسلسل
مصیبتیں اٹھانے کے بعد پھر جو اس نے ماں کے دامن میں پناہ لی تو وہ اس
سے نہ چھوٹ سکی اور سلیم کے لئے چونکہ اس کے دل میں اب تک محبت موجود
تھی اس لئے ازدواجی تعلقات برقرار تھے۔ اب وہ کبھی کبھی سلیم کے فلیٹ
پر آجاتی اور صرف رات اس کے ساتھ گذار کر چلی جاتی۔ البتہ بچی کو کچھ قدرتاً
لگاؤ باپ کے ساتھ تھا۔ تین سال کی عمر میں وہ اب سلیم کو پہچاننے بھی لگی تھی اکثر
ایسا ہوتا کہ وہ ماں کو چھوڑ کر باپ کے ساتھ تنہا بھی رہا کرتی اور اس کا دل مطلق نہ
گھبراتا۔ سلیم خود بھی بچی کی معصوم باتوں سے بہل کر رخشندہ کی تلخیوں کو بھول گیا
تھا۔ بچی اگر اس کی تنہائیوں میں موجود رہتی تو وہ بہلا رہتا۔ اسے کھلاتا پلاتا۔ راتوں کو
خود اسے لے کر ساتھ لیٹتا غرضکہ اتنی ناز برداریاں اور دلار اٹھاتا کہ بچی کئی کئی روز تک
ماں کے پاس جانے کا نام ہی نہ لیتی۔ گلاب اسے لینے کے لئے مگر اسے خالی ہاتھ
واپس جانا پڑتا۔ کچھ روز تک تو اس کیفیت کو کسی نے نہیں جانچا۔ نہ رخشندہ

نے اس کی پرواہ کی اور نہ نرگس نے مگر جب یہ چیز مستقل بن گئی تو پہلے تشویش نرگس کو ہوئی۔ پورے ایک ہفتہ کی مسلسل غیر حاضری کے بعد اس نے رخشندہ سے پوچھا۔

آج بھی نجمہ کو سلیم نے نہیں واپس کیا؟

وہ خود ہی نہ آئی ہوگی۔ اتنے سے سن میں باپ کی یہ محبت کم بچوں میں ہوگی۔

مگر ہے یہ بے حد مخدوش۔ نرگس نے مسکرا کر کہنا شروع کیا۔ اتنی عمر کے بچے ماں سے زیادہ مانوس ہوتے ہیں باپ سے نہیں۔

لیکن مخدوش ہے کس لئے کہا آپ نے؟

فرض کرو اگر انھوں نے کبھی نجمہ کو تم سے چھڑانا چاہا تو انھیں کس قدر آسانی ہوگی؟

چھڑانا؟ رخشندہ نے ماں کی بات کو انتہائی تعجب سے دہراتے ہوئے پوچھا آپ کا یہ مطلب ہے کہ وہ نجمہ کو اپنے پاس رکھکر مجھ سے بدظن کر رہے ہیں؟

بدظن ہونے کی صلاحیت تو ابھی اس میں نہیں۔ مگر اس کا باپ سے اس طرح راغب ہونا اصولاً برا ہے، اس لئے میری رائے تو یہ ہے کہ تم بجائے گلاب کو بھیجنے کے اسے خود جاکر لے آؤ۔

میں لے آؤں گی رخشندہ کہنے لگی حالانکہ میں اس صورت کو اتنا زیادہ مخدوش نہیں سمجھتی۔ اول تو اس قسم کی بدظنی پیدا کرنے کی کوئی معقول وجہ میری سمجھ میں نہیں آتی۔ اور اگر ایسا کرینگے تو انھیں باپ ہونے کا حق بھی پہنچتا ہے۔

حق کی تو بات چھوڑو نرگس نے جواب دیا۔ نواب صاحب مرحوم کو تم پر کیا حق تھا مگر انھوں نے تم کو مجھ سے زیادہ گرویدہ بنالیا۔ اس سن میں اولاد حق اور ناحق کے اصولوں پر نہیں چلتی بلکہ لاڈ اور پیار کے سہارے زندہ رہتی ہے۔ تم نے بچہ کو آیا پر چھوڑ رکھا تھا حالانکہ میں نے تم سے بارہا یہ بھی کہا کہ وہ حقیقتاً اس کام کے لئے مامور نہیں کی گئی ہو اس نے نہ تمہاری گود کی گرمی کو پہچانا اور نہ تم سے مانوس ہوئی۔

لیکن اگر میں اسے لے بھی آئی۔ رخشندہ نے پھر مشکوک بن کر سوال کیا تو کیا ان کے دل کو تکلیف نہ ہوگی؟

مگر اس تکلیف کی خاطر ہم بچہ کو فراموش تو نہیں کر سکتے۔ تکلیف دو چار دس دن ضرور ہوگی لیکن پھر آخر کار مانوس بھی تو ہو جائیگی۔ اور اس وقت پھر اس قسم کا کوئی خطرہ باقی نہ رہیگا۔

اب چونکہ ہر حکم کا ماننا رخشندہ کا شعار بن گیا تھا اس لئے وہ بچہ کو لینے کے لئے خود گئی۔ فلیٹ پر پہنچی تو باپ بیٹی دونوں بیٹھے ہوئے کھانا کھا رہے تھے سلیم اسے بیٹھا ہوا اپنے ساتھ کھانا بھی کھلا رہا تھا اور ہنس ہنس کر باتیں بھی کر رہا تھا۔ بچہ باپ سے اپنی معصوم زبان میں کہہ رہی تھی۔

امی بُری بُری ڈیڈی اچھے اچھے!

رخشندہ اِک دم اس کے کمرہ میں داخل ہو کر کہنے لگی۔

واہ واہ یہ بھی کوئی طریقہ ہے کہ بچہ کو آپ میرے پاس بھیجنے کا نام ہی نہیں لیتے۔ میرے پاس بھی ماں کا دل ہے؟

مگر میں نے اس کو باپ کے دل سے نہیں روکا۔ سلیم کو رخشندہ کا اس طرح آنا اور اس قسم کا بیجا مطالبہ کرنا انتہائی ناگوار گذرا۔ وہ کہنے لگا نجمہ خود ہی میرے پاس سے جانا نہیں چاہتی اور میں نے اسے زبردستی رُلا کر بھیجنا مناسب نہ سمجھا، اب تم آئی ہو تو اسے اپنے ساتھ ضرور لے جاؤ۔

اور کیا اب بھی چھوڑ جاؤنگی۔ رخشندہ کہنے لگی۔ آناج کی اس نے ابھی تک شکل نہیں دیکھی۔ میں نے اسے دودھ پلا پلا کر پالا ہے اور آپ اسے بیٹھا کر کھانا کھلانے لگے۔

یہ مجھے معلوم نہ تھا کہ اب تک اس کی غذا محض دودھ ہی ہے۔
میں آئندہ سے اس بات کا خیال رکھونگا۔

رخشندہ نے بڑی محبت سے نجمہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

بیٹی اپنے گھر نہیں چلوگی؟

نہیں نہیں! نجمہ کی آواز میں ضد شامل تھی۔

سلیم کہنے لگا۔

اب تو تمہیں یقین آیا کہ اسے میں نے نہیں روکا تھا بلکہ یہ خود ہی رُکی ہوئی تھی؛ مگر تم تو آتے ہی غصہ دکھلانے لگیں۔ ادھر کچھ دنوں سے تمہارے طریقے میرے ساتھ اس قدر بدل گئے ہیں کہ میں تم سے بات کرتے ہوئے بھی ڈرتا ہوں۔

طریقوں کو بدلنے دو۔ رخشندہ کہنے لگی۔ ضرورت تو اس امر کی ہے کہ ہم میں سے کوئی نہ بدلے۔

آج رات کیا قیام کا ارادہ نہیں ہے؟ سلیم نے یک لخت موضوع

بدل کر پوچھا :-

نہیں! امی نے چند ضروری کاموں میں پھنسا رکھا ہے اس لئے بالکل فرصت نہیں۔ آج کی رات کے بجائے پھر کسی رات میں دیکھا جائیگا۔

سلیم ہنسنے لگا وہ جانتا تھا کہ رخشندہ کی راتیں اب اتنی عام نہیں کہ اسے آسانی سے میسر آسکیں۔ محبت کے وہ ایام قریب الختم تھے۔ آپس کے تعلقات صرف اس لئے زندہ تھے کہ دنیا میں جگ ہنسائی نہ ہو۔ کئی ہفتوں سے اب رخشندہ کا یہی دستور تھا کہ وہ ذرا دیر کے لئے سلیم سے ملنے آتی اور دو چار رسمی باتیں کر کے کسی ضروری کام کا بہانہ بنا کر چلی جاتی۔ اس کی طبیعت میں اک دم سے اتنا بڑا انقلاب جو رونما ہوا تھا اسے کبھی سلیم آسانی سے نہ سمجھ سکا، وہ زیر لب تھوڑا سا مسکرا کر تشکا تشکا کہنے لگا۔

تم یہاں کبھی کبھی آنے کی محض تکلیف گوارا کرتی ہو اور میں یہ سوچتا رہ جاتا ہوں کہ تمہاری کیا خاطر کروں میرا یہ مطالبہ کہ "رات کو یہیں رہ جاؤ" محض بہ سبیل اخلاق ہے ورنہ مجھے تمہارے روکنے یا نہ روکنے سے کوئی فائدہ نہیں۔

مجھے جب کوئی کام نہیں ہوتا تو تمہاری اس خواہش کو پورا بھی کر دیتی ہوں۔ تم مجھے یہ الزام تو نہیں دے سکتے کہ میں نے تمہاری بات کو پورا نہیں کیا؟ آج بھی اگر مجھے کام نہ ہوتا تو رک جاتی مگر میں امی سے صرف ایک گھنٹہ کی اجازت لے کر آئی ہوں۔ اس لئے اب مجھے جانا چاہیئے۔

سلیم کا ہاتھ کھلانے پر سے رکتا گیا۔ رخشندہ نے نجمہ کی گود میں ایک خوبصورت سی گڑیا رکھدی پھر پوچھنے لگی۔

اب چلتی ہو میرے ساتھ موٹر پر یا میں اس گڑیا کو لے کر گھر واپس چلی جاؤں۔

نجمہ لالچ میں اٹھ کھڑی ہوئی۔ سلیم کا کتنا دل مچلا کہ نجمہ آج کی رات بھی اسی کے ساتھ رہتی۔ اپنی معصوم باتوں سے اس کا دل بہلاتی۔ مگر وہ ماں کی انگلی پکڑے ہوئے باہر جا رہی تھی اور سلیم اس کے ننھے ننھے قدموں کو اپنی نگاہوں سے گن رہا تھا۔

سلیم کے لئے تنہائی کی زندگی ایک مستقل عذاب بن گئی۔ دفتر کے کاموں میں جو دن کا حصہ کٹ جاتا تھا وہ اسے رات کی تنہائیوں کے مقابلہ میں ایک نعمت معلوم ہوتا۔ سرِ شام ہی سے اپنے کمرہ میں بند ہو کر وہ کبھی بچّہ کو یاد کرنے لگتا، کبھی رخشندہ کو اور یہ دونوں اب اس کی پہنچ سے باہر تھیں۔ بچی کو تو باپ کے پاس زبردستی آنے نہ دیا جاتا تھا لیکن رخشندہ جان بوجھ کر کنارہ کشی کرتی در اصل محبت کے وہ سہانے خواب اور اس کی تعبیریں ختم ہو چکی تھیں میاں بیوی کو جو والہانہ عشق ایک دوسرے کے ساتھ تھا وہ صرف ایک افسانہ بنکر رہ گیا۔ پھر جب اس کیفیت کو مسلسل کئی مہینے اور گذر گئے تو سلیم نے ریحانہ سے جا کر شکایت کی۔ وہ اس کے گھر ہی یہ ایک دن ملنے کے لئے چلا گیا۔ ریحانہ نے بہ سبیل تذکرہ رخشندہ کو پوچھا تو سلیم نے اس کے متعلق اپنی لاعلمی کا اظہار

کیا۔ وہ کہنے لگا۔

آج تقریباً تین ماہ کا عرصہ گذرا جب وہ کھڑے کھڑے بچہ کو میرے پاس سے لینے آئی تھیں۔ پھر نہ وہ خود آئیں اور نہ انھوں نے کوئی اطلاع بھیجی

تعجب ہے ریحانہ کہنے لگی۔ وہ ایسی تھیں تو نہیں۔ ضرور کوئی بات پیدا ہوگئی ہوگی۔ لیکن تم نے بھی یہ نہ معلوم کروایا کہ اس عدم تعاون کی وجہ کیا ہو سکتی ہے؟

نہیں، مجھے ان کے اس عدم تعاون پر کوئی تعجب نہیں ہے۔ اس لئے میں نے خاموش ہی رہنا مناسب سمجھا۔

مثلاً آپ کے نزدیک کیا وجہ ہو سکتی ہے؟

اپنی ماں کا ساتھ۔ سلیم کہنے لگا۔ نرگس کی یہ ہمیشہ سے کوشش تھی کہ رخشندہ مجھ سے قطع تعلق کر لے اور آخر کار وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب ہوگئی۔

جھوٹ۔ یہ محض تمہارا وہم ہے۔ نرگس کی یہ کوشش ضرور ہے۔ مگر رخشندہ اس پر کبھی راضی نہیں ہو سکتی۔

تم رخشندہ پر اتنا بھروسہ کیوں کرتی ہو ان کے دماغ کا منتقل ہونا میری نظر میں ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ ان کے لئے ایسا کرنا کوئی بعید نہیں میرے سامنے بھی ماں بیٹی میں اسی قسم کی گفتگو چھڑ چکی ہے۔ ریحانہ نے سلیم سے اس روز کا تفصیل کے ساتھ ذکر کرنا شروع کیا جب وہ بچی کی ولادت پر رخشندہ کو دیکھنے گئی تھی اور وہ ساری گفتگو بھی سنائی جو رخشندہ اور نرگس

کے درمیان اس کے لئے ہوئی وہ کہنے لگی۔ میں یہ کیسے مان لوں کہ وہ اپنی ماں کا ساتھ دے رہی ہے۔

نہ ماننے کا تو کوئی علاج نہیں۔ سلیم نے کہا۔ تم نے اس روز کی گفتگو سے یہ اندازہ لگا لیا کہ رخشندہ کو ماں سے اختلاف ہے۔ میں نے تو جہاں تک دیکھا ہے کہ وہ ماں کی دی ہوئی تمام آسائش پر لات مار کر میرے ساتھ چلی آئی۔ دو سال تک غربت کی زندگی بسر کرتی رہی۔ میرے لئے بڑی سے بڑی قربانی کر ڈالی اور پھر بدل گئی۔ اس کی زندگی کی بہت سی مختلف شکلیں ہیں اور کسی ایک پر بھروسہ نہیں کرنا چاہیئے۔

مگر اب اس کی نظر میں بجز تمہارے اور کوئی نہیں۔ یہ شکوک اس وقت تمہارے دل میں نہ پیدا ہوئے جب اس کا بھرپور شباب تھا۔ وہ اب بھی ہے مگر اس عمر میں اب وہ جوانی کی لغزش تو نہیں کر سکتی؟ تمہیں چھوڑ کر کسی اور کا ہاتھ تو نہیں پکڑ سکتی؟ میں آج اس کے گھر جا کر اس سے بھی یہ باتیں کرونگی۔ اس وقت شاید کسی نتیجہ پر پہنچ سکوں، فی الحال تو نہ میں تمہیں کو جھٹلا سکتی ہوں نہ رخشندہ کو۔

جس رات کو یہ گفتگو ہوئی اس کی صبح کو ریحانہ نرگس کے گھر گئی مسلسل تین سالوں کی جدائی کے بعد آج جو اس نے رخشندہ کو دیکھا تو اس میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔ ماں کے گھر کی شاہانہ زندگی نے اس میں بڑی تبدیلیاں پیدا کر دی تھیں نہ اب وہ نازک اندام جسم ہی تھا نہ شراب سے مخمور آنکھیں بلکہ جسم پھول کر اور زیادہ تندرست ہو گیا تھا اور آنکھوں میں شرارت کی جگہ

گھرائی آگئی تھی۔ رخشندہ نے ریحانہ کو دیکھا تو دوڑ کر لپٹ گئی۔ اس نے کہا۔
میں تو سمجھتی تھی کہ تمہاری شادی ہوگئی اور تم نے اپنے پردیسی شوہر کے
ساتھ بمبئی بھی چھوڑ دیا۔ کیا یہ سچ ہے۔
ہرگز نہیں۔ ریحانہ یہ جواب دے کر تھوڑا سا مسکرائی۔ شادی میں نے
اب تک نہیں کی۔ تمہیں شادی کر کے کیا ملا جو مجھے ملجاتا۔ پھر ہمارے طبقہ میں شادی
کا ایسا رواج بھی نہیں۔ ہم آزادی کو کسی پابندی پر ہمیشہ ترجیح دیتے ہیں۔
مگر یہ عجیب بات ہے رخشندہ کہنے لگی۔ میں نے کسی مسٹرس کو شادی
شدہ نہیں دیکھا اور اگر ہوتی بھی ہونگی۔ تو مجھے ان کے متعلق کوئی علم نہیں۔ تم بھی
مسٹرس ہو۔ کیا تمہارے اندر شادی کی تمام صلاحیتیں مفقود ہوجاتی ہیں۔
بہت بڑی حد تک، ریحانہ کہنے لگی۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ہماری نظر
کسی ایک پر نہیں جمتی۔ پھر چونکہ ہم لوگ بغیر شادی کے بھی نیک نامی کی زندگی بسر
کر لیتے ہیں اس لئے شادی کی ضرورت نہیں سمجھتے۔
جذبات تو پیدا ہی ہوتے ہوں گے؟ رخشندہ پوچھنے لگی۔
ہاں! مگر انھیں سبکدوش کر لیا جاتا ہے۔
یہ تبدیلی اب تم میں ان تین سالوں میں پیدا ہوئی ہوگی۔ اس سے قبل
جب تم مجھے ملی تھیں تو تمہیں "اکیلے پن" سے وحشت ہوتی تھی۔ میرے اور
سلیم کے ایک ساتھ اکیلے رہنے پر تمہیں تعجب تھا پھر یہ تبدیلی کس طرح
پیدا ہوگئی۔
وہ سب ناتجربہ کاری کی باتیں تھیں ریحانہ کہنے لگی، پھر وقت جتنا گذرتا

گیا میں ہوشیار ہوتی گئی اور آج تو میں پوری سنڈرس ہوں۔

چلو! خدا مبارک کرے۔ مجھے بھی آخر کار زمانہ نے حیلہ ساز بنا کر ہی چھوڑا
رخشندہ ریحانہ کو اپنی بات بتانے لگی اور تمہیں سُنکر تعجب ہو گا کہ اب مجھ
میں اور سلیم میں وہ تعلقات نہیں رہے۔

ہاں یہ تو میں نے بھی سنا۔ کل سلیم میرے پاس آیا تھا۔ بیحد افسردہ اور
مضمحل۔ تم نے اسے دغا دی رخشندہ۔ کم از کم وہ اتنی بڑی سزا کا مستحق نہ تھا
پہلے تو میں نے اس کو جھوٹ ہی سمجھا۔ مگر اب چونکہ تم کہہ رہی ہو۔ اس لئے
مجھے بھی یقین کرنا پڑا۔ مگر اس انقلاب کی وجہ کیا ہو سکتی ہے۔

واہ۔ انقلاب کی بھی کبھی کوئی وجہ ہوئی ہے۔ وہ تو ایک آفت ناگہانی ہے
نہ اس پر کسی کا اختیار نہ وہ کسی کے اختیار میں۔ دراصل میرے حالات اور واقعات
ہی بدل گئے اور میں مجبور تھی۔

حالات اور واقعات کا سہارا لینا تم نے اب تک نہیں چھوڑا۔؟ اچھا
دفع کرو اس قصہ کو۔ میں تو تم سے آج سلیم ہی کی سفارش کرنے آئی تھی۔ اس
بیچارے کو سہارا دے کر پھر کیوں چھوڑ دیا؟

وہ تو میں جانتی تھی کہ تمہارے آنے کی کوئی نہ کوئی علت ضرور ہوگی۔
یوں تو تمہیں آنے کی کبھی توفیق نہیں ہوئی۔ سلیم نے تو میری شکایت اپنے ہر جاننے
والے سے کی ہے۔ ان کی زبان پر میرا ذکر ایک شکایت بن کر رہ گیا ہے۔ وہی
دُکھڑا تم سے بھی بیٹھ کے رو دئے ہونگے؟

پھر مجھے بتاؤ نہ کہ تم نے آنا جانا کیوں چھوڑ دیا؟ ریحانہ پوچھنے لگی۔ کہاں

تو عشق کے ایسے لمبے چوڑے دعوے اور کہاں یہ کنارہ کشی۔ میری تو سمجھ ہی میں کوئی بات نہیں آئی۔

میں مصروف بے حد ہوں رخشندہ کہنے لگی۔ امّی نے میرے اوپر اتنے کام ڈال دیئے ہیں کہ نہ پوچھو۔ میں نے ان سے کہا تھا کہ میرے ساتھ اسی کوٹھی میں رہو مگر ان کی خاندانی عزت نے اس بات کی اجازت ہی نہ دی۔ اب تم ہی بتاؤ کہ اس میں میرا کیا قصور ہے؟

تمہاری محبت میں بھی اب وہ بات نہیں جو کبھی تھی ایسا ہوتا ہے کہ پرانی چیز سے طبیعت الجھ کر گھبرا اٹھے۔ میرا مطلب ہے کہ تم سلیم سے قطع تعلق کیوں نہیں کر لیتیں؟

قطع تعلق؟ رخشندہ ایک قہقہہ لگا کر ہنس پڑی مگر پھر فوراً ہی سنجیدہ بن کر اس نے یہ شعر پڑھ دیا ؎

سفینہ جب کہ کنارے پہ آ گیا غالب
خدا سے کیا ستم و جورِ ناخدا کرتے

ہاں سچ بھی یہی ہے ریحانہ نے جواب دیا۔ تو پھر آپس میں صلح کر ڈالو۔ سلیم کے پاس اس گھر کو ناپسند کرنے کے وجوہات کیا ہیں یہ مجھے نہیں معلوم۔ یہ سچ ہے کہ وہ قدامت پسند انسان ہیں شاید اس گھر کو اور یہاں کے ماحول کو نہ پسند کرتے ہوں۔

لیکن یہ تو کوئی وجہ نہ ہوئی میں ان کی پسند کی خاطر اپنی ماں کے گھر اور یہاں کی آسائش کو کیسے چھوڑ دوں۔

لیکن ایسی مصروفیت بھی کیا ہے؟ ریحانہ پوچھنے لگی جس کی بدولت تمہیں اتنی بھی فرصت نہیں ملتی کہ دو گھڑی سلیم کے پاس جاکر بیٹھ آیا کرو۔

رخشندہ نے گلاب کو آواز دے کر بلایا جس وقت وہ کمرہ میں داخل ہوئی تو رخشندہ نے پھر ریحانہ کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔

یہ ہے میری پہلی مصروفیت۔ اس کی جوانی اور شباب پر نظر کرو۔ اب اسکی یہ کیفیت ڈھلتی ہوئی شام کی مانند ہے مگر کبھی اس پر نہائی نکھار تھا، جوانی کے زوال آفتاب سے پہلے اگر تم اس کا حسن دیکھتی تو دانتوں کے نیچے انگلیاں دبالیتیں

گلاب چپ چاپ کھڑی ہوئی رخشندہ کی باتیں سن رہی تھی مگر اسکی کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ یہ لمبی چوڑی تعریفیں کس کی ذات سے متعلق ہیں۔ گلاب حکم کی منتظر تھی کہ رخشندہ نے ذرا محبت سے اسکی طرف دیکھ کر کہا۔

آپا کو میرے پاس بھیج دینا۔

گلاب کمرہ سے باہر نکلی تو ریحانہ نے پھر سوال کیا۔

اس کے حسن کے ساتھ تمہاری مصروفیت کے کیا معنی ہوئے؟

خوب! رخشندہ نے ذرا بگڑے انداز میں کہا جس گھر میں ایسا حسن موجود ہوگا وہاں پروانے ضرور ہونگے۔ ان کو ادھر ادھر اڑانے میں خاصا وقت لگ جاتا ہے ان کی زیادتی سے اس گھر کو محفوظ رکھنا پڑتا ہے۔

آپا سامنے آکر کھڑی ہو چکی تھی اس لیے ریحانہ نے رخشندہ کی اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ معلوم یہ ہوتا تھا کہ حسن کی تمام رعنائیاں سمٹ کر ایک انسانی مجسمہ بن گئی ہیں۔ آپا کے خدوخال میں خدا کی قدرت نظر آرہی تھی۔ ریحانہ

نے بھی خوبصورتی کا اتنا بلند معیار اب تک نہ دیکھا تھا۔ وہ محو حیرت بنی ہوئی اب تک آیا کو دیکھ رہی تھی کہ رخشندہ کہنے لگی۔

یہ ہے میری دوسری مصروفیت۔ تم میری عدیم الفرصتی کا اندازہ اس حقیقت سے لگا سکتی ہو کہ تم خود اسے دیکھنے میں انتہائی مصروف ہو۔ لیکن میرا کام اسکے حسن کو دیکھنے سے الگ اس کے کاروبار سے ہے۔ صبح سے شام تک جتنی مانگ اس لڑکی کی ہے شاید ہی بازار میں کسی اور چیز کی ہو۔ اس کے ایک ایک انداز کی قیمت ہے۔ اس کے منہ سے نکلے ہوئے ایک ایک لفظ کو سونے سے تولا جاتا ہے۔ اس کے بدن کے ہر حصہ کی وہ قیمت ہے جو کسی کی پوری زندگی کی ہوگی۔

اب تمہیں بتاؤں ان سب کا حساب کتاب رکھنا ہر چیز کو اس کی مناسب قیمت پر بیچنا کوئی آسان کام ہے؟ دراصل میں انھیں جھگڑوں میں پھنس کر اپنے بہت سے فرائض بھلا بیٹھی اور ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ میں نے سلیم کو فراموش کر دیا۔ انھیں میری طرف سے شکایت پیدا ہوئی اور جسکی وجہ سے تمہیں یہ تکلیف اٹھانے کا موقع ملا۔

غرضکہ وہ سارے کام اب تمہارے ذمہ ہیں جن کا تعلق کبھی تمہاری والدہ سے تھا؟

ہاں! رخشندہ کہنے لگی مگر میں ان کاموں سے اب بھی اتنی ہی منحرف ہوں جتنا کہ پہلے تھی۔ مجھ سے اگر ہو سکتا تو نہ میں اس گھر میں قدم رکھتی نہ اس کاروبار کو چلاتی مگر مجبور اس لئے ہوں کہ بغیر ان چیزوں کے میرے اخراجات پورے

نہیں ہوسکتے اور جن کے لئے سلیم کی معمولی تنخواہ بہت ناکافی ہے۔

اور کم پیسوں میں تم گذارا نہیں کر سکتیں ؟ ریحانہ نے تعجب سے رخشندہ کی طرف دیکھ کر سوال کیا۔

گذارا کر سکتی تھی مگر اس معمولی تنخواہ میں زندگی ناممکن تھی اور اس عمر میں مجھ سے یہ ممکن نہ ہو سکا کہ اپنے کو مردہ سمجھ لوں میرے اندر یہ ساری بگاڑی ہوئی عادتیں خالہ کی ہیں اور اب میں پچھتاتی ہوں کہ اگر وہ میری زندگی میں شامل نہ ہوتیں تو میں اور سلیم کسقدر مطمئن اور آسودہ زندگی بسر کرتے۔ نہ وہ میری وجہ سے برباد ہوتے اور نہ میں ان سے شرمندہ ہوتی۔ بہرحال شمع ہر رنگ میں سحر ہونے تک جلا کرتی اور زندگی کے یہ دن آرام اور آسائش سے گذر جاتے۔

ریحانہ نے رخشندہ کو کوئی جواب نہیں دیا مگر وہ یہ پوری طرح سے سمجھ گئی تھی کہ اب اس کا مرض لاعلاج ضرور ہے۔ سلیم سے گھسیٹ کر انسانیت اور شرافت کے جن مقامات تک لے آیا تھا وہ وہاں سے پھر پیچھے کی طرف بھاگ گئی تھی۔ اور بیچ راستہ پر آکر اس نے یہ سوچنا شروع کر دیا تھا کہ اب وہ پھر یہاں سے آگے بڑھے یا اور زیادہ پیچھے کی طرف لوٹ کر اسی مقام پر پہنچ جائے جہاں سے وہ چلی تھی۔ ریحانہ اپنے انھیں خیالات میں کھوئی ہوئی تھی کہ رخشندہ نے یہ کہکر اُسے ٹوک دیا۔

آپا کو اگر تم نے جی بھر کر دیکھ لیا ہو تو اسے واپس کر دوں۔

ضرور اور ساتھ ہی مجھے بھی اس لئے کہ زندگی کی تھوڑی بہت مصروفیات میرے ساتھ بھی ہیں مگر اس حد تک نہیں کہ میں اپنے فرائض بھول جاؤں۔

ریحانہ جانے کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی تو رخشندہ بولی۔

مگر وہ فرائض ابھی ہیں کہاں؟ نہ شوہر نہ کوئی بچہ۔ یہ دعویٰ تو تم دونوں کی موجودگی میں کر سکتی ہو۔

ریحانہ یہ سوچکر خاموش رہی کہ اگر اس نے رخشندہ کو کوئی جواب دے دیا تو باتوں کا سلسلہ پھر شروع ہو جائیگا۔ وقت کافی گذر چکا تھا اس لئے وہ مسکراتی ہوئی کمرہ سے باہر نکل گئی اسے اب سلیم کی حالت پر جس قدر ترس آ رہا تھا اتنا ہی اپنی حالت پر غصہ +

کبھی کبھی رخشندہ گلاب کو بلا کر اپنے پاس بٹھا لیا کرتی اور خود ہی کوئی نغمہ
چھیڑ کر گلاب سے رباب بجانے کی سفارش کرتی۔ دونوں کا دل صبح سے شام تک
ایک ہی قسم کا کاروبار کرتے کرتے تھک جاتا اور زندگی میں جب کوئی تبدیلی ہوتے
ہوئے محسوس نہ ہوتی تو رخشندہ گانے لگتی اور گلاب رباب بجانا شروع کر دیتی۔
اس وقت اس کی آواز کا جادو راہ چلتے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیتا اس کی
اس آواز کی خاطر تو نرگس نے اپنی ساری کوشش صرف کر دی کہ وہ اپنے گلے اور
حسن سے دنیا کی ساری دولت سمیٹ لے مگر اس کی یہ بات نرگس کی بھی سمجھ
میں نہ آئی اب بھی جب وہ نغمہ ریز ہوتی اور نرگس کو اس کی آواز سننے کا موقع
ملتا تو اسے یہ احساس ضرور ہوتا کہ حسن اور جوانی ڈھل جانے کے باوجود آواز
کا لوچ اور اثر اسی طرح برقرار ہے۔ اس وقت وہ بیٹھی ہوئی میر درد

کی یہ غزل گا رہی تھی ؎

تہمتیں چند اپنے ذمہ دھر چلے
آئے تھے کیا کرنے اور کیا کر چلے

الفاظ کچھ اس بے ساختگی کے ساتھ زبان سے ادا ہو رہے تھے کہ ساری فضا پر ایک عجیب سی کیفیت طاری ہو گئی۔ رباب بھی انھیں تاثرات سے گزر رہا تھا اور رخشندہ گا رہی تھی ؎

زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے
ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے
شمع کی مانند ہم اس بزم میں
چشم نم آئے تھے دامن تر چلے

یہ نغمہ تھوڑی دیر تک جاری رہ کر رک گیا۔ گلاب نے رباب ایک طرف رکھکر رخشندہ سے کہا۔

کیسی درد میں ڈوبی ہوئی آواز ہے آپ کی۔ مجھے تو ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ دل کے ٹکڑے ہوئے جا رہے ہیں۔

میری تو زندگی بھی درد میں ڈوب کر رہ گئی رخشندہ نے جواب دیا۔ یہ غزل میری زندگی پر صادق آتی ہے۔ اس لئے میں نے آج اسے گایا۔ پھر وہ ایک ٹھنڈی سانس بھر کر کہنے لگی۔ نہ معلوم کیوں آج صبح سے ہی رونا چاہتی تھی۔ بلا کسی سبب اور ارادے کے ہنس لینا تو بعض اوقات اختیار میں ہوتا ہے مگر رونے پر قدرت حاصل کرنا ہر شخص کا کام نہیں۔

آپ کے دشمن روئیں بیگم صاحبہ۔ یہ سچ ہے کہ آپ کو دل کا چین نہ ملا۔ سیٹھ خالد آپ سے ہمیشہ کے لئے چھوٹ گئے۔ سلیم سے آپ کی نبھی نہیں۔ زندگی میں اگر کوئی ساتھی نہ ملے تو وہ ادھوری رہ جاتی ہے۔ لیکن آپ چاہتیں تو اس کمی کو پورا کر سکتی تھیں؟

وہ کس طرح؟

بی بی جی نے کتنے لوگوں سے آپ کو ملوایا۔ کوئی ایسا نہ تھا جس کی رال آپ پر نہ ٹپکی ہو۔ ان میں جسے چاہتیں آپ پسند کر لیتیں۔

تم اب بدتمیزی کی حد تک بے باک ہو چکی ہو گلاب۔ رخشندہ کہنے لگی، اگر تم اتنا اچھا۔ باب نہ بجا سکتیں تو ہرگز نہیں اپنے سے اتنا زیادہ قریب ہونے کا موقع نہ دیتی۔ میں شادی شدہ تھی۔ اس گھر میں رہنے کا مطلب یہ ہرگز نہ تھا کہ میں بھی تمہاری یا آپا کی طرح زندگی بسر کرنے لگوں ایک دن میں نے تمہیں بتلایا تھا کہ سلیم کے ساتھ کس طرح مجھے والہانہ عشق ہوا۔ اب عشق کی نوعیت ضرور بدل گئی ہے وہ پرانا ہو چکا ہے مگر میں اب تک اسے اپنی زندگی کا کارنامہ سمجھتی ہوں۔ سلیم سے اب بھی مجھے محبت ہے اور میں اسے چھوڑ نہیں سکتی۔

خطا معاف۔ گلاب مسکرا کر کہنے لگی محبت ممکن ہے آپ کو اب بھی ہو لیکن وہ عمل سے تو ثابت نہیں ہوتی۔ آپ یہاں رہتی ہیں وہ اپنے فلیٹ پر راتوں کی تنہائیوں میں ان کا کس قدر دل چاہتا ہو گا کہ آپ ان کے پاس ہوتیں۔ بہت دن ہوئے جب میں انہیں بلانے گئی تھی تو جس حالت میں میں نے انہیں پایا تھا

وہ میرے لئے ناقابل برداشت تھا تاکہ آپ کے لئے مگر پھر بھی آپ پر کوئی اثر نہ ہوا اور وہ آپ کی محبت میں اسی طرح گرفتار رہیں۔

یہ تمہیں کیسے معلوم کہ میرے اوپر اثر نہیں ہوا یا اب نہیں ہے میرے اوپر ایک ایک چیز کا اثر ہے۔ ان کی جدائی بھی مجھے شاق ہے۔ کچھ دنوں تک اگر میں اور اسی طرح کھچی ہوئی بیٹھی رہی تو وہ بھی میرے ساتھ ہی اس کوٹھی میں آکر رہیں گے۔ تنہا اس ایک مقصد کے لئے میں نے یہ سب کچھ کیا ہے او۔ اگر میں کامیاب ہوگئی تو پھر تمہارے جیسے لوگوں کو شکایت کا کوئی موقع نہ ملے گا۔

گلاب کچھ جواب دیتی مگر نرگس فوراً ہی نجمہ کی انگلی پکڑے ہوئے کمرہ میں داخل ہوئی اور گفتگو کا یہ سلسلہ منقطع ہوگیا۔ نرگس کہنے لگی

اسوقت تمہیں ایک خوشخبری سنانے آئی ہوں۔ تمہاری اجاڑ اور سونی زندگی میں پھر سے بہار آجائیگی۔

بتائیے! رخشندہ نے بے چینی سے ماں کی طرف دیکھ کر سوال کیا۔

خالد چھوٹ کر آگیا۔ ابھی ابھی اس کا ٹیلی فون آیا تھا۔ میں نے بتایا کہ تم یہیں ہو اس لئے وہ یہیں دیکھنے کے لئے ابھی آرہا ہے

مگر میری اجاڑ اور سونی زندگی سے اب خالد کا کیا تعلق؟ آپ نے میرے متعلق شاید اپنے خیالات اب تک نہیں بدلے۔ بہار بن کر اگر کبھی کوئی شخص آیا تو وہ سلیم ہی ہوگا

نرگس رخشندہ کا جواب سن کر ہنسنے لگی۔ اُسے اس کی طرف سے اب اس قسم

کے جواب کی قطعی امید نہ تھی۔ اس نے تعجب سے کہا۔

تم ایک معمہ ہو۔ نہ آجتک تمہارا میں کیریکٹر سمجھ سکی۔ نہ تمہارا دل و دماغ سلیم تمہاری زندگی کی بہار بنا کرے مگر ادھر چند مہینوں سے تم نے میرے نزدیک یہی ثابت کیا ہے کہ وہ تمہاری زندگی کی خزاں بن کر تم پر منڈلاتا رہا۔ میں نے تمہیں اپنے پاس رکھ کر تمہاری نقل و حرکت کا خوب اندازہ لگایا ہے۔ ایسے لوگ تمہارے اوپر تعینات کئے ہیں جو تمہیں دور اور قریب سے ہر وقت دیکھتے رہیں۔ پھر ان کی جو رپورٹیں مجھے ملیں ان سے بھی میرے ذاتی خیال کو تقویت پہنچی۔ یہ سب کچھ ایسا ہی ہے کہ چور جب ہر طرف سے گھر گھار کر پکڑ لیا جائے تو پھر وہ یہ رٹ لگانا شروع کر دیتا ہے کہ میں چور نہیں ہوں، اب نہ معلوم وہ چور سچا ہے یا وہ لوگ جنہوں نے اسے چوری کرتے دیکھا ہے۔

میں اگر کوئی معمہ ہوں تو مجھے آسانی سے بوجھا نہیں جا سکتا۔ رخشندہ نے ماں کو جواب دینا شروع کیا۔ اب رہا میرا کیریکٹر اور دل و دماغ وہ آپ کی سمجھ میں اس لئے نہیں آسکا کہ وہ آپ کے کیریکٹر اور دل و دماغ سے بالکل مختلف ہے۔ اس حقیقت کا اظہار میں نے آپ سے متعدد بار کیا ہے۔ لہٰذا وہ اگر آپ کی سمجھ میں نہ آسکا تو اس میں میرا کیا قصور؟ اندازے غلط بھی تو ثابت ہو سکتے ہیں۔ میری اور سلیم کی جدائی کو اگر کوئی غلط رنگ میں پیش کرتا ہے اور آپ کو آپ کے حسب دل خواہ رپورٹیں مرتب کر کے دے دیتا ہے تو میں کیا کروں۔ لہٰذا ان جھوٹی حقیقتوں پر کوئی چور اگر پکڑ بھی لیا جائے تو اسے دنیا کا انصاف چور کہنے پر تیار نہیں۔

تو میری بات کا جواب نہیں ہوا نرگس کہنے لگی۔ تم اس کا کوئی ثبوت

نہیں دے سکتیں کہ ان تین سالوں میں سلیم کے ساتھ تمہاری محبت کا وہی عالم رہا جو کبھی تھا۔ نہ اب وہ بے قراری ہے نہ تڑپ۔ یہ کہہ کر اگر اپنے کئے کی شرم نبھا رہی ہو تو یہ اور بات ہے۔

مجھے شرم نبھانا کہاں آئی؟ رخشندہ نے کہا۔ دل پر پتھر رکھکر اگر کوئی کام اپنی مرضی کے خلاف کرتی ہوں تو اسے آپ میرا شرم نبھانا سمجھتی ہیں۔

خیر چھوڑو اس قصہ کو نرگس کہنے لگی۔ میں اب اس قسم کی باتوں سے تمہارا موڈ بگاڑنا نہیں چاہتی۔ خالد آرہا ہے۔ نہ معلوم یہ اتنے دن اس نے تمہارے بغیر کس طرح گذارے ہوں گے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ اسے نا امید نہ کر دینا۔

تو کیا وہ کوئی امید لے کر آرہے ہیں میرے پاس؟ انھیں علم ہے کہ میری شادی سلیم کے ساتھ ہو چکی انھیں یہ بھی علم ہے کہ میں سلیم سے کتنی محبت کرتی ہوں۔

ہاں! مگر میں نے اسے ٹیلی فون پر سارے حالات بتا دیئے۔ میرے اسکے درمیان خاصی دیر تک گفتگو رہی۔ اسے تم دونوں کی علیحدگی کا حال سنکر بیحد رنج بھی ہوا۔ مگر یہ سب ظاہرا باتیں ہیں۔ حقیقت سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ سلیم اور خالد دونوں ایک دوسرے کی راہ میں کانٹا تھے بظاہر آپس میں کتنے بڑے دوست کیوں نہ ہوں مگر دونوں ایکدوسرے کے دشمن تھے اور اب بھی ہیں۔

ان باریکیوں پر جہاں آپ کی نگاہ پہنچی میرا پہنچنا مشکل ہے۔ میرے نزدیک تو وہ دونوں دوست ہی تھے وہ آئیں گے تو ان سے باتیں کرونگی۔

جیسے ہی رخشندہ کی زبان سے یہ جملہ ختم ہوا۔ خالد کی موٹر کوٹھی کے کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی۔ آواز کے سنتے ہی نرگس نے کھڑکی سے جھانک کر دیکھا اور خالد کو پہچان کر

چپ چاپ اپنے کمرہ میں چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد خالد رخشندہ کے سامنے کھڑا ہوا مسکرا رہا تھا۔ اس کی وہی شکل و صورت تھی۔ ویسے ہی دیدہ زیب کپڑے۔ مسکراہٹیں بھی ویسی ہی تھیں اور انداز بھی ویسے ہی۔ صرف فرق یہ تھا کہ تندرست جسم گھٹ کر کچھ دبلا ہو گیا تھا اور چہرہ کی رنگت پر جیل کے وہ تمام نشانات موجود تھے جن سے وہ اب تک دوچار ہوتا رہا۔ پہلی نظر میں دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مسکرائے۔ پھر رخشندہ کہنے لگی۔

بہت انتظار دکھایا تم نے۔ ان تین برسوں میں تم بھی بالکل بدل گئے۔ وہ میں بھی وہ نہیں رہی جو تمہارے سامنے تھی۔ اب اگر اکٹھا ہو گئے تو شاید اپنی اپنی پرانی حالتوں پر آ جائیں۔

خالد ہنسنے لگا۔ رخشندہ کے یہ کہنے پر اسے پورا یقین ہو گیا کہ نرگس نے ٹیلی فون پر اس سے جو کچھ کہا تھا وہ حقیقت ہے۔ اس نے عمداً ادھر ادھر دیکھکر پوچھا۔

سلیم کہاں ہے؟

وہ تو امی بتا ہی چکیں کہ میرے ان کے تعلقات منقطع ہو چکے۔ نہ وہ یہاں کبھی آتے ہیں نہ میں ان کے پاس جاتی ہوں۔

یہ تو سنا تھا میں نے۔ مگر ساتھ ہی میرے تعجب کی انتہا بھی نہ رہی۔ تم اور سلیم کس قدر خوش تھے؟

خوش ہم دونوں ایک دوسرے سے اب بھی ہیں۔ مجھے ان کے ساتھ محبت بھی ہے۔ مگر زندگی کے وہ لوازمات جب پورے نہ ہو سکے تو رفتار مدھم پڑتی

چلی گئی۔ یہاں تک کہ دونوں اپنے اپنے مقام پر تھک کر بیٹھ رہے اب تم آگئے ہو شاید پھر سے ہم میں نئی زندگی پیدا ہو سکے۔

نرگس نجمہ کی انگلی پکڑے ہوئے کمرے کے اندر آئی خالد فوراً تعظیماً کھڑا ہو گیا نجمہ نے اپنے ذرا سے ہاتھ سے خالد کو سلام کیا تو نرگس پوچھنے لگی۔

اسے پہچانا بھی تم نے خالد؟ رخشندہ کی بچی ہے یہ۔ ٹیلی فون پر میں نے اسکے متعلق کچھ نہیں کہا۔ صرف اس لئے کہ اس کا تعلق دیکھنے سے ہے سننے سے نہیں۔

واقعی بڑی پیاری بچی ہے ماشاء اللہ۔ خالد نے نجمہ کو اپنی گود میں لے کر کہا۔ بالکل سلیم ہی کی صورت ہے رخشندہ کہنے لگی۔ کسی اور پر پڑتی تو اس قدر پیاری نہ ہوتی۔

میرا تو خیال ہے کہ نجمہ تم دونوں پر گئی خالد کہنے لگا۔ صورت سلیم کی۔ ادائیں تمہاری ——— مگر مجھے یہ شرمندگی ہے کہ میں اس کے لئے کچھ لے کر نہیں آیا۔

خالد نے جیب سے نکال کر سو سو روپے کے دو نوٹ نجمہ کے دونوں ہاتھوں میں پکڑا دیئے۔ اس نے اپنی مٹھیاں ذرا دیر بند رکھ کر کھول دیں اور وہ دونوں نوٹ وہیں فرش پہ گر گئے۔ نجمہ بہت معصومیت سے کچھ دیر تک خالد کا منہ تکتی رہی۔ ایک عرصہ کے بعد اس نے کسی اجنبی کو اپنے اوپر اس طرح مہربان پاکر پکارا۔

ڈیڈی!

نرگس فوراً بول پڑی۔ ہاں ہاں جواب دو خالد تمہیں کو ڈیڈی کہکر

پکار رہی ہے۔۔

سلیم کو بے حد یاد کرتی تھی۔ رخشندہ کو بات بنانا پڑی تمہیں دیکھکر اسے وہی خیال آگیا۔

سلیم نے آنا جانا بند کیوں کر دیا؟ خالد نے سب کی طرف ایک ساتھ دیکھکر پوچھا۔

نرگس نے رخشندہ کی طرف دیکھا اور رخشندہ نے نرگس کی طرف اور قبل اس کے کہ ان دونوں میں سے کوئی جواب دے نجمہ اپنی معصوم زبان میں بول پڑی۔

ممی بڑی بڑی ڈیڈی اچھے لیچھے۔

یہ ایک جملہ نجمہ کو زبانی یاد تھا۔ باپ کی جدائی میں یہ جملہ اس کی شکایت بھی تھی اور یاد بھی۔ اس گھر میں ہر قسم کے لاڈ پیار کے باوجود وہ سلیم کو برابر یاد کئے جاتی تھی اور اپنی زبان سے اپنی دلی کیفیت کا اظہار بھی نہ کر سکتی تھی۔ رخشندہ کے دل پر ایک چوٹ لگی تو اس نے نجمہ کو اپنی گود میں لے کر پوچھا۔

یہ ہیں تو بیٹی تمہارے ڈیڈی۔

نجمہ نے جو دھوکہ پہلے کھایا تھا وہ خالد کا ہنستا ہوا چہرہ دیکھ کر باقی نہ رہا۔ سلیم نے اسے کاغذ کے ہرے ہرے نوٹ تو کبھی نہیں پکڑائے مگر ہمیشہ اپنے سینے سے لگا کر دل کی دھڑکن سنائی جو ایک اولاد کے لئے ماں باپ کے دل میں ہوتی ہے نوٹوں کو تو وہ پہلے ہی فرش پر پھینک چکی تھی اب رخشندہ کے اس کہنے پر کہ یہی اسکے ڈیڈی ہیں اسنے انکار میں گردن ہلائی پھر کہنے لگی۔

یہ میرے بڑے ڈیڈی اچھے اچھے!

سب لوگ بظاہر نجمہ کی باتوں پر ہنس رہے تھے مگر یہ خیال بار بار دل میں پیدا ہوتا تھا کہ اس کی ذہانت کا بھی وہی عالم ہے جو رخشندہ کا تھا۔

خالد کہنے لگا۔

تم اگر میری بیٹی بنجاؤ تو تمہیں موٹر پر سیر کراؤں اچھے اچھے کھلونے لاکر دوں۔ نئے نئے کپڑے بنوا دوں۔ خالد نے یہ سب کچھ کہتے ہوئے مخاطب نہ رخشندہ کو کیا نہ نجمہ کو وہ یہ سب کچھ اپنی دھن میں بکتا ہوا چلا گیا۔

رخشندہ سوچنے لگی کہ خالد جو کچھ کہہ رہا ہے وہ شاید حقیقت ہو۔ نجمہ اگر اس کی بیٹی بن جائے تو وہ یہ سب کچھ کریگا۔ اس نے پھر بڑی ہمت سے بچی کو مخاطب کر کے کہا۔

بولو بنتی ہو ان کی بیٹی یا نہیں؟

نجمہ نے پھر گردن ملائی اور انکار کرتی ہوئی ماں کی گود سے اتر کر دوسرے کمرہ میں بھاگ گئی۔ نرگس بھی اسی کے پیچھے پیچھے چلی گئی اور اب پھر خالد اور رخشندہ تنہا کمرہ میں رہ گئے۔ خالد پوچھنے لگا۔

کتنے دنوں سے تم نے سلیم کو نہیں دیکھا۔

کافی عرصہ گذر گیا۔ نہ اب وہ یہاں آتے ہیں نہ میں اُنکے پاس جاتی ہوں اب تو بات بھی بہت پرانی ہوچکی۔ شروع شروع میں جب یہ واقعات پیدا ہوتے تھے تو میرے دل کو تکلیف تھی مگر اب تو عادی ہوگئی۔

مصالحت کرنا چاہتی ہو؟

وہ تو وقت آنے پر خود بخود ہو جائے گی۔ تم آگئے ہو اس لئے حالات

بدلیں گے۔ تمہاری عدم موجودگی میں انھوں نے مجھے نظرانداز بھی کیا۔ ان کی محبت میں بھی خاصی کمی واقع ہوگئی۔ اس قسم کی چیزیں ہمیشہ مقابلہ پر آکر زندہ رہتی ہیں اب تم آگئے ہو تو اُن میں پھر سے زندگی پیدا ہو جائیگی۔ میں تمہارے ساتھ گھوموں پھروں گی صرف یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ اب پھر تمہیں میری امیدوں نے پالیا جو قیامت میری زندگی میں ایکدفعہ آچکی ہے اب صرف اس کے آثار رونما ہونگے۔ تم بھی اس سے تجاوز کرنیکی کوشش نہ کرنا اور پھر سلیم جیسے ہی راہ راست پر آجائیگا میں تم سے علیحدہ ہو جاؤنگی۔

مگر ایک بات سنو زخشندہ خالد سرگوشی کے انداز میں ذرا قریب کھسک کر کہنے لگا۔ میں تمہیں بھولا نہیں ہوں۔ تم میری دل کی گہرائیوں میں موجود ہو۔ میرا خیال ہے کہ تم نے بھی مجھے فراموش نہ کیا ہوگا۔ میرے نہ ہونے سے جو صورت حال پیدا ہوگئی تھی۔ وہ محض عارضی تھی اور اتنے دنوں کے تجربے نے یہ ثابت کر دیا کہ تم اور سلیم کامیاب زندگی بسر نہ کر سکے۔ لہذا ان تمام سب باتوں کو جانتے ہوئے پھر ہم کوئی بہانہ کیوں کریں۔ میرے ساتھ تمہارا گھومنا پھرنا یا ساتھ رہنا نہ تمہاری فطرت کے خلاف ہے نہ میری۔ پھر اس قدرتی چیز کو ایک جھوٹا رنگ کیوں دیا جائے۔ کیا ایسا ممکن نہیں کہ تم سلیم سے طلاق لے لو۔

نہیں۔

سلیم سے تمہیں حقیقتاً محبت ہے۔

محبت نہ ہوتی تو میں ان کے ساتھ شادی کیوں کرتی۔ سچ پوچھو محبت ہی میں تو یہ کنارہ کشی ہوگئی۔ وہ اپنی طرف روٹھ کر بیٹھ گئے ہیں میں اپنی طرف اور عام طور

نے یہ سمجھا کہ یہ صورت نااتفاقی کی وجہ سے پیدا ہوگئی ہے۔ حالانکہ دل ایک دوسرے سے جس قدر قریب ہوتے ہیں ان کی دوری اتنی ہی زیادہ مشکوک بن کر لوگوں کے دل و دماغ میں کھٹکا کرتی ہے۔

لیکن اگر میں تمہیں اپنے ساتھ مطمئن کرنے میں کامیاب ہو جاؤں؟

تو دوسری قیامت آجائیگی جس کے میں صرف آثار دیکھنا اور دیکھانا چاہتی تھی۔

گلاب چائے کی ٹرے لئے ہوئے کمرہ میں داخل ہوئی۔ میز پر چائے لگانے کے بعد جب اس نے خالد کی طرف گھور کر دیکھا تو خالد نے بھی اسے پہچان لیا۔ دونوں کی نظریں ملیں اور پھر ادھر اُدھر ہوگئیں۔ رخشندہ نے گلاب کی طرف اشارہ کرکے خالد سے دریافت کیا:

اسے تو تم نے پہچان لیا ہوگا۔ گلاب ہے۔ اب اس میں وہ پھول کی سی تازگی تو نہیں رہی مگر ہے اب تک گلاب —

ہاں۔ خالد کہنے لگا میرے وقت میں تو یہ بہت ہی خوب صورت تھی اب بھی ہے لیکن عمر کے ساتھ کچھ چیزوں پر بھاری پن آگیا ہے۔

گلاب کہنے لگی آپا کو بھیج دوں بیگم صاحبہ اسے دکھلایئے سیٹھ کو اور اتنا کہنے کے بعد اس نے ہاتھ کے اشارہ سے آپا کو بلاکر کمرہ کے اندر کھڑا کر دیا دیکھتے ہی خالد کی آنکھیں چکا چوند ہوگئیں۔ معلوم یہ ہوتا تھا کہ چودھویں کا چاند آسمان سے اتر کر کمرہ کے فرش پر آگیا ہے۔ خالد نے پوچھا —

کیا نام لیا تھا اس کا تم نے آپا؟

ہاں اسے آپا ہی کہہ کر یہاں رکھا ہے۔ بچہ کی پیدائش سے ہمیں پہلا فائدہ یہی ہوا کہ ہمیں ایسی خوب صورت آیا مل گئی۔ یہ بیچاری آیا کا کوئی کام نہیں جانتی مگر رہتی ہر گھر میں آیا ہی کے نام سے ہے تاکہ اس پردہ کے اندر جھانکنے والے جھانک بھی لیں اور بدنامی نہ ہو۔

میری ایک اور سہیلی سسٹرس ہیں جو ایک عرصہ کے بعد مجھے ملیں یہ دونوں پیشے ہماری سماج میں برقع پوش عورتوں کی طرح ہیں جو سڑکوں پر ماری ماری پھرتی ہیں اور پھر اپنے گھروں میں بیٹھ کر عصمت مآب بن جاتی ہیں۔

مگر اس وقت تو ذکر اس کا تھا یہ مل کہاں سے گئی تھیں۔

بیچاری ساری بمبئی کی ٹھوکریں کھانے کے بعد یہاں آئی۔ کسی شریف گھر میں دس روز سے زیادہ نہ رہ سکی۔ آیا سمجھ کر رکھی جاتی رہی "کچھ اور" سمجھ کر نکال دی جاتی رہی۔ آخر کار جب اسے اس کی صحیح جگہ مل گئی تو اس نے قیامت بپا کر دی۔

کیا مطلب؟ خالد نے تعجب سے پوچھا۔

سارے شہر میں اسی کا چرچا ہے۔ رخشندہ ہنس ہنس کر خالد کو بتلاتی رہی اس کا بھاؤ اتنا اونچا ہے کہ کچھ نہ پوچھو۔

مثلاً خالد نے کچھ اثرات بھرے انداز میں دریافت کیا

پانچ سو روپے سے بھی اوپر۔ جو کبھی گلاب کو بالکونی میں لے کر لیٹنے کے عوض دینا پڑتے تھے۔

خالد سب کچھ سمجھ گیا۔ اس کی نظریں نیچی ہوگئیں۔ تین چار سال پہلے کا ایک معمولی سا واقعہ اس وقت کتنی بڑی اہمیت بن کر رخشندہ کی زبان پر آگیا۔ خالد بات بنانے کے لئے کچھ جواب دینا چاہتا تھا۔ مگر قوت گویائی سلب ہو چکی تھی +

آخر کار رخشندہ کا خیال صحیح ہی ثابت ہوا۔ سلیم کو جب یہ اطلاعیں ملیں کہ خالد اور رخشندہ پھر پہلے کی طرح شیر و شکر ہو گئے تو اس کے دل کو انتہائی تکلیف پہنچی۔ اس کی پریشانیوں میں جب یہ نئی الجھن اور شامل ہوئی تو وہ نیم پاگل سا ہو گیا۔ اس کے لئے رخشندہ کا ہر تغافل قابل برداشت تھا مگر اس حقیقت سے وہ گریز نہ کر سکا کہ رخشندہ پھر خالد کے پہلو کی زینت بنے۔ خود اس کے جاننے والے اُسے آ آکر پریشان کیا کرتے تھے۔ رخشندہ کی اس حرکت پر اُسے ہر طرح سے مطعون کرتے اسے شرم دلاتے مگر وہ ان تمام کڑوے گھونٹوں کو شربت کی طرح پی جاتا۔ اس دوران میں اس نے کئی مرتبہ خودکشی کرنا چاہی مگر خود اپنے ارادے سے ڈر کر کانپ گیا۔ زندگی کی کوئی تمنا اس کے دل میں نہ تھی مگر وہ یہ ضرور چاہتا تھا کہ مرنے سے پہلے ایک دفعہ رخشندہ

کو بلاکر اس سے آخری باتیں اور کہلے ۔ اس کی یہ حسرت بھی جب پوری ہوتی ہوئی معلوم نہ ہوئی تو وہ خود ہی کسی آخری فیصلہ کے لئے نرگس کے یہاں چلا گیا اپنے قدموں کو زبردستی اٹھا اٹھا کر جس وقت وہ کوٹھی کے کمپاؤنڈ کے اندر داخل ہوا تو اس کے پاؤں من من بھر کے ہو گئے ۔ نرگس کے صدر دروازے پر آکر وہ ٹھٹھر سا گیا ۔ کچھ عجیب قسم کی ذہنی الجھنیں اس کے دل و دماغ سے لپٹی ہوئی تھیں ۔ وہ تو گلاب اس وقت کسی کام سے باہر نکلی اور پھر سلیم کو لئے ہوئے اندر چلی گئی ۔

نرگس نے بڑی محبت سے اسے لے جاکر اپنے ڈرائنگ روم میں بٹھایا ۔ مزاج پرسی کے بعد اتنے دنوں تک نہ آنے کی شکایت کی ۔ خالد کے آجانے کی خوش خبری سنائی ۔ بڑی دیر تک اس سے بچہ کی بھولی بھالی باتیں کرتی رہی مگر سلیم نے نہ کسی بات کا جواب دیا اور نہ خود سے کوئی سوال کیا ۔ وہ تو آج اس گھر میں آخری بار یہ سمجھ کر آیا تھا کہ اس روز روز کی الجھنوں اور پریشانیوں سے نجات پانے کے لئے کوئی آخری فیصلہ کر لے پہلے روز کی طرح وہی تلاش جو نظروں سے جاری تھی آج پھر اس کی زبان پر سوال بن گئی ۔ بڑی ہمت اور جستجو کے بعد اس نے پوچھا ۔

رخشندہ کہاں ہے ؟

نرگس پھر پہلے کی طرح مسکرائی ۔ اس کے اندر آج بھی وہ پرانا یقین موجود تھا کہ سلیم کے آنے کا مقصد محض رخشندہ کی تلاش ہے ۔ اس نے پھر اسی شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ سلیم کو جواب دیا ۔

رخشندہ کو تو صبح ہی سے خالد اپنے ہمراہ لے کر چلے گئے۔ آج پھر وہ کوئی نئے ماڈل کی گاڑی لے کر آئے تھے اور یہ بھی بتلا رہے تھے کہ اتنی خوبصورت موٹر شاید ہی کسی کے پاس شہر میں ہو۔

سلیم کے چہرے پر پھر اسی طرح کرب کے آثار پیدا ہوئے اور غائب ہو گئے یہیں بیٹھے بیٹھے وہ پھر تین چار سال پیچھے چلا گیا۔ جب کہ وہ تنہا رخشندہ کا دوست اور ساتھی تھا۔ دونوں آپس میں کسقدر بے تکلف تھے۔ وہی تنہا اس کی امیدوں کا مرکز تھا۔ خالد کو وہی ایک دن اپنے ساتھ لے کر آیا۔ مدعا خودستائی کے علاوہ اور کچھ نہ تھا۔ مگر کس قدر جلد دولت نے رخشندہ کے قریب اور اس کو دور کر دیا۔

سلیم اپنے عہد رفتہ میں کھویا ہوا یہی سب کچھ سوچ رہا تھا کہ نرگس نے اسے ٹوک کر اپنی وہ پچھلی بات پھر دہرائی وہ ہنس ہنس کر کہنے لگی۔

تعلیم یا ماحول کسی کے فطری رجحانات نہیں چھین سکتے۔ تم نے ہمیشہ رخشندہ کے سامنے عصمت فروشی کی مذمت کی اسے پاکیزہ خیالات دیئے۔ اپنے خاندانی اقتدار کو ٹھکرا کر اس کے ساتھ شادی کر لی۔ مگر نتیجہ کیا نکلا؟ کام وہی چیزیں آئیں جن کا اس کی فطرت سے گہرا لگاؤ تھا میں نے یہ ایک حقیقت تمہیں ہمیشہ یاد دلائی کہ وہ ایک طوائف کی لڑکی ہے۔ اس کے ضمیر اس کی فطرت میں بناوٹ شامل ہے۔ آج میں پھر یہ تم سے بغیر کہے ہوئے نہیں رہ سکتی کہ تمہاری اس لاعلمی نے رخشندہ کو تمہاری طرف راغب نہ ہونے دیا۔ تم نے اسے خالد سے کہیں پہلے پایا تھا مگر جب مقابلہ پہ آئے تو وہ تم سے اتنی دور ہٹ کر کھڑی ہو گئی جیسے کبھی کی شناسائی نہ ہو۔

سلیم بہت خاموشی سے بیٹھا ہوا یہ سب کچھ سنتا رہا۔ نرگس جو کچھ کہہ رہی تھی وہ حقیقت کا سیسہ بن کر اس کے کانوں میں اترتا چلا گیا۔ آج رخشندہ کی وکالت کے لئے اس کے پاس کوئی دلیل موجود نہ تھی۔ اس نے اپنی دبی ہوئی زبان سے صرف اتنا کہا۔

مجھے اپنی غلطی کا اعتراف ہے۔

وہ اٹھ کر جانے لگا تو نرگس نے پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر بٹھا لیا۔ وہ آج بھی یہی چاہتی تھی کہ خالد اور رخشندہ اپنی نئی ماڈل کی چمچماتی ہوئی گاڑی پر قہقہے لگاتے ہوئے اس کی موجودگی میں آ جائے اور جس سے اس کے دل پر ایک اور کاری ضرب لگتی۔ نرگس کی یہ خواہش تو پوری نہ ہو سکی مگر یہ یقین اسے ضرور ہو گیا کہ وہ اپنی شرافت اور غیرت کی بنا پر اب کبھی رخشندہ کی صورت دیکھنا گوارا نہ کریگا۔ ایک مرتبہ وہ پھر دل برداشتہ ہو کر اٹھا اور اس مرتبہ نرگس نے اسے روکا بھی نہیں۔ وہ سمجھتی تھی کہ کسی لب دم بیمار کے لئے زہر کا یہ مختصر گھونٹ بہت کافی ہے جو اسے دے دیا گیا تھا اور جو اس کی مخفی زندگی کی موت کے لئے بہت کافی ہے۔ کمپاؤنڈ سے نکلنے کے بعد وہ بے ارادہ ادھر ادھر گھومتا پھرتا رہا۔ دماغی توازن کے بگڑ جانے کے بعد بھی بھول گیا کہ وہ کیا ہے؟ کہاں ہے؟ نہ اب اس کے ذہن میں رخشندہ کا خیال تھا نہ خالد کا۔ اسے اپنی بچی بھی اب یاد نہ تھی۔ جس وقت خالی الذہن ہو کر نرگس کے کمرہ سے نکلا ہے تو گلاب نے ازراہ محبت باہر نکل کر سمجھایا بھی۔ وہ کہنے لگی۔

ان کی باتوں پر یقین نہ کیجئے گا۔ بی بی جی نے جو کچھ آپ سے کہا

سب جھوٹ تھا:

مگر گلاب کے تعجب کی انتہا نہ رہی جب اسے سلیم کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا۔ وہ گلاب کی صورت دیکھ کر صرف پاگلوں کی طرح سے ہنسنے لگا، جس کے نہ کوئی معنی تھے نہ مطلب +

رخشندہ رات گئے گھوم پھر کر جب خالد کے ہمراہ واپس ہوئی تو گھر بھر میں صرف گلاب ہی جاگ رہی تھی۔ اسے سلیم کے اس طرح واپس چلے جانے کا کچھ ایسا ملال تھا کہ باوجود کوشش کے بھی اس کی آنکھ نہ لگی۔ نجمہ کو بھی پوری طرح نیند نہ آئی تھی اس کا بار بار بستر پر کروٹیں بدلنا صاف ظاہر کر رہا تھا کہ یا تو وہ ماں کی غیر حاضری سے نالاں ہے یا اپنے باپ کے سینہ پر سر رکھکر سونے کے خواب دیکھ رہی ہے۔ سلیم سے اتنے روز جدا رہنے کے بعد اب نہ اس کی وہ معصومانہ ضدیں تھیں نہ ہٹیں۔ ماں کے اطوار اب اس کی سمجھ میں پوری طرح سے آ گئے تھے۔ اور وہ عمداً خالد کی موجودگی میں رخشندہ کے پاس آنے سے پرہیز کرنے لگی تھی۔ چنانچہ آج بھی جب خالد اسے لینے آیا تو نجمہ اپنی نانی کے کمرہ میں آکر اپنے کھلونوں سے کھیلنے لگی۔ سلیم کے آنے کی اسے کوئی اطلاع

تھی ورنہ وہ باپ کی گود میں بیٹھ کر اس کے ہمراہ چلنے کی ضد ضرور کرتی۔ نہ نرگس ہی نے اُسے سلیم کے آنے کی خبر کی اور نہ گلاب نے اُسے اسوقت تک بتلایا مگر پھر بھی آج سرشام ہی سے اُسے بار بار سلیم کا خیال آرہا تھا رخشندہ کمرہ میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلے بچہ کیطرف مخاطب ہوئی اس نے دور ہی سے دیکھ لیا تھا کہ اس کی آنکھیں کھلی ہوئی ہیں اور اس کی اس بیداری نے اسے خود اپنے اوپر کچھ غور کرنے پر مجبور بھی کیا۔ اس نے سوچا کہ شاید اس کی گمراہیوں کا کچھ احساس اب اس کے ننھے سے دل میں ہو چلا ہے۔ بچہ نے ماں کو دیکھ لینے کے باوجود بھی نہ کسی خوشی کا اظہار کیا نہ اسکی طرف مخاطب ہوئی اور بچی کی اس بیزاری نے پھر رخشندہ کو بچہ سے کچھ پوچھنے کی ہمت نہ دلائی۔ گلاب ہی نے اشارہ سے بتایا کہ نہ معلوم کیوں وہ اب تک جاگ رہی ہے اور باوجود اس کے سلانے اور لوری گانے کے بھی ابھی تک نہیں سوئی۔

رخشندہ نے دبے پاؤں بستر کے قریب آکر پکارا۔

بیٹی!

کچھ جواب دینے کے بجائے دو آبدیدہ آنکھیں آواز کے ساتھ اٹھکر پھر جھک گئیں اور رخشندہ کو بچہ کی بیچارگی پر کچھ اس قدر رحم آیا کہ وہ خود بھی بچہ سے لپٹ کر رونے لگی۔ اس نے کہا۔

میں اب کبھی بچے اکیلا چھوڑ کر نہیں جاؤنگی۔ ہم لوگ موٹر پر جانے لگے تو تم نانی اماں کے کمرہ میں اپنے کھلونوں سے کھیل رہی تھیں۔ تمہیں اگر چلنا ہی

تھا تو کپڑے پہن کر تیار ہو جائیں۔

نجمہ اب لسور رہی تھی اور ماں اس کا سر اپنے سینہ سے لگائے ہوئے پیار و محبت کی اس طرح تھپکیاں دے رہی تھی جیسے یہی لاڈ پیار اب اس کی زندگی کا تنہا مقصد رہ گیا ہو۔ ماں کی یہ قربت اس کی بھٹکی ہوئی نیند کو نہ جانے کہاں سے لے آئی۔ رخشندہ نے اپنی مخصوص آواز میں جب "نندیا" بلائی تو نجمہ کی آنکھیں سچ مچ جھپکنے لگیں۔ وہ گا رہی تھی۔ "آجاری نندیا تو آکیوں نہ جا۔ نجمہ کو میری سلاکیوں نہ جا"، اور یہی بول اس کی آنکھوں کو بند کئے دے رہے تھے۔ یہاں تک کہ وہ جب پوری طرح سے غافل ہو گئی تو رخشندہ نے ایک اطمینان کا سانس لیا۔

سو گئیں نجمہ بی؟ گلاب نے رخشندہ کے اس اطمینان کو دیکھ کر پوچھا۔

ہاں! سو گئی غریب۔ اتنی سی بچی ایک بجے رات تک اگر جاگتی رہے تو سو سلانے میں دیر ہی کتنی لگتی ہے۔ تم نے معلوم ہوتا ہے آج اسے ٹھیک ٹھیک کر نہیں سلایا اور نہ لوری گائی۔

سب کچھ کیا۔ آپ کے جانے کے بعد آیا تو حسب معمول سورج غروب ہوتے ہی مصروف ہو گئی۔ مجھے بھی آج لوگوں نے چھٹی نہیں دی۔ سنیچر کی رات تماشائیوں کے لیے سونے کی رات بن کر آتی ہے۔ ایک کے بعد دوسرا، دوسرے کے بعد تیسرا، چوتھا، پانچواں یہاں تک کہ یہ سلسلہ ہی کسی طرح ختم نہ ہوا۔ اور سب سے بڑا غضب یہ تو یہ ہو گیا کہ آپ کے جاتے ہی سیٹھ سلیم آ گئے۔

اچھا پھر۔ رخشندہ نے کچھ اکر یہ بیٹھے ہوئے سوال کیا کہ پھر تو قیامت ہی

آ گئی ہوگی۔

بی بی جی نے اپنے پاس بٹھا کر ان سے باتیں شروع کر دیں۔

انھوں نے یہ تو سب سے پہلے بتلایا ہوگا کہ میں خالد کے ساتھ موٹر پر گھومنے گئی ہوں۔

جی ہاں! گلاب کہنے لگی سیٹھ سلیم نے جیسے ہی آپ کو پوچھا تو بی بی جی نے ہنس ہنس کر انھیں ساری باتیں بتلا دیں۔ وہ ہنس رہی تھیں اور سیٹھ سلیم کے چہرہ پر ایک رنگ آرہا تھا ایک جا رہا تھا۔ پھر جب وہ جانے لگے تو میں نے باہر نکل کر انھیں سمجھایا بھی کہ بی بی جی کی باتوں کا کچھ خیال نہ کریں۔

پھر تمہارے سمجھانے پر کچھ بولے؟ رخشندہ پوچھنے لگی۔

کچھ نہیں۔ صرف مسکرائے تھے۔ میں آدمیوں کا چہرہ اب پہچاننے لگی ہوں مجھے تو ایسا معلوم ہوا کہ انھوں نے میری باتوں کا یقین نہیں کیا۔

تم نے کیا کہا تھا ان سے؟

میں نے یہی کہا تھا کہ بی بی جی سب کچھ آپ کو پریشان کرنے کے لئے کہہ رہی ہیں۔ خالد سیٹھ یہاں آتے ضرور ہیں مگر بیگم صاحب ان کے ساتھ گھومنے پھرنے نہیں جاتیں۔

لیکن میری عدم موجودگی کا بہانہ کیا کیا تم نے؟ میرے نہ ہونے سے تو ان کے شکوک بڑھ گئے ہوں گے؟

مجھ سے انھوں نے آپ کے متعلق کوئی سوال نہیں کیا۔ بس ہنستے ہوئے باہر نکل گئے۔

نجمہ کو پوچھا تھا۔

جی نہیں، نہ نجمہ کو پتا تھا کہ سلیم آئے ہیں اور انھوں نے تو شاید یہی سمجھا ہوگا کہ نجمہ آپ کے ہمراہ گئی ہے۔

رخشندہ کپڑے اتارنے کے لئے اپنے کمرہ میں چلی گئی مگر اس کا دماغ برابر اسی الجھن میں لگا رہا کہ نہ معلوم اب کیا ہوگا۔ خالد سے روزانہ ملنے جلنے کو وہ برا نہ سمجھتی تھی مگر اس کی یہ کوشش برابر رہی کہ ان ملاقاتوں کا علم سلیم کو نہ ہو۔ اب اسے ندامت بھی تھی اور سلیم سے ایک قسم کا خوف بھی۔ وہ کپڑے بدل کر پھر اسی کمرہ میں آگئی جہاں گلاب اس کی منتظر تھی۔ رخشندہ نے ایک آرام کرسی پر بیٹھ کر بغیر کچھ کہے ہوئے ایک ٹھنڈی سانس لے ڈالی۔

بیگم صاحب گلاب کہنے لگی آپ سیٹھ خالد سے نہ ملا کیجئے۔

چاہتی تو میں بھی یہی تھی گلاب مگر شاید تمہیں یہ معلوم نہیں کہ ایک عورت بعض حالتوں میں وہ نہیں کر سکتی جو وہ کرنا چاہتی ہے۔ میں نے تمہیں ایک دفعہ بتایا تھا کہ خالد ہمیشہ میرے سرد خون میں ابال پیدا کرنے میں کامیاب رہا ہے۔ اس میں یہ ایک خداداد بات ہے اور وہ اس سے فائدہ اٹھا لیتا ہے۔

مگر آپ نے یہ بھی کہا تھا گلاب کہنے لگی کہ سلیم نے ہمیشہ آپ کو زندگی کی اچھی قدریں دیں۔

میں نے کہا تھا اور یہ سچ بھی ہے مگر زندگی معصیت کی طرف زیادہ دوڑتی ہے اور میں بھی اسی عیب کا شکار ہو گئی۔

مگر اس عیب کو آپ جب چاہیں خوبی سے بدل لیں۔ اب بھی کچھ نہیں

گیا ہے، خالد سیٹھ آپ کو لینے آئیں تو آپ جانے سے صاف انکار کر دیجئے زیادہ سے زیادہ برا ہی تو مان جائیں گے۔ آپ شادی شدہ ہیں دوسرے کی ملکیت۔ آپ نے اس گھر میں زندگی کا ایک معیار قائم کیا ہے۔ مجھے اگر آپ کی طرح ایک شریف اور باعزت عورت بننے کا موقع ملتا تو میں ضرور بنتی مگر یہ میری قسمت میں نہ تھا۔

تم سچ کہتی ہو گلاب۔ رخشندہ نے ایک اور سرد آہ کھینچ کر کہا۔ مجھ پر خدا نے آج وہ دن ڈالا ہے کہ تم بیٹھی ہوئی مجھے نصیحت کر رہی ہو۔ لیکن تمہیں یہ سنکر تعجب ہوگا کہ مجھے خالد سے نفرت ہے میں انھیں اچھا نہیں سمجھتی میں اپنی زندگی کی ہر سانس کے ساتھ سلیم ہی کو یاد کرتی ہوں۔ میری رگ رگ میں وہی سمائے ہوئے ہیں۔

یہ بات تو آپ کی سمجھ میں نہیں آئی، بیگم صاحب گلاب مشکوک بھری نظروں سے رخشندہ کی طرف دیکھنے لگی۔ سلیم سے جو آپ کو محبت ہے وہ دل ہی میں سب کچھ سمجھتی ہوں کہ ایسا مجھے نہ کرنا چاہئے مگر کر رہی ہوں سلیم پر مجھے بے انتہا ترس آتا ہے میں انھیں کوئی تکلیف بھی پہنچانا نہیں چاہتی مثلاً آج ہی کا واقعہ لے لو۔ میں خالد کی یہ ملاقاتیں ان سے چھپانا چاہتی تھی مگر اتفاق کی بات وہ آئے بھی تو ایسے موقعہ پر جب میں خالد کے ساتھ گھومنے جا چکی تھی۔

بی بی جی چاہتیں تو آج بھی اس پر پردہ پڑا رہتا مگر وہ تو جیسے موقع کی منتظر تھیں۔

بی بی جی موقع شناس ہیں۔ رخشندہ کہنے لگی۔ سلیم اگر غیر ہوتے تو اس

قسم کی سینکڑوں ملاقاتوں کو وہ چھپا ڈالتیں مگر موجودہ صورت میں تو انکا مطلب یہی ہے کہ سلیم ہمیشہ کے لئے مجھ سے منحرف ہو جائیں اور میں خالد کے ساتھ پھر وہی رشتہ جوڑلوں جو ناساز گار زمانہ کے ہاتھوں ٹوٹ گیا تھا۔

نکاح ؟ یا محض تعلقات ؟ گلاب گھبرا کر پوچھنے لگی ۔

ہاں ! ہاں شادی پہلے تو خالد ہی کے ساتھ ہو رہی تھی نا ۔ موٹر کا حادثہ اگر نہ ہوتا تو شادی ہوگئی ہوتی ۔ اب پھر امی کا یہی مطلب ہے کہ شادی کسی نہ کسی طرح ہو جائے اور وہ ممکن نہیں ۔ تاوقتیکہ میرے اور سلیم کے تعلقات ہمیشہ کے لئے ختم نہ ہو جائیں ۔

آپ نے کیا فیصلہ کیا ہے ؟

میرا فیصلہ سننے سے پہلے تم اپنی رائے بتاؤ ۔

میں تو اچھا نہیں سمجھتی ۔ بیگم صاحب مگر آپ کی جگہ پر ہوتی تو سلیم ہی کی ہو کر رہتی ۔

لیکن میرا تو یہی فیصلہ ہے رخشندہ ٹھنڈی سانسیں لے لے کر کہنے لگی کہ میں سلیم کو چھوڑ دوں ۔ مجھے اپنے غم میں جو ایک لذت کا احساس ملتا ہے اس کا تقاضا بھی یہی ہے کہ سلیم مجھ سے بہت دور ہو جائیں ۔ اس حقیقت کو شاید دنیا تسلیم نہ کرے کہ میں اپنی عزیز ترین چیز کو اپنے سے الگ کرنا چاہتی ہوں مگر تم اس خاموشی اور تنہائی میں یہ بتاؤ کہ میں نے کبھی سوتے جاگتے سلیم کے متعلق کوئی برا جملہ تم سے کہا ہے ؟ جب کبھی بھی تمہارے اور میرے درمیان سلیم کا ذکر آیا ۔ میں نے اس کی تعریف کی اور یہی کہا کہ میری روح کو اس کے ساتھ ایک گہرا

لگاؤ ہے۔ مگر میں اسے چھوڑنے پر مجبور ہوں۔ سلیم کا دل اگر تم ٹٹول سکتیں تو یہی چیز تمہیں وہاں بھی ملتی۔ اس کی زندگی کی بالیدگی اور معراج میرے نام سے وابستہ ہے وہ دنیا میں بجز میرے اور کسی عورت کو نہیں پہچانتا لیکن وہ بھی مجھے فراموش ہی کرنے پر مجبور ہو گیا۔ اور اب اس کا دل بھی یہی چاہتا ہے کہ وہ مجھے چھوڑ دے دو دلوں کی قربت ایک بنیادی اصول ضرور ہے مگر میرے اور سلیم کے درمیان جو ایک رشتہ ہمیشہ سے رہا ہے وہ قربت یاد وری پر منحصر نہیں۔ نہ وہ اتنا خفیہ اور چھپا ہوا ہے کہ دنیا اسے وہ سمجھے جو وہ حقیقتاً نہیں ہے۔

میں خالد کی آغوش میں چلی جاؤں اس کی ہمیشہ کے لئے ہو جاؤں لیکن وہ سلیم کی جگہ کبھی نہیں پا سکتا۔ اس حقیقت کو سلیم بھی اپنی جگہ پر اچھی طرح سمجھتا ہے اور خالد بھی۔ محبت کی شدت، اور زیادہ تیز کرنے کے لئے زندگی کے یہ اتفاقات پیدا ہو گئے اور ان پر ہمارا کوئی قابو بھی نہیں۔ میں نے ان بدلے ہوئے حالات سے اندازہ لگا کر کہا ہے کہ سلیم کو میں چھوڑ دوں گی۔ سلیم خود بھی مجھے چھوڑنا پسند کریگا۔ لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ میں سلیم کو چھوڑ کر خالد کے ساتھ شادی کر لوں گی۔

سلیم کو آپ چاہتی تو بہت ہیں گلاب غور کرنے کے بعد کہنے لگی لیکن ان کے دل کو صدمہ پہنچانا یا آپ کا ان کی مرضی کے خلاف چلنا میری آجتک سمجھ میں نہ آسکا۔ دنیا کو تو جانے دیجئے میں جو ہر وقت آپ کے ساتھ رہتی ہوں آپکی باتیں سنتی ہوں۔ میری سمجھ میں بھی خالد اور سلیم کی جگہیں غلط موجود نہیں تو مجھے یہ یقین کر لینا پڑا تھا کہ خالد کو آپ سلیم سے زیادہ چاہتی ہیں۔ لیکن اسوقت

آپ کی باتیں سنکر مجھے یقین ہوگیا کہ میں جو کچھ سمجھی تھی وہ غلط تھا. جو باتیں آپ نے مجھے بتائی ہیں وہ کسی کو نہیں معلوم۔ بی بی جی بھی اب اس خیال سے مطمئن ہیں کہ آپ نے سلیم کو ٹھکرادیا اور خالد کی ہو بیٹھیں مگر میرا دل کبھی کبھی یہ سوچ کر گھبراتا ہے کہ اللہ جانے ان تمام باتوں کا انجام کیا ہوگا۔

انجام ہی کا مجھے بھی انتظار ہے رخشندہ کہنے لگی۔ لیکن یہ مجھے معلوم ہے کہ انجام جو کچھ بھی ہو وہ ان بدلے ہوئے حالات کی طرح اتنا عجیب غریب ہوگا کہ شاید دنیا کی سمجھ میں نہ آسکے۔ میری زندگی سننے والوں کے لئے ایک معمہ بنکر رہ جائیگی اور اس حقیقت کا فیصلہ شاید ہی کوئی کر سکے کہ میں سلیم کو خالد سے زیادہ چاہتی رہی۔ اب رہا خالد کے ساتھ گھومنا پھرنا یا اس کے ساتھ رہنا وہ ایسا ہی ہے کہ انسان اپنے انتہائی رنج وغم کے دوران میں اپنی طلب بجھانے کے لئے سگرٹ پی لے۔ تم نے دیکھا ہوگا کہ دنیا کے ہر بڑے سے بڑے غم پر سگرٹ کی ضرورت غالب آجاتی ہے اور سگرٹ پی لینے سے اس غم کی اہمیت میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔ ہمیشہ خالد کے ساتھ گھومنے پھرنے میں سلیم کا مقام اس سے نہیں چھینا گیا اور اس کی جگہ میرے دل میں اسی طرح ہے جتنی کہ پہلے روز تھی۔

گلاب نے مسکرا کر کھری کیس سگرٹ کا ڈبا اٹھا کر رخشندہ کے سامنے رکھدیا۔ دو سگرٹیں دونوں کے منہ تک پہنچکر روشن ہوگئیں۔ گلاب نے پھر کوشش کی کہ وہ محبت کے فلسفہ پر پھر رخشندہ سے کوئی سوال کرے مگر کوئی بات سمجھ میں نہ آسکی۔ رخشندہ کو برابر جمائیاں آرہی تھیں۔ دیوار پر لگی ہوئی

بڑی گھڑی نے نجمہ کے کمرہ سے صبح کے چار بجنے کا اعلان کیا۔ گلاب کی آنکھوں میں بھی نیند کا خمار بری طرح موجود تھا اور قبل اس کے کہ دونوں کی سگرٹیں ختم ہوں۔ دونوں اپنی اپنی جگہوں پر غافل ہو کر سو گئیں۔ ایش ٹرے میں پڑی ہوئی دو سگرٹیں جل رہی تھیں اور انکا دھوآں سارے کمرے میں پھیلا ہوا ادھر اُدھر اُڑتا پھر رہا تھا۔

سلیم دل برداشتہ ہو کر پھر اپنے فلیٹ پر آگیا مقفل دروازوں کو کھولنے
کے بعد وہ پھر اپنے اُسی کمرہ میں جا کر بیٹھ گیا جس کی تنہائی اس کا انتظار کر رہی
تھی۔ اس کی نظر بے اختیاری طور پر ایک ایک چیز پر پڑنے لگی۔ دونوں مسہریاں
اسی طرح پاس پاس بچھی ہوئی تھیں بچّہ کے گرد آلود جوتے ایک کونے میں پڑے
تھے جن میں اس کے لئے باپ کا پورا تصور موجود تھا۔ بچّہ نہ تھی مگر اس کے چھوٹے
چھوٹے جوتے اس کی ایک خیالی تصویر نظروں کے سامنے کھینچ رہے تھے رخشندہ
کے تمام تصورات کمرہ کی ہر چیز میں موجود تھے۔ اسوقت سلیم کو رخشندہ کی ایک
ایک بات یاد آ رہی تھی۔ صرف اس کی ذات سے کبھی یہ ویران جگہ آباد تھی،
مگر اَب؟ محض اسی ایک خیالی دھماکے سے اس کا دل زور زور سے دھڑکنے
لگا۔ دیواروں پر رخشندہ کی کئی تصویریں اب تک آویزاں تھیں وہ باری باری

سے ہر تصویر سے مخاطب ہوتا رہا۔ ان بدلے ہوئے حالات کے نشانات کسی تصویر میں موجود نہ تھے۔ رخشندہ اتنی ہی معصوم اور رحمدل نظر آ رہی تھی جتنا کہ اسے حقیقتاً ہونا چاہیئے تھا۔ سلیم نے اس تھوڑے سے عرصہ میں کئی قالب بدلے کبھی تو وہ بے انتہا خوش خوش نظر آتا کبھی رنج و غم کو اپنے اوپر اس طرح مسلط کر لے تا جیسے دنیا کا سب سے بدقسمت انسان ہو۔ ان تمام چیزوں کا جائزہ لیتے ہوئے وہ اپنے کسی خوفناک ارادے سے کھیل رہا تھا۔ کچھ چیزیں لاشعوری طور پر اس کے دل و دماغ پر قبضہ کر رہی تھیں۔ ذرا دیر کے لئے اس نے یہ بھی سوچا کہ وہ اس دکھ بھری زندگی سے ہمیشہ کے لئے پیچھا کیوں نہ چھڑا لے مگر خودکشی کرنیکی ہمت جواب دیتی چلی گئی۔ اس نے محسوس کیا کہ وہ بزدل ہے اور شاید زندگی کی ہر نعمت کے ساتھ زندہ رہنا چاہتا ہے لیکن اگر موت کی وہ آغوش میں چلا جائے اور اس کا اثر رخشندہ پر کیا ہوگا؟ ایک ایسی مضحکہ خیز موت کے مرنے سے کیا فائدہ؟

اس امید و بیم کی حالت میں صبح کے چار بج گئے اور وہ اپنے متعلق کوئی صحیح فیصلہ نہ کر سکا۔ ایک سگرٹ کے بعد دوسری سگرٹ دوسری کے بعد تیسری یہاں تک کہ بے شمار سگرٹیں اس نے اس عرصہ میں ختم کر ڈالیں لیکن زندگی کا پروگرام جو رخشندہ کے ساتھ مل کر مرتب ہو سکتا تھا۔ نامکمل ہی رہا۔ آخرکار سلیم کو بھی سولی پر بھی نیند آ ہی گئی۔ نہ کپڑے اتارنے کا ہوش نہ پیروں سے جوتا اور موزے الگ کرنے کی فکر۔ وہ اسی حالت میں مسہری کا سہارا لے کر اس طرح سو گیا جیسے کوئی تھکا ہارا مسافر راہ چلتے چلتے کسی سایہ دار درخت کے نیچے پہنچکر

اپنی آنکھیں بند کر لیتا ہے۔

کئی گھنٹے تک سلیم کی آنکھیں اسی طرح بند رہیں ایک پوری مدہوشی کی نیند لینے کے بعد جب اس نے آنکھیں کھولیں تو مسہری کے قریب پڑی ہوئی کرسی پر رخشندہ بیٹھی ہوئی کمرہ کی ایک ایک چیز کو بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔ رخشندہ کی موجودگی کے احساس کے ساتھ اسے یہ قطعی شک نہیں گذرا کہ وہ اس قسم کا کوئی خواب بھی دیکھ سکتا ہے۔ اسے اپنی عقل پر اب تک پورا اعتماد تھا رخشندہ کو پہلی ہی نظر میں پہچاننے کے بعد وہ اٹھ کر بیٹھ گیا اور بغیر کچھ کہے ہوئے باتھ روم میں جا کر منہ ہاتھ دھونے لگا۔ اتنی دیر میں رخشندہ نے جلدی جلدی اس کی مسہری کا بستر ٹھیک کر دیا جو رات دن کی مسلسل شکنوں کے بعد کچھ عجیب سا بن گیا تھا۔ سنگار دان کی میز صاف کر دی اور خصوصیت کے ساتھ اس کا کنگھا اور برش ٹھیک کرنے لگی جس پر گرد جم چکی تھی اور جسے وہ باتھ روم سے نکلنے کے بعد استعمال بھی کرنیوالا تھا۔ باہر نکلنے کے بھی سلیم نے رخشندہ سے اس طرح اچانک آنے کی وجہ نہیں پوچھی مگر قد آدم آئینہ کے سامنے کھڑے ہو کر جب اس نے بالوں میں کنگھا کرنا شروع کیا تو اس نے شکریہ ادا کرنے کے لئے پہلی دفعہ اپنی آواز نکالی۔ وہ کہنے لگا۔

میں اس قابل تو نہیں ہوں کہ تمہارا شکر گذار بنوں۔ مگر تمہاری اس زحمت سے مجھے بے حد شرمندگی ہوئی۔

ضرور ہوئی ہوگی رخشندہ کہنے لگی۔ میں اپنے فرائض بھلا بیٹھی اور تم مجھے غیر سمجھنے لگے۔

تمہیں اپنا بھی اگر سمجھوں تب بھی تمہاری اس قسم کی تکلیفیں میرے لئے ناقابل برداشت ہوں گی سلیم نے بظاہر خندہ پیشانی سے کہنا شروع کیا۔ تم یہ بتاؤ کہ اس وقت آنے کی زحمت کیوں کی۔

تمہاری قوت صبر کو دیکھنے کے لئے۔

پھر کیا دیکھا؟

جیسا کہ خیال تھا اور جس کی امید تھی۔ رخشندہ کہنے لگی۔ سنا ہے کل تم امی کے یہاں آئے تھے؟

سنا ہوگا اگر وہاں موجود ہوتیں تو دیکھتیں بھی۔

تمہارے لئے کچھ سننا میرے لئے دیکھنے کے برابر ہوتا ہے۔

تو پھر تم نے میرا آنا دیکھا بھی۔ اس وقت گھر پر موجود نہیں تو کیا؟

ہوتی تو کیا تم مجھے نہ دیکھتے؟ میں دراصل نہ تھی ورنہ تم اس قدر آزردہ ہوکر نہ لوٹتے۔

میں نے کہا شاید مجھ سے ملنا نہ پسند کیا ہو حالانکہ مجھے تم سے ایسی امید نہ تھی۔

کیوں۔ امیدیں کیا اب تک بدستور زندہ ہیں؟

قصور میرا یا تمہارا ہو سکتا ہے، امیدوں نے کیا کیا؟ انھیں تو زندہ رہنا ہی چاہئے۔

رخشندہ ایک قہقہہ لگا کر ہنس پڑی حالانکہ اس کا دل رونے کے لئے مچل رہا تھا۔ سلیم کی قناعت اس کی مستقل مزاجی آج بھی اپنی جگہ پر اتنی ہی مستحکم

تھی جتنی کہ پہلے روز۔ وہ کہنے لگی۔

اول تو وہ میرا گھر نہ تھا جہاں تم مجھے دیکھنے گئے۔ دوسرے تمہارے آنے کی مجھے کوئی اطلاع نہ تھی۔ میں نے تو یہ سمجھ لیا تھا کہ تمہارے مبارک قدم اس گھر میں کبھی نہ آئیں گے۔ اس لئے بیں وقت بے وقت جب بھی خالد مجھے لینے آئے میں ان کے ہمراہ نکل گئی۔ امی نے تم سے یہ سچ کہا تھا کہ میں خالد کے ساتھ گھومنے گئی ہوں۔ وہ تمہارے ہی دوست ہیں اور تمہیں ان پر بھروسہ ہونا چاہیئے۔

سلیم نے رخشندہ کو کوئی تلخ جواب دینا چاہا مگر فوراً ہی سنبھل کر اس نے اپنی رائے بدل دی وہ کہنے لگا:۔

خالد میرے دوست ہیں مگر بھروسہ ان پر تمہیں زیادہ کرنا چاہیئے اسلئے کہ تمہارے تعلقات ان سے براہ راست ہیں۔ ان کی رہائی کے بعد میں انسے مِل بھی نہ سکا۔ نہ معلوم اب ان میں ایک دوست کی خوبیاں باقی بھی ہیں یا ختم ہو گئیں۔

اس کا جواب اگر اجازت ہو تو میں تمہیں دیدوں رخشندہ کہنے لگی آج سے چند برس پہلے جس قسم کی صلاحیتیں ان میں موجود تھیں وہ اب بھی ہیں۔ ان کا مقصد بھی وہی ہے جو پہلے تھا صرف فرق یہ ہے کہ پہلے وہ تمہیں ایک دوست کی حیثیت سے جانتے تھے اب بھول چکے ہیں مگر اس طرف تمہارا کوئی تذکرہ ان کی زبان پر نہیں آیا۔ کم از کم مجھ سے انھوں نے تمہاری بابت کچھ نہیں پوچھا اور جب انھوں نے خود سے یہ خواہش نہیں کی تو میں نے انھیں تمہاری بابت کچھ

بتلانا ہی بیکار سمجھا۔ وہ تقریباً ہر روز میرے یہاں حسب معمول شام کو آجاتے ہیں، اور مجھے لے کر چلے جاتے ہیں۔ آج بھی اتنے ہی پُر کیف دن ہیں اور اتنی ہی بہار آفریں راتیں۔ مگر میں ان تمام چیزوں کو نظر انداز کر کے یہی سوچا کرتی ہوں کہ ان پر بھروسہ کروں یا نہ کروں۔ اس امید و بیم بھری انجمن میں جب میں کسی نتیجہ پر نہ پہنچ سکی تو سوچا کہ تمہیں سے چل کر مشورہ کروں۔

میرا تو یہ خیال ہے کہ تم ان پر بھروسہ ضرور کرو۔ سلیم نے سنجیدہ بنکر رخشندہ کو جواب دینا شروع کیا۔ زندگی کی یہ جدوجہد اسی وقت ختم ہو سکتی ہے جب تم کسی قطعی نتیجہ پر پہنچو۔ خالد اپنی محبت کے بل بوتے پر شاید تمہارا اتنا ہی مستحق ہے جتنا کہ میں۔ مجھ پر بھروسہ کر چکیں اور شاید میرے دعوے بھی باطل ہو چکے، نہ میں تمہارے کسی کام آسکا نہ میری محبت تمہیں سکون دے سکی اسلئے میری رائے میں تم خالد کو ضرور آزماؤ۔

لیکن آپ کی امانت بنکر رخشندہ کہنے لگی۔

میری امانت بننا شاید تمہیں زیب نہ دے سکے۔ اس لئے تم مجھے یہ بتاؤ کہ کیا حقیقتاً تمہیں خالد سے محبت ہے؟

یہ سوال تو تمہارا بہت پرانا ہے۔ رخشندہ سلیم کے سنجیدہ چہرہ کی طرف دیکھ کر کہنے لگی۔ اسی ایک خیال نے تمہاری زندگی کو تباہ کر ڈالا۔ اس کا جواب بھی میں نے تمہیں بارہا دیا ہے مگر تم اس پر کوئی یقین نہیں رکھتے اور میں اپنے جواب کو بار بار دہرانا پسند نہیں کرتی۔ خالد سے اگر محبت ہے تو وہ کوئی بچوں کا کھیل نہیں جو دو لفظوں میں تم سے بیان کر دی جائے اور اگر نہیں ہے تو حالات

اور واقعات کا جھٹلانا میرے بس کی بات نہیں۔

واقعات تو شاید جھٹلائے نہیں جا سکتے؟ سلیم پوچھنے لگا۔

نہیں

تم روزانہ ان کے ساتھ گھومنے بھی جاتی ہو؟

ہاں!

تمہیں شاید اس کا بھی احساس ہوگا کہ تم نے میرے گھر سے جانیکے بعد مجھے پوری طرح سے فراموش کر دیا؟

ہاں!

اس کے باوجود تمہیں مجھ سے مشورہ لینے کی ضرورت ہے؟ یا تو تم انسانیت سے گریز کر بیٹھی ہو یا میرا دماغ خراب ہو گیا ہے۔

ہر قسم کا اقبال جرم کرنے کے بعد رخشندہ خاموش ہو گئی اب سلیم کو کسی قسم کا جواب دینا اس کے اختیار سے باہر تھا بمشکل تمام اس نے پھر ایک مرتبہ ہاں" ہاں" کہنے کی ہمت کی مگر نہ کہہ سکی۔ آخر کار سلیم ہی نے اس کو سمجھاتے ہوئے زبان کھولی:-

میں نے تو یہ سب کچھ ابتدا ہی میں دیکھ لیا تھا اور تم سے منع بھی کیا تھا کہ تم مجھ سے الگ ہٹ کر اتنی دور کھڑی ہو جاؤ۔ جہاں سے تمہاری نظر انتخاب اپنا پورا کام کر سکے مگر تم نے نہ مانا۔ اب بھی گیا تو کچھ نہیں ہے بجز اس کے کہ تم نجمہ کی ماں ہو۔ یہ مقابلہ میرے اور خالد کے درمیان نہیں بلکہ تمہارے اور نجمہ کے درمیان ہے۔ میری طرح تم بھی اس حقیقت کا تماشا دیکھو کہ اس جنگ

کون جیتتا ہے۔ تم اگر نجمہ کی معصومیت کو شکست دے سکو تو شوق سے خالد کو اپنا مجازی خدا بنالو ورنہ یہ ویران گھر تمہاری ہی زینت کا محتاج تھا اور اب بھی ہے۔ زندگی بھر ناکامی کے بعد بھی اپنا کوئی نہ کوئی راستہ تلاش کر لیتی ہے اور اور اسی ایک امید پہ شاید مجھے بھی زندہ رہنے کا حق ہوگا۔ تمہاری اطلاع کے لئے کہتا ہوں کہ اس دوران میں میں نے کئی مرتبہ خودکشی کرنے کا ارادہ کیا مگر نہ کرسکا۔ موت کے ڈر سے نہیں بلکہ اس خیال سے کہ نجمہ یتیم ہوجائیگی میرے بعد تمہاری تربیت نجمہ کو ویسی عورت نہ بنا سکے گی جیسا کہ اسے ہونا چاہیئے۔

تمہارا کیا خیال ہے رخشندہ پوچھنے لگی۔ اگر بجائے تمہارے میں نجمہ کی پرورش کروں تو اسے ایک باعزت عورت بننے کا موقع نہ ملیگا۔

میرا صرف خیال ہی نہیں بلکہ مجھے یقین بھی ہے۔ شرافت کوئی ایسی چیز نہیں جسے خریدا جاسکے۔ اسے تو بونا اور کاٹنا پڑتا ہے۔ اس روشنی میں تم اپنے اوپر نظر ڈالو اور فیصلہ کرو کہ تم نجمہ کو ایک باوقار عورت بنا سکتی ہو؟ اور بفرضِ محال اگر تم سے اپنے نقشِ قدم پہ چلانا بھی چاہو تو کیا تمہاری ماں تمہیں ایسا کرنے دیں گی؟

یہ سب کچھ شاید تم اس لئے کہہ رہے ہو کہ نجمہ پر تمہارا بحیثیت ایک باپ کے حق ہے۔ میری ماں جب مجھے اپنے نقشِ قدم پہ نہ چلاسکیں تو نجمہ کو گمراہ کرنے میں کس طرح کامیاب ہوسکتی ہیں۔ البتہ اگر تمہیں میرے اوپر بھی شک ہو اور یقیناً ہوگا تو یہ اور بات ہے

تم نے خود ہی اپنی بات کا جواب دے لیا۔ سلیم نے رخشندہ کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھ کر کہا

تمہاری ذات اور کسی قسم کا شک میرے لئے ہمیشہ متضاد چیزیں تھیں بہت دنوں تک اس خوبصورت فریب سے کھیلتا رہا کہ میرے لئے تمہارے اندر دنیا کا ہر اچھا تصور موجود ہے۔ یہ امیدیں جب ایک ایک کر کے ٹوٹ گئیں تو مجھے اپنے خیالات بھی بدلنا پڑے۔ تمہیں اچھا سمجھنے میں بھی میں نے عجلت سے کام نہیں لیا تھا اور آج اپنا خیال بدلنے میں بھی میں نے جلدی نہیں کی۔ تمہارے اس کرم کو میں کیا سمجھوں کہ آج تم آئیں بھی تو نجمہ کو اپنے ساتھ نہ لائیں۔ مجھے اگر بحیثیت باپ کے اس پر کچھ بھی حق ہوتا تو تمہاری گود سے جا کر اسے چھین لیتا مگر میں جب تمہارا ہی کچھ نہ رہا تو نجمہ پر میرا کیا حق ہے؟

نجمہ کو امی ہی نے نہیں آنے دیا ورنہ وہ میرے ساتھ آ رہی تھی۔ یہ سچ ہے کہ اس کی تربیت میں ان کی ذات کو بڑا دخل ہے مگر صرف لاڈ اور پیار تک۔

بڑھتے بڑھتے یہی چیز ساری زندگی پر چھا جاتی ہے۔ تمہاری امی اگر اسے یہاں آنے دیتیں تو میں بھی صرف لاڈ پیار ہی کرتا۔

رخشندہ کا دل تڑپ کر رہ گیا کچھ تو اس بیچارگی پر کہ سلیم کچھ نہیں کر سکتا اس کے علاوہ جو ماں کا دل اس کے پاس ہے وہی باپ کا دل سلیم کے پاس۔

وہ گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی اور جانے لگی کہ وہ بھی کچھ نہ کر سکتی تھی

اس لئے اس نے سلیم کے پاس زیادہ دیر رکنا مناسب نہ سمجھا۔ وہ کمرے سے باہر نکلی تب بھی سلیم دیکھتا رہا۔ پھر وہ فلیٹ سے باہر نکل کر جب ٹیکسی پر بیٹھی تب بھی سلیم دیکھ ہی رہا تھا اور زبان خاموش تھی +

خالد کی گاڑی کسی سنسان سڑک پر دریا کی موجوں کی طرح سے بہتی ہوئی چلی جا رہی تھی۔ آج بھی اسٹرینگ پر اس کا صرف ایک ہی ہاتھ تھا اور دوسرا ہاتھ رخشندہ کی گردن میں حمائل۔ معمولی سی دست درازی پر وہ اک دم سے چونک پڑتی اب۔ اسے بار بار یہ خیال آجاتا تھا کہ اس قسم کی لاپرواہیوں کی بدولت پھر کہیں کوئی حادثہ نہ ہو جائے رخشندہ خالد کے اس ہاتھ کو جب جا اور بیجا مقاموں سے ہٹا کر ناراض ہوتی تو وہ اسے سمجھانے لگتا۔

ڈارلنگ۔ اتفاقات روز روز نہیں ہوا کرتے۔ وہ ایک ناگہانی بات تھی جو ہوگئی۔ اب اسے اپنے دماغ سے بالکل نکال دو۔

موٹر کی پچھلی سیٹ پر نجمہ اکیلی بیٹھی تھی اور رخشندہ کو بار بار اسی کا خیال آجاتا تھا۔ اس نے دھیمے سے کہا۔

بجمہ کا تو خیال کرو یہ گھر جا کر امی سے ایک ایک بات بتلائیگی۔
تمہاری امی میرے لئے کسی کام میں مخل نہیں ہوسکتیں انھیں میری طبیعت کا خوب اندازہ ہے۔
مگر یہ تو سوچو کہ میں پرائی امانت ہوں۔ تمہارا میرے اوپر حق ہی کیا ہے؟

یہ میں نے سب کچھ سوچ لیا۔ خالد نے اور زیادہ گرمجوشی سے رخشندہ کو اپنے قریب کھسکا کر کہا۔ تم پہلے سے میری امانت تھیں اور اب بھی ہو تمہیں مجھ سے دنیا کی کوئی طاقت نہیں چھین سکتی۔"

تمہارے آتے ہی میں اسی خیال سے ڈر کر کانپ اٹھی تھی کہ تم پھر مجھے سلیم سے چھین لوگے اور وہی ہوا۔ ذرا سوچو کہ اس شخص کے ساتھ تم نے دوست بن کر کیا کیا۔ یقین کرو میں اس کی زندگی کی فصل بہار تھی۔ یہ اندازہ مجھے تمہارے جیل جانے کے بعد اس کے ساتھ رہ کر ہوا۔ میں نے دو انسانوں کے ساتھ محبت کا وہ رشتہ نہیں دیکھا جو سلیم کے اور میرے درمیان تھا مگر تم تو حقیقتاً خدائی فوجدار ہو۔ تمہارے اختیار میں سب کچھ ہے انسان کے پاس دولت ہو تو وہ اس سے سب کچھ خرید سکتا ہے۔ عزت۔ دل محبت اور تم نے بھی سب کچھ خرید کر سلیم کو برباد کیا۔ اسے تم نے دنیا میں کسی قابل نہیں رکھا۔ خود ہی اس کی چیز ایک دفعہ اس کو واپس کی اور پھر جب وہ اسے اپنی زندگی سمجھنے لگا تو چھین لی۔
بس جب کبھی تمہاری دولت کو بھول کر تم پر اور سلیم پر ایک ساتھ

نظر دوڑاتی ہوں تو مجھے تم میں اس قسم کی بے شمار خامیاں نظر آتی ہیں۔ تم بعض اوقات انسانیت کی حد سے اس قدر گر جاتے ہو جہاں حیوانیت بھی نہیں ٹھیر سکتی۔

خالد کے اب دونوں ہاتھ اسٹرنیگ پر تھے۔ رخشندہ نے ایک باوقار طریقہ پر جب اسے سمجھایا تو وہ ذرا سا کھسک کر اس کے پہلو سے الگ ہوگیا۔ موٹر اسی اسپیڈ سے اب گھر کی طرف جا رہی تھی۔ خالد کو اپنی اس حرکت پر ندامت بھی تھی اور افسوس بھی۔ وہ اب تک سلیم سے ملا بھی نہ تھا۔ رخشندہ کی موجودگی میں اسے سلیم سے ملنے کا خیال ہی نہ آیا۔ لیکن اس قسم کے فوری جذبہ کے تحت اب وہ خود ہی اپنے اس خیال سے آنکھیں چرائے ہوئے تھا۔ اس نے مصمم ارادہ کر لیا کہ وہ رخشندہ کو اس کے گھر پر اتار کر سیدھا اسی کے پاس جائیگا۔ اس شخص کے پاس جسے آج بھی دنیا خالد کا دوست ہی سمجھتی ہے اور جس نے دوستی کا حق بھی ادا کیا۔ خالد اپنے انھیں خیالوں میں غلطاں پیچاں آبادی کی طرف بڑھا چلا جا رہا تھا کہ ناگہاں رخشندہ نے اُسے پھر ٹوکا۔

کیا میری کوئی بات بُری لگ گئی؟ ایکدم سے اس قدر خاموش کیوں ہو گئے تم؟

تم نے ٹھیک کہا تھا رخشندہ کہ میرے پاس اب میرا انسانی کردار بھی نہیں ہے۔ اور یہ بھی سچ ہے کہ میں نے جو کچھ سلیم کے ساتھ کیا وہ اس کے دشمن کو بھی کرتے ہوئے زیب نہ دیتا۔ میں دوست ہونے کا دعویٰ تو نہیں کرتا لیکن میں اس کا دشمن ہو کر بھی اس سے شرمندہ ہوں۔

آبادی کے آثار شروع ہی ہوئے تھے کہ گاڑی ایکدم ڈیڈ اسٹاپ ہوگئی۔

وہ اتفاق جو زندگی میں کبھی کبھی رونما ہوتا ہے پھر ہو گیا۔ خالد کی بد حواسی کا عالم شاید یہی تھا جب اس نے دوبارہ اپنے آپ کو پہچاننے کی کوشش کی قطعی بے اختیاری طور پر آج پھر اس کی موٹر کسی راہ چلنے سے جا کر ٹکرا گئی۔ موٹر کو خالد نے فوراً روکا مگر اس وقت تک اگلا پہیہ گرنے والے کی گردن پر چل چکا تھا۔ اور اس کے منہ اور ناک سے خون کے فوارے چل رہے تھے۔ آج اس حادثہ کے وقت مجمع بھی تھا۔ رخشندہ اور خالد بھی موٹر سے نیچے اتر کر زخمی شخص کو پہیے کے نیچے سے نکالنے کی کوشش کر رہے تھے۔ غرضیکہ بمشکل تمام جب جسم کو پہیے سے الگ کر دیا گیا تو شکل کا پہچاننا مشکل ہو گیا۔ نجمہ ڈر کر برابر روئے جا رہی تھی۔ رخشندہ کے حواس درست نہ تھے، اور وہ یہ سوچ ہی رہی تھی کہ آج نہ جانے کس گھر کا چراغ گل ہو گیا کہ اس بگڑی ہوئی شکل کی زبان پر اس کا نام آ گیا۔

رخشندہ!

وہ اکدم سے چلا چلا کر رونے لگی۔ اس بگڑی ہوئی شکل نے پھر کہا۔

میں سلیم ہوں، میں زندگی بھر تمہیں یہی بتلاتا رہا کہ میں سلیم ہوں، خالد نہیں۔ تم نہ مجھے نام ہی سے پہچان سکیں اور نہ شکل و صورت سے پھر بھلا اس بگڑے ہوئے چہرہ سے تمہیں کیا تمیز ہوتی۔ تم نے زندگی بھر مجھے تکلیفیں دیں اس آخری وقت میں میری ایک آرزو پوری کر دو اور وہ یہ کہ نجمہ کو میرے سینہ سے لگا دو تاکہ میرا دم آسانی سے نکل جائے۔

نجمہ خود ہی بے تاب ہو کر باپ کے سینہ سے جا کر چمٹ گئی نہ جانے کتنی مدت کے بعد۔ آج اس نے دل کی پھر وہی دھڑکن سنی جو ہر اولاد کو ایک

باپ کے سینہ میں سنائی دیتی ہے۔ بجمہ زارو قطار رو رہی تھی اور سلیم اسے تھپکیاں دے دے کر اب بھی بہلا رہا تھا۔

میری بچی! تو اپنی ماں کے ساتھ موٹر پر گھومنے نہ نکلا کر ورنہ میری روح تیری حفاظت کے لئے نکلا کریگی۔

بجمہ کو معصومیت کے ساتھ اپنی زبان میں ایکدفعہ پھر یہ کہنا پڑا۔

"ممی بری بری ڈیڈی اچھے اچھے"

اتنا بڑا حادثہ ایک معمہ بن کر رہ گیا۔ کسی کی سمجھ میں یہ بات نہ آسکی کہ سلیم
موٹر کی زد میں کیسے آگیا۔ اتنے بڑے واقعہ کو محض ایک اتفاق کہہ کر ٹال دینا
قرینِ قیاس نہ تھا اس لئے لوگوں کا شک یہی تھا کہ سلیم نے خود اس طرح
موٹر کے نیچے آکر اپنے کو ہلاک کرنا چاہا ہوگا۔ اس کے اس بری طرح زخمی
ہوجانے کی وجہ سے کسی حقیقت کا انکشاف نہ ہوسکا۔ دل و دماغ کے
ساتھ جو چوٹیں جسم کے دوسرے حصوں پر آئی تھیں انھوں نے اس کی شکل
ہی بدل دی اور وہ زندگی کے ان بچے کھچے دنوں کو ختم کرنے کے لئے شہر
کے اسپتال میں داخل کر دیا گیا۔ وہ اگر کچھ بھی اپنے ہوش و حواس میں
ہوتا تو کسی نہ کسی طرح اس واقعہ پر روشنی ضرور پڑتی وہ اگر اپنی زبان سے
سے وارداتِ قلب کا اظہار نہ بھی کرتا تو قرائن خود بخود غمازی کرتے مگر اسکی

خاموشی اس بیاز کو معمہ بناتی چلی گئی۔ اسپتال میں اس کی تیمار داری کرنے والوں میں سب سے پیش پیش رخشندہ ہی تھی اسی پر اس حادثہ کا سب سے شدید اثر بھی تھا اس لئے کہ زندگی خواہ کسی حد تک بھٹک کر گمراہ ہو جائے مگر فطرت کے تقاضوں کو کبھی نہ کبھی پورا کرتی ہے۔

اپنی اس مختصر سی عمر میں رخشندہ نے زندگی کے کئی قالب بدلے لیکن محبت کی جڑیں جو سلیم کے لئے دل کے کسی گوشہ میں باقی رہ گئی تھیں کچھ نہ کچھ کام کرتی رہیں اس کا ضمیر اسے للکارتا رہا۔ عمر کا زیادہ حصہ معصیت میں گذار کر وہ روئی، نادم ہوئی، موت کے دور لبے پر آ کر کھڑا ہو گیا تو وہ لرز اٹھی۔ وہ محبت جو خالد کی آلودگیوں میں قید تھی اک دم سے آزاد ہو کر پھر بھڑ اٹھی۔ اب خود رخشندہ کو نہیں بلکہ اس کی روح کو سلیم کی تلاش تھی۔ صبح و شام کی دعاؤں میں وہ اپنے ساتھ نجمہ کو بھی شریک کرتیں اس کے نزدیک اس کے عصیاں اب دعاؤں کی حد سے تجاوز کر چکے تھے اور یہ خیال دل کے کسی گوشہ میں عقیدت بن کر زندہ رہ گیا تھا کہ شاید نجمہ کی معصومیت اور بے گناہی آڑے ہاتھوں آ جائے۔ ماں کے ساتھ نجمہ کے یہ جملے ورد زبان ہو گئے تھے کہ ڈیڈی زندہ رہیں ڈیڈی اچھے ہو جائیں۔ ڈیڈی باتیں کریں مگر ان معصومانہ دعاؤں کے اثرات بھی زائل ہو کر اس قدر بے سود ہو چکے تھے کہ مریض پر نہ کچھ دوائیں کارگر ہو رہی تھیں نہ دعائیں۔ حالت جتنی زیادہ بگڑتی جاتی تھی کوششوں میں اتنا ہی انہماک بھی بڑھتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ ایک دن وہ بھی آیا کہ زندگی موت سے برسرپیکار ہو گئی اب یا تو معاملہ اس سرے تھا یا اس سرے۔

اسپتال میں آنے والوں کی تعدادیوں تو اچھی خاصی تھی مگر خالد اور نرگس نے تو کبھی ناغہ نہیں کیا۔ یہ دونوں صبح ہوتے ہی پہلا کام یہی کرتے کہ سلیم کے وارڈ میں جاکر اس کی خیریت معلوم کر لیتے۔ گلاب بھی دوسرے تیسرے روز آکر ایک چکر لگا جاتی اس کے دل پر بھی رخشندہ کے اس طرح برباد ہوجانے کا بڑا اثر تھا۔

خالد کو اپنی حرکتوں پر بے انتہا ندامت تھی۔ اس حادثہ سے ذرا دیر قبل رخشندہ نے اپنے کو جس کی امانت کہہ کر اسے شرم دلائی تھی وہ اس کی آنکھوں کے سامنے بے حس وحرکت پڑا رہتا وہ نہ اب خالد کی ندامت کو محسوس کرسکتا تھا نہ رخشندہ کی عجزوانکساری کو۔ اکھڑی اکھڑی دو چار سانسیں جو سینہ کے اندر محفوظ رہ گئی تھیں۔ ان میں نہ ندامت اضافہ کرسکتی تھی نہ کسی کی آہ وزاری۔ خالد کو دراصل یہی شرم اور بھی مارے ڈالتی تھی کہ وہ سلیم کے روبرو اپنے گناہوں کی معافی بھی مانگ سکتا۔ نرگس کو آج بھی اس کی زندگی سے کوئی ہمدردی نہ تھی بلکہ وہ مطمئن تھی کہ زندگی کا یہ ڈراما آخر کار اپنے نکتۂ عروج پر پہنچکر کسی نہ کسی طرح ختم ہوا۔ رخشندہ کی غیر اطمینان بخش حالت اس کی نظروں میں کھٹکی مگر وہ یہ سمجھکر خاموش رہی کہ یہ بجھتے ہوئے چراغ کی بھڑکی ہوئی لو ہے۔ چراغ بجھ جائیگا تو زندگی سکون پذیر ہوکر پھر پہلے کی طرح مطمئن اور بشاش بنجائیگی۔

ریحانہ کو اس حادثہ کی اطلاع بہت بعد میں ہوئی۔ اس نے خود ہی ایک دفعہ نرگس کے گھر ٹیلی فون کرکے سب کی خیریت معلوم کرنا چاہی تو اسے یہ افسوسناک خبر سنائی گئی۔ وہ سیدھی اسکول سے بھاگی ہوئی اسپتال آئی۔ رخشندہ کی

محویت اور تیمارداری کا جو عالم اس نے دیکھا اس پر اسے کچھ مذاق بھی سوجھا مگر حالات اور خود ماحول اسقدر سنجیدہ اور خاموش تھے کہ زبان کھولنے کی ہمت نہ ہوئی سلیم کے ساتھ رخشندہ کی انسیت یا تو اس نے اس وقت دیکھی تھی جب اس نے اپنے گھر سے اس کا بیاہ کیا یا آج جب سلیم کے بےحس و حرکت جسم میں زندگی کا بظاہر کوئی نشان موجود نہ تھا۔ وہ کہنے لگی۔

آخرکار وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔

ڈر اس قسم کے حادثہ کا تو کبھی بھی نہ تھا۔ رخشندہ کہنے لگی نہ معلوم یہ کیسے اس کی زد میں آ گئے۔

زد میں آ جانا کچھ ایسا بعید نہ تھا۔ پہلے تمہاری زد میں آ گئے پھر خاندان کی۔ تم دونوں کے بعد موٹر ہی باقی رہ گیا تھا اس لئے وہ بھی اپنی زد میں لے ہی آیا۔

تمہاری یہ طنز بھری باتیں بڑی مبارک ہوں گی ریحانہ اگر سلیم کو خدا نے دوبارہ زندگی بخشی۔

آمین! ریحانہ کہنے لگی۔ تمہارے افسردہ دل سے یہ آہیں دعائیں بن کر نکل رہی ہیں وہ اپنا اثر ضرور کریں گی۔

نجمہ پاس ہی کھڑی ہوئی انتہائی معصومیت سے دونوں کی باتیں سن رہی تھی۔ اس لئے ریحانہ نے اس کا کمھلایا ہوا چہرہ دیکھ کر اسے فوراً اپنے زانو پر بٹھا لیا۔ سلیم کی زندگی کے متعلق جب کبھی کوئی بات کرتا تو وہ بہت غور سے سنا کرتی۔ ریحانہ نے محبت سے اس کے گالوں کو تھپتھپا کر پوچھا۔

دعا کرتی ہو ڈیڈی کے لئے؟

ہاں ڈیڈی اچھے اچھے۔

کچھ پوچھو نہ۔ کسقدر محبت ہے اسکو باپ سے رخشندہ نے بتلانا شروع کیا۔ سارا دن اس کا اسی طرح دعائیں مانگتے ہوئے گذر جاتا ہے مجھے تو امید نہیں کہ خدا اس کی دعاؤں کو بھی شرف قبولیت بخشے۔ حالت بہت زیادہ بگڑ چکی ہے۔

دیکھو۔ ریحانہ بھی مشکوک بھرے انداز میں بولی۔ اس کے کرشموں میں معصومیت اور بے گناہی اگر دخل انداز ہو سکتی ہے تو کچھ نہ کچھ نتیجہ ضرور برآمد ہوگا۔ لیکن اگر غور کرو تو نہ معصومیت مورد الزام ہو سکتی ہے نہ اسکی کرشمہ سازی، بلکہ ترازو کے پلڑے میں ہمارے گناہوں کا بوجھ اس قدر وزنی ہوتا ہے کہ دوسرے پلڑے کی معصومیت اور بے گناہی اسے جھکا نہیں پاتی۔

شاید ایسا ہی ہو رخشندہ کہنے لگی میری دعاؤں میں بھی کی دعائیں اسی لئے کچھ اپنا کام نہ کر سکیں، قوت سماعت بھی اب ان میں باقی نہیں رہی ورنہ ان سے معافی مانگ کر کچھ تو اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر لیتی۔ بینائی بھی کام نہیں کرتی اور نہ مجھے اپنی نظروں کے سامنے دیکھکر برا بھلا بھی کہتے تو میں اسے عبادت سمجھ کر قبول کرتی۔ افسوس ہے کہ یہ سارے جذبے میرے اندر پیدا بھی ہوئے تو اس وقت جب یہ دنیا سے رخصت ہو رہے ہیں۔

ایسا ہی ہوتا ہے بہن۔ میں نے تو کتابوں میں پڑھا ہے کہ گناہ کی دو شکلیں ہوتی ہیں جس وقت وہ کیا جائے تو اس کی شکل انتہائی دیدہ زیب ہوتی ہے۔ مگر کر چکنے کے بعد وہی خوب صورت شکل اسقدر بھیانک

بن جاتی ہے کہ کچھ نہ پوچھو۔ گناہ مجھ سے بھی سرزد ہوئے ہیں اور بہت رنگین قسم کے مگر ان کی ڈراؤنی شکلیں بھی میری نظروں کے سامنے ہیں جنہیں دیکھ کر میں لرز اٹھتی ہوں۔ بس اللہ ہی ہم دونوں پر اپنا فضل وکرم رکھے۔

میں تو اپنے گناہوں کے سلسلہ میں کبھی خدا کو یاد نہیں کرتی رخشندہ نے بتایا۔ گناہ کرتے وقت جب خدا کا خیال نہیں آیا تو اس کے بھگتنے وقت اسے کیوں یاد کروں۔ مجھے اپنی زندگی کے بارے میں یہ شعر بہت پسند ہے۔

سفینہ جب کہ کنارے پہ آ گیا غالبؔ
خدا سے کیا ستم و جورِ نا خدا کہیے

سفینہ ابھی کنارے پہ کہاں آلگا وہ تو منجدھار میں ہے۔ تمہارے رنج و غم کو تو میں زیادہ اہمیت نہیں دیتی البتہ نجمہ کے لئے یہ تشویش ضرور ہے کہ اگر خدانخواستہ کچھ اونچ نیچ ہو گئی تو اس کا کیا بنے گا۔

کیوں میرے رنج وغم کو تم نے کیوں نہ اہمیت دی؟

یہ مجھ سے پوچھ کر کیا کرو گی۔ ریحانہ کہنے لگی خود اپنے دل سے اندازہ لگالو۔

تمہارے نزدیک میرے اوپر ان کی زندگی اور موت کا کوئی اثر نہ ہونا چاہیے؟

ہیجانی اثر تو غیروں کی موت اور زندگی سے بھی ہوتا ہے۔ وہ اگر تم پر بھی ہو تو کوئی تعجب نہیں۔

معلوم ہوتا ہے تمہارا دل بھی میری طرف سے مشکوک ہے رخشندہ نے کہا تم کبھی مجھے فرصت سے نہیں ملیں ورنہ اپنی رام کہانی سناتی۔

وہ میں نے کہیں کہیں سے سنی ہے اور جسے سننے کے بعد میں نے ہمیشہ تمہیں کو مورد الزام بنایا۔ تمہاری ایسی ایک معقول عورت اگر اپنے شوہر سے منحرف ہو جائے اور اپنی علیحدگی کے جواز نہ پیش کر سکے تو الزام کسے دیا جائیگا؟

الزام تو مجھ پر ضرور عائد ہوتا ہے مگر میرے لئے بھی کچھ ایسی مجبوریاں تھیں دنیا میں میں کسی سحر یا جادو کی قائل نہیں ورنہ یہ سمجھتی کہ کسی ایسی ہی قوت سے مجھے زیر کیا گیا ہے۔ خدا نہ کرے کسی کو ایک ساتھ دو مردوں سے سابقہ پڑے دراصل میں نیکی اور بدی کے ہاتھوں میں رکھکر بیچ دی گئی ہوں۔ میرے اندر کی روح کو سلیم کی نیکیاں اور خالد کی بدیاں کھا گئیں۔ میرے اندر جب ضمیر، احساس اور خیال کی قوتیں ختم ہو گئیں تو فرائض کے سبق مجھے دیئے جانے لگے۔ بدلے ہوئے دماغوں کا مطالعہ اگر تم نے کیا ہوتا تو تمہیں میرے متعلق کبھی یہ شک نہ ہوتا۔ نصیب دشمناں اگر سلیم کو کچھ ہو گیا تو اس کا سب سے بڑا اثر میرے ہی اوپر ہو گا۔ دنیا دیکھے گی اور تم بھی دیکھ لینا۔

اس کے معنی شاید یہ ہیں کہ تمہیں سلیم سے بے انتہا محبت تھی۔

اس کے معنی اس قدر محدود نہیں ہیں جتنا آسانی سے تم نے اسے بیان کر دیا۔ میں نے عمر بھر سلیم کی عبادت کی ہے۔ شادی سے قبل بھی اس کے تصور سے کھیلتی رہی اور شادی کے بعد بھی۔ لیکن اگر تم اس کے وجوہ طلب کرو تو شاید میں نہ دے سکوں بہت سی باتیں محتاج بیان نہیں ہوا کرتیں، ان میں سے یہ بھی ایک ہے۔

پھر تم نے جوانی کا زیادہ حصہ خالد کے ساتھ کیوں گذارا؟

یہ سوال تم نے مجھ سے صحیح لفظوں کے ساتھ کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ میری جوانی خالد کی آسائشوں کی نذر ہو گئی لیکن تم میری جوانی کو میرا وجود نہ سمجھو اور نہ میری جوانی میرے وجود کا سرمایۂ ناز تھی۔ بازار میں رکھی ہوئی چیز کو اگر کوئی گاہک زیادہ دام دے کر خرید لے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ عصمت مآب ہوتی تو جوانی کی پاکیزگی کا خیال دل میں پیدا ہوتا۔ یہ تصور تو کم عمری ہی میں مجھ سے اس بری طرح چھین لیا گیا کہ میں اس چوٹ سے کبھی جوان ہی نہ ہوئی۔ عام طور پر جو لوگ میری جوانی کو مورد الزام بناتے ہیں وہ کبھی اس حقیقت پر غور نہیں کرتے اور نہ شاید تم نے کیا۔

عذر پیش کرنا کچھ تو انسانی فطرت ہے اس کے علاوہ کمزور طبیعتوں کو اس سے ڈھارس (بھی) مل جاتی ہے۔ تم نے اپنی بابت جب یہ باتیں مجھے بتائیں تو مجھے خود بھی اطمینان ہوا اگر میں تمہاری طرف سے ابھی پوری طرح مطمئن نہیں ہوں۔

وہ تو آنے والا وقت کر دے گا رخشندہ کہنے لگی۔ میرا جواز اگر حالات پیش کریں تو زیادہ اچھا ہے بہ نسبت اس کے کہ میں خود ثبوت دیتی پھروں۔

آپس کی یہ بحث شاید اور زیادہ طول کھینچتی مگر اسپتال میں ملاقات کا وقت ختم ہو چکا تھا۔ اس لئے ریحانہ کو مجبوراً رخصت ہونا پڑا۔ چلتے وقت اسنے سلیم پر ایک نظر اور ڈالی۔ اور ایک ٹھنڈی سانس لے کر اسپتال کی حدود سے باہر نکل گئی۔

نرگس کے گھر سے زخشندہ کی عدم موجودگی نے بہت سے ضروری کاموں میں رکاوٹ پیدا کردی۔ آپا کی عصمت فروشی کا بازار جس طرح زخشندہ کے ہاتھوں چل رہا تھا اس میں خاصی کمی واقع ہوگئی۔ وہ گھر پر موجود تھی تو آپا کے ہر گاہک سے تعارفی ملاقات وہ اس ڈھب سے کرتی کہ آنے والا بھی خوش رہتا اور آپا کو کوئی تکلیف نہ پہنچتی۔ وہ اس کو ہر ملاقات کے بعد جذباتی طور پر ابھار دیتی کہ دوسرے ملاقاتی کا وہ اسی گرمجوشی کے ساتھ خیر مقدم کرتی۔ جتنا پہلے کا کرچکی تھی نرگس میں یہ صلاحیتیں موجود نہ تھیں اس لئے اب نہ آنے والے خوش تھے نہ آپا۔ پھر رفتہ رفتہ اس نے بددل ہوکر اپنے تمام ملنے والوں سے کنارہ کشی کرلی اور گلاب کے سمجھانے بجھانے کے باوجود بھی وہ کسی طرح اس برے کام کے لئے آمادہ نہ ہوسکی۔ ایک دن تو آپس میں بدکلامی تک کی نوبت

آگئی۔ آپا کہنے لگی۔

میں کوئی بے وقوف ہوں جو اپنی خوبصورتی سے اس طرح دوسروں کو فائدہ اٹھانے دوں۔ آج میری ہی بدولت تم سب کا خرچ چل رہا ہے۔ میں بی بی جی کی زرخرید لونڈی تو ہوں نہیں۔ اس لئے میں تو اپنا الگ بندوبست کرتی ہوں اب تم جانو اور تمہارا کام۔

مجھے تو تم اس قسم کی دھونس نہ دو گلاب کہنے لگی۔ تمہیں معلوم ہے کہ میں اپنی ضرورت بھر کا تو خود بھی کما لیتی ہوں۔ بلکہ میری آمدنی کا بھی زیادہ حصہ اسی گھر کے کاموں میں خرچ ہو جاتا ہے اور مجھے اس پر کوئی اعتراض بھی نہیں۔

مجھے تو ہے۔ آپا کہنے لگی۔ مجھے پہلے سے معلوم ہوتا کہ یہ ایک طوائف کا گھر ہے تو میں یہاں قدم نہ رکھتی۔

اچھا تو اب کل پرزے پیدا ہو گئے۔ گلاب آپا کی طرف دیکھ کر ہنسنے لگی۔ تم اس گھر میں قدم نہ بھی رکھتیں تو تمہاری حیثیت یہی رہتی جو آج ہے کسی بات پر اعتراض کرنے سے پہلے یہ بھی سوچ لیا کرو کہ زبان کھولنے کی گنجائش بھی ہے یا نہیں؟

میری حیثیت یہی کیوں۔ بہنی! اب تو سارے شہر میں مجھے لوگ ولیشیا سمجھنے لگے۔ پہلے تو صاحب لوگوں کے بچے ہی کھلاتی تھی اور افسروں کے پرائیوٹ طور پر کام آجاتی تھی۔

اتنا کہنے کے بعد آپا کو وہ اپنا پرانا زمانہ بری طرح یاد آگیا۔ دو ایک صاحب لوگوں کی شکلیں تو اب تک اس کے ذہن میں پوری طرح محفوظ تھیں

اور وہ انھیں کو یاد کر کے مزے لینے لگی۔ اس نے گلاب سے کہا۔

میں تو اپنی پچھلی زندگی سے اس قدر مطمئن تھی کہ اگر اس کا کوئی لمحہ بھی مجھے اس زندگی کے عوض میں واپس ملتا تو میں لے لیتی۔ اس وقت زندگی میں ایک جوش تھا۔ دل میں ارمان کروٹیں بدلا کرتے تھے لیکن اب تو میں اپنے آپ کو مردہ سمجھتی ہوں۔

ضرور سمجھتی ہو گی گلاب نے کہا اور وہ بھی اپنی زندگی کے کئی سال پیچھے چلی گئی جب وہ خالد اور رخشندہ کی ملاقاتیں للچائی نظروں سے دیکھا کرتی تھی۔

عورت کے لئے عصمت کی حفاظت کا زمانہ خواہ وہ غربت ہی سے لدا پھندا کیوں نہ ہو بہت خوب ہوتا ہے۔ اسی ایک چیز کے لئے وہ دنیا میں پیدا ہوئی ہے۔ عصمت سے کھیلنے کا جذبہ قدرتی ہے اور اگر وہ با اصول طریقوں پر کھیلا جائے تو خوشگواری کبھی ختم نہیں ہوتی۔ تمہیں دنیا کی ہر آسائش ممکن ہے لیکن پھر بھی تمہیں اپنا وہ زمانہ یاد آتا ہے جب تم مفلس اور ناداری کی زندگی بسر کر رہی تھیں۔ اسی شدت کو اگر اور اونچے پیمانہ پر سوچو تو وہ زمانہ کس قدر سہانا تھا۔ جب ہماری عصمتیں ہمارے پاس موجود تھیں اور ہم ان کے تحفظ کو اپنی عزت سمجھتے تھے۔ اس وقت ہماری مرجھائی ہوئی زندگی میں بظاہر جس چیز کی کمی ہے وہ عصمت ہی تو ہے جس کے کھو جانے کا ہمیں افسوس ہے اور اسی لئے ہم اسوقت کو یاد کرتے ہیں جب ہم اپنی عصمت سے مالا مال تھے۔ وقت صرف وقت ہوتا ہے خواہ وہ گذرا ہوا ہو یا موجودہ۔ اس وقت کی ہمیں اپنی شکلیں یاد آتی ہیں جو اس موجودہ زمانہ میں ہمارے پاس نہیں۔

یہ سچ کہا تم نے آپا متاثر ہوکر کہنے لگی ۔ میں توکبھی کبھی یہ بھی سوچتی ہوں کہ اپنے اس پیشہ سے توبہ کرلوں ۔ سچ کہتی ہوں مجھے مردوں کی طرف سے کراہیت پیدا ہوگئی ہے ۔ میرے اندر اب عورت ہونے کا کوئی لطیف جذبہ باقی نہیں رہا مجھے اپنے ملاقاتیوں کی شکلیں اچھی نہیں لگتیں ۔ مجھے ان سے نفرت پیدا ہوگئی ہے میں اسی لئے اس گھر سے اور بھی بھاگ جانا چاہتی ہوں کہ کچھ روز اطمینان کی زندگی بسر کروں ۔

اطمینان سے زندگی گذارنے کے لئے تو ابھی پوری زندگی پڑی ہے گلاب نے آپا کو ہنس ہنس کر سمجھانا شروع کیا ۔ گناہوں سے ہٹ کر اگر زندگی بسر کرنے کا ارادہ ہے تو یہ خیال بڑا مبارک ہے ۔ مگر بہت سی مبارک باتیں ہمیں راس نہیں آتیں ۔

کون سی؟ ان کا نام تو لو ذرا ۔

مثلاً یہی کہ اب اگر ہم باعزت طریقوں پر زندگی بسر کرنا چاہیں اور اپنے اس پیشہ سے توبہ کرلیں تو ہمیں کوئی فائدہ نہ ہوگا ۔

کیوں؟ آپا پوچھنے لگی ۔ زندگی اگر مطمئن ہوجائے تو یہ کیا کم فائدہ ہے؟ زندگی ہی تو مطمئن نہیں ہوسکتی گلاب نے کہا ۔ ہر گناہ کا کرنا بہت آسان ہے مگر اس سے پیچھا چھڑانا بہت مشکل بلکہ کسی حد تک ناممکن ۔ اور یہ تو تمہیں معلوم ہی ہے کہ اس پیشہ کے ساتھ عذاب و ثواب کا تصور ۔ نیکی اور بدی کا خیال ۔ اچھے اور برے کی تمیز سب کچھ جاتی رہتی ہے اور ایک ہی گناہ کو بار بار کرنے کے بعد نیکی اور ایمان کی راہیں نظروں کے سامنے سے گم ہوجاتی ہیں ۔

پھر ان کو اگر تمہاری یا میری ایسی عورتیں تلاش کرنا چاہیں تو مشکل سے ملتی ہیں ساری زندگی کے گناہوں کا بوجھ تھوڑی سی نیکی یا شرافت کس طرح اٹھا سکتی ہے۔

نہ اٹھا سکے میں نے کب کہا کہ یہاں سے جانے کے بعد میں کسی مسجد یا خانقاہ میں بیٹھ کر عبادت کروں گی۔ میں تو گناہوں سے توبہ کرنے کی بھی قائل نہیں۔ خواہ مخواہ خدا کو منہ چڑانے سے کیا فائدہ؟

گھر جو دوزخ بن چکا ہے وہ جنت میں بدلنے سے رہا۔ خود میری زندگی کو سکون مل جائیگا۔ یہی کیا کم ہے۔

غرضکہ اس گھر کو چھوڑنے پر آمادہ ہو گلاب کہنے لگی۔ لیکن جاؤ گی کہاں؟
جہاں کوئی نہ ہو۔ آپا کہنے لگی۔

مگر فوراً ہی اُسے خیال آگیا کہ "کوئی نہ ہو" والی غزل بی بی جی نے کس مشکل سے اسے یاد کرائی تھی اور پھر بھی وہ اپنے ملاقاتیوں کے سامنے اسے ٹھیک سے گا نہ سکی۔

گلاب ہنس کر پوچھنے لگی پورا مصرع تو کم از کم پڑھو یاد بھی ہے وہ غزل یا بھول گئیں۔ "چلئے اب ایسی جگہ رہیتے جہاں کوئی نہ ہو"۔

بی بی جی کی اس طوطا پڑھائی پر۔ یہ دونوں ایک ساتھ قہقہے لگا کر ہنس پڑیں

سلیم کی صحت کی امیدیں ختم ہوچکی تھیں مگر رخشندہ کو اس کی آخری سانسوں پر بھی بڑا بھروسہ تھا۔ امید کی آخری کرنیں ظلمت کے اندھیرے میں برابر پھوٹتی رہیں، اور کبھی کبھی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ نجمہ کی معصوم دعائیں شاید قبول ہوجائیں یہ آس انھیں ماں بیٹی سے وابستہ تھی ورنہ ڈاکٹر نا امید تھے نرگس نا امید تھی حالات اور واقعات منہ پھیرے ہوئے تھے اور ہر علاج گئی ہوئی صحت کو واپس لانے کی بجائے اسے گھٹاتا چلا جارہا تھا۔ وہ آخری الفاظ جو موٹر سے ٹکراتے ہی سلیم کی زبان سے بے اختیاری طور پر نکل گئے تھے فضا میں موجود تھے اور برابر رخشندہ کے کانوں میں گونجا کرتے تھے۔ نجمہ کے کانوں میں برابر باپ کے دل کی دھڑکن سنائی دے رہی تھی اس لئے ان دونوں کو تو کسی طرح قرار ہی نہ تھا۔ مگر دوسرے لوگ پریشان ہوچکے تھے۔ نرگس اور خالد میں رخشندہ کے

بارے میں پھر قول و قرار ہو گئے۔ اگر سلیم کا انتقال ہو گیا جس کے امکانات اس قدر قوی تھے جیسے دن کے بعد رات تو رخشندہ کا عقد ثانی خالد کے ساتھ ہو گا۔ دونوں میں اسی موضوع پر ایک دن باتیں چلیں تو نرگس نے کہا۔

تمہاری رہائی سے پہلے ہی میں نے زمین ہموار کر لی تھی۔ سلیم کی طرف سے رخشندہ کو ورغلانے میں مجھے بڑی محنت کرنا پڑی۔ اب تم بھی اپنا وعدہ پورا کرنا۔

بسروچشم خالد نے جواب دیا۔ حالاں کہ مجھے یقین نہیں کہ رخشندہ اس پر رضامند ہوگی۔

رضامند تو میں کر دوں گی۔ سلیم نہ ہو تو اس پر میرا پورا اختیار رہتا ہے اور اب تو یہ قصہ ہی زندگی بھر کے لئے ختم ہو رہا ہے۔ آج تو ڈاکٹروں نے بھی جواب دیدیا۔ نہ معلوم دم کس چیز میں اٹک رہا ہے؟

خدا بھی جواب دے تب نہ؟ خالد کہنے لگا، انسان کی موت اور زندگی ہی تو اس نے اپنے ہاتھ میں رکھی وہ چاہے تو سلیم صحت یاب ہو سکتا ہے۔

صحت یاب ہی کرنا ہوتا تو حالت کو اس قدر بگاڑتا کیوں؟ وہ جو کچھ کرتا ہے اس کے آثار پہلے سے ظاہر ہو جاتے ہیں۔

لیکن میں اس کی موت کے عوض رخشندہ کو نہیں چاہتا۔ میں گمراہ ہوں، بدکار ہوں مگر کسی کی موت اور زندگی کے سوال پر میں کچھ تھوڑا سا انسان بننے کے لئے مجبور ہو جاتا ہوں۔

لے بیٹھو! نرگس پہلے مسکرائی پھر بولی۔ اس بات سے سلیم کی موت یا زندگی کا کوئی واسطہ نہیں۔ ان دونوں کے تعلقات تو تمہاری رہائی سے پہلے

ہی منقطع ہو چکے تھے رخشندہ مستقل میرے ہی پاس رہتی تھی ۔

اس کے معنی تعلقات کا منقطع ہونا تو نہیں آپس کی ان بن سے یہ صورت پیدا ہو گئی ہوگی ۔ آپ نے بھی مجھ سے یہی کہا تھا کہ سلیم نہ ہو تو رخشندہ پر آپ کا اختیار ہوتا ہے ۔ میرے مشاہدہ میں بھی یہی بات آئی اسپتال میں جس دیانتداری سے وہ سلیم کی خدمت کر رہی ہے وہ ایک بیوی ہی کا فرض ہے کسی غیر کا نہیں ۔

یہ تو دنیا کی لاج ہے نرگس نے کہا ۔ اگر اسے تم ایک بیوی کے فرائض سمجھنے لگو تو یہ تمہارے مشاہدہ کی غلطی ہے ۔ عورت کا اگر اس دنیا میں کوئی دوسرا نام ہو سکتا تو وہ لاج یا شرم ہوتا ۔ رخشندہ تمہاری طرح جذباتی بھی ہے انتہا ہے ۔ سلیم کا تمہاری گاڑی زخمی ہونا جس پر وہ خود بھی بیٹھی ہو حقیقتاً عجیب وغریب بات ہے ۔ کوئی غیر سنے تو وہ یہی سمجھے کہ عداوت میں گردن پر پہیہ چلایا گیا ۔

غیر سمجھیں مگر آپ اس قسم کا کوئی شک نہ کریں ۔

نرگس خالد کا یہ اشارہ سمجھ گئی اور فوراً ہی بات بنانے کے لئے اس نے کہا :۔

وہ بات شاید تمہارے دل سے اب تک نہیں نکلی کہ پولیس کو تمہارے جرم کی اطلاع میں نے دی تھی ۔ بھلا سلیم کے مقابلہ میں مجھے یہ کسی طرح گوارا ہو سکتا تھا کہ تم رخشندہ کی زندگی سے اس قدر دور ہو جاؤ کہ مجھے اسکے راہ راست پر لانے کے لئے جوئے شیر لانا پڑے ۔ رخشندہ نے اپنا پہلو بچانے

کے لئے مجھ پر یہ الزام لگایا اور اسی کو لوگ لے دوڑے۔

تو پھر اس کی راوی خود رخشندہ ہوگی۔ خیر چھوڑیئے اس قصہ کو۔ میں اگر اس کا کچھ اثر لیتا تو دوبارہ اس گھر میں قدم رکھنے کی ہمت نہ ہوتی۔ فرض کی ہوئی باتوں کو پھر سے زندہ کرنے میں کوئی فائدہ نہیں۔

مگر اب بات چل نکلی ہے تو اسے پورا ہو جائے دو۔ نرگس نے مزید اپنی بے گناہی کا ثبوت ڈھونڈتے ہوئے کہا۔

بات دراصل پھوٹی کسی اور سے تھی، ہو سکتا ہے خود فیاض نے پولیس کو اطلاع کر دی ہو مگر کوتوال صاحب کسی خوش فہمی کی بناء پر مجھے انعام دلوانا چاہتے تھے اس لئے نام میرا لے لیا گیا۔ اس زمانے میں خود ان کی نظریں رخشندہ پر گڑی ہوئی تھیں۔ اور میں نے یہ سوچکر کہ اتنی بڑی دولت کسی اور کو کیوں ملے خاموشی اختیار کر لی۔ چپ رہنے کا گناہ مجھ سے ضرور سرزد ہوا اب اس کے لئے تم جو بھی سزا تجویز کرو مجھے منظور ہے۔

مگر مجھے منظور نہیں خالد نرگس کی اس صاف گوئی پر ہنسنے لگا۔ پھر بولا۔ اب ان باتوں کی تہ میں جانے کی ضرورت نہیں۔ جو کچھ ہونا تھا ہو گیا اب ضرورت اس بات کی ہے کہ آئندہ کے تعلقات خوشگوار رہیں۔ یہ تو آپکو معلوم ہی ہے کہ میری سب سے بڑی کمزوری رخشندہ ہے وہی میری اس بھٹکی ہوئی زندگی کو سدھار سکتی ہے ورنہ جو گمراہیاں مجھ میں بحیثیت انسان کے پیدا ہو چکی ہیں۔ ان میں دن بدن اضافہ ہوگا کمی نہیں۔

رخشندہ پر اور حق ہی کس کا ہے نرگس کہنے لگی۔ وہ آج نہیں تو کل

تمہاری ہو جائیگی۔ سلیم کی اس کے ساتھ وابستگی میری آنکھوں میں بھی کھٹکی اور قدرت کی آنکھوں میں بھی ورنہ ان دونوں کا یہ حسرتناک انجام نہ ہوتا۔

لیکن بفرضِ محال اگر سلیم تندرست ہو گیا؟

تب بھی تم ہی اس کی زندگی کے شریک رہو گے۔ حالانکہ آنکھوں دیکھی حقیقتیں فرض نہیں کی جاتیں اور قدرت کے کرشموں کو تو کوئی نہیں جانتا وہ مردہ میں جان ڈالدے تو کوئی بعید نہیں سلیم کی تو سانسیں ابھی فی الحال چل ہی رہی ہیں۔

اور ہوا بھی یہی قدرت کی ستم ظریفی دیکھئے کہ سلیم کی موت اور زندگی کے لئے برابر کے ہاتھ اٹھے ہوئے تھے۔ مگر اثر ان میں پیدا ہو گیا۔ جو دست بدعا تھے۔ بچہ کی بے زبانی کو قدرت ٹھکرانے کی ہمت نہ کر سکی۔ جو علاج پہلے بے اثر ثابت ہو رہا تھا۔ اسی نے اثر کرنا شروع کر دیا اور سلیم میں بتدریج صحت کے آثار پیدا ہونے لگے۔ پہلے اس نے آنکھیں کھولنا شروع کیں۔ پھر کان آوازیں سننے لگے۔ رخشندہ اس کھوئی ہوئی دولت کو پھر واپس آتا دیکھکر کچھ اسقدر مطمئن ہوئی کہ اس نے اور زیادہ مستعدی سے اس کی تیمارداری شروع کر دی۔

ڈاکٹروں نے مریض کو اپنا شاہکار سمجھ کر اور زیادہ جانفشانی سے کام کیا اور رفتہ رفتہ نوبت یہاں تک پہنچی کہ مریض کہ مریض بستر پر کروٹیں لینے کے قابل ہو گیا۔ رخشندہ اسے ذرا سا سہارا دے دیتی تھی اور وہ کروٹ بدل لیتا تھا۔ اب بچہ کو دیکھکر اس کے لبوں پر مسکراہٹ بھی آجاتی تھی اور

کروٹ بدل لیتا تھا۔ اب بجمہ کو دیکھ کر اس کے لبوں پر مسکراہٹ بھی آجاتی تھی اور آنکھوں میں روشنی بھی مگر زبان سے اب تک کسی لفظ کے ادا ہونے کی شکایت بدستور تھی۔ بجمہ بھی اسے ڈیڈی کہہ کر آواز دیتی، رخشندہ بھی اسے پکار کر مخاطب کرتی۔ مگر وہ آواز سن لینے کے باوجود کوئی اشارہ تک نہ کرتا۔ ڈاکٹروں نے تو اس سبب کو محض کمزوری ہی سمجھا مگر حقیقتاً خاموشی کی یہ وجہ نہ تھی۔ چوٹ کا سب سے شدید اثر دماغ پر پڑا تھا اور وہ ماؤف ہو کر سب کچھ بھول گیا تھا۔ وہ دراصل کسی کو پہچانتا نہ تھا نہ بجمہ اس کی نظروں میں اس کی بچی تھی نہ رخشندہ اسکی بیوی۔ اور اسی ایک خرابی نے شاید قوتِ گویائی بھی سلب کر لی ہوگی۔ ورنہ پاگل ہو جانے کے معنی خاموشی نہیں ہے۔

اسی حالت میں زمانہ کا خاصا وقت گذر گیا۔ اب علاج کے ساتھ ساتھ دماغی توازن درست کرنے کی ترکیبیں بھی کی جانے لگیں مگر سب کی امیدیں جو تندرستی کے ساتھ ساتھ بڑھ رہی تھیں۔ دماغ کے بگڑ جانے سے حسرتیں بن کر رہ گئیں۔

اس امید و بیم کی حالت میں پورا ایک سال گذر گیا مگر حالات نہ بدلے اس ایک سال کے عرصہ میں رخشندہ کو نہ گھر کا ہوش تھا نہ مال کا خیال ... تو اس کے وہم و گمان کے کسی گوشہ میں موجود ہی نہ تھا، اس ایک سال کے عرصہ میں زمانہ نے کتنے پلٹے کھائے۔ نرگس اور خالد کے درمیان کتنی اسکیمیں بن کر بگڑ گئیں۔

اُسے کسی بات کا علم نہ تھا مگر اب ایک نئی مصیبت یہ آن پڑی کہ رخشندہ کا اثاثہ۔ زیورات اور نقد روپیہ جو کچھ بھی تھا وہ علاج کی نظر ہو چکا اور مزید علاج کے لئے جس سرمایہ کی ضرورت تھی اس کا کہیں کوئی پتہ نہیں۔ لہٰذا اس نئی ضرورت کے تحت رخشندہ کو ڈھیرسے ڈھیر سے یاد آنے لگا کہ اس کا اپنا کوئی گھر تھا۔ ماں بھی۔ خالد ایسا بے دریغ عاشق تھا یہ تمام شکلیں تو اس کی آنکھوں کے سامنے برابر آتی تھیں۔ مگر ان کی خصوصیات وہ بھلا بیٹھی۔ سلیم کی جان بچا کر اسے پہلا ہوش اپنی اس ضرورت کے لئے آیا کہ وہ اس دنیا میں کنگال ہے اور اس خیال کے آتے ہی اس نے ماں کو بھی یاد کیا خالد کی طرف دیکھ کر ہنسی بھی اور گلاب کو بھی پوچھا۔ مگر اس کی بے پناہ پرستش نے سب کو اس کی طرف سے بے نیاز کر دیا تھا۔ نہ اب وہ ماں کی دل جوئیاں تھیں، نہ خالد کا پیار نہ گلاب کی انکساری۔

وہ ایک دن سلیم کو نجمہ کے سپرد کر کے ماں کے گھر آئی تو یہاں کا نقشہ ہی بدلا ہوا تھا۔ گھر بھر میں اداسی اور ویرانی کا پہرہ۔ نہ وہ فرنیچر نہ وہ سازوسامان گلاب کے جسم پر اس نے ریشمی کپڑوں کے بجائے ڈھلے ہوئے سوتی کپڑے دیکھے تو اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ ماں کو اس نے بے حد مضمحل اور افسردہ پایا۔ وہ اسے ایک عرصہ کے بعد دیکھ کر کچھ خوش بھی نہیں ہوئی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ممتا کی وہ آگ جو ہر وقت اس کے سینہ میں دہکا کرتی تھی سرد پڑ گئی ہو۔

نرگس کو جب سے یہ اطمینان ہو گیا کہ سلیم کو موت جیسی ظالم چیز بھی چھوڑ کر بھاگ گئی تو اسے صبر آ گیا۔ پھر نہ اس نے رخشندہ ہی سے کوئی واسطہ رکھا

نہ خالد سے۔ آپس کے وہ عہد و پیمان بھی ٹوٹ چکے تھے اور دنیا کے اس طرح بدل جانے پر وہ گوشہ نشین ہو چکی تھی۔ گلاب کی کمائی کی برکتیں تھوڑی بہت برقرار تھیں اور اسی پر گھر کے خرچ کا دارو مدار تھا۔ آپا کو بھاگے ہوئے ایک سال سے زائد کا عرصہ گذر گیا تھا۔ اس لئے تنگ حالی اور افلاس کی جو حالت اس گھر میں تھی اس کا رخشندہ نے کبھی تصور تک نہیں کیا۔ مگر یہ سب کچھ دیکھ کر اس کے دل کو بڑی اذیت پہنچی۔

ماں نے اسے اپنے پہلو میں بٹھا کر ساری باتیں بتائیں۔ بدلا ہوا لٹ لہجہ جس میں اب ضعف بھی شامل ہو چکا تھا رخشندہ کی سماعت کو چوٹیں لگانے لگا۔ ماں کہنے لگی۔

دیکھا تم نے اس گھر کا نقشہ۔ یہ وہی کوٹھی ہے جس میں ٹیلی فون تھا۔ جو چھوٹے بڑے چالیس قمقموں سے رات کو جگمگا اٹھتا تھا جس کے اندر ریڈیو کے لاؤڈ اسپیکر کی آواز گونجا کرتی تھی جس کا کمپونڈ کبھی نئے ماڈل کی گاڑیوں سے خالی نہیں رہا جس کے ہر کمرہ میں اردلی اور بیرے تھے۔

خود تمہارے دیکھے ہوئے زمانہ کو تم سے بیان کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا مگر یہاں پر خاک اڑانے کی کہانی ضرور سنو

تمہارے چلے جانے کے بعد آپا کو ہمارا حسنِ سلوک نہ روک سکا۔ وہ ایسی خوش قدم تھی کہ گھر میں کنجن برسا گئی۔ اب نہیں ہے تو دو وقتوں کی روٹیوں کا ٹھکانا بھی نظر نہیں آتا۔ تم اتفاق سے اسی شہر کے ایک اسپتال میں تھیں لیکن جب تمہیں اپنے ہی تن بدن کا ہوش نہ تھا۔ تو تمہیں ہماری خبر کہاں سے ہوتی اور

ہم نے بھی تمہاری بے خبری کو لاعلاج سمجھ کر خاموشی اختیار کر لی۔ ہم نے اسپتال جانا چھوڑ دیا اور دونوں سے بڑھ چڑھ کر تیمارداری۔

جب یہ سب دیکھتے دیکھتے آنکھیں تھک گئیں تو ہار مان کر بیٹھ رہے میری ٹانگوں میں ضعف تھا اور غیروں کی ٹانگیں بھی اتنی مضبوط نہیں ہوا کرتیں کہ روزانہ دوڑ دوڑ کر کسی بے نتیجہ بات کو دیکھتی پھریں۔ مریض یا تو اچھا ہو جائے یا چل بسے مگر سلیم کی اس درمیانی حالت کو نہ لوگوں نے برداشت کیا نہ زمانے نے۔ خالدہ اسی انتظار کا شکار ہو گیا اور زمانے نے میرے گھر سے کسر نکالی۔

نرگس کہتے کہتے اکدم سے رک گئی اسے فوراً یہ خیال آگیا کہ رخشندہ اتنے دنوں بعد اس کے یہاں آئی ہے پہلے وہ اس کی خیریت پوچھتی سلیم کی بابت معلوم کرتی اور اس خیال کے آتے ہی وہ رخشندہ سے کہنے لگی۔

یہ تم ایکا ایکی آج چلی کیسے آئیں۔ اسپتال سے چھٹی مل گئی کیا؟

چھٹی جیسی آپ کے نزدیک ملنا چاہئے تھی وہ نہیں ملی۔ سلیم ابھی زندہ ہیں۔ ان کا دماغ خراب ہو چکا ہے جس کے ٹھیک ہونے کی کوئی امید نہیں آپ کے پاس اس غرض سے آئی تھی کہ اب کیا کروں؟ آپ ہی کے مفید مشورے ہمیشہ میرے کام آئے ہیں۔

صحیح مشوروں کی بہت چھوٹی تعداد ہر ایک کے پاس ہوتی ہے۔ میرے پاس جو کچھ نیک صلاحیں تھیں وہ میں نے ایک ایک کر کے تمہیں دے ڈالیں اب تمہارے اوپر وہ وقت پڑا ہے کہ تمہیں کوئی مشورہ دینا بھی پسند نہ کریگا۔ ایک سال میں تم نے اپنی وہ حالت بنالی جو ایک خوب صورت عورت میں

برسوں کے بعد پیدا ہوتی ہے۔ اب نہ تم میں نہ جوانی ہے نہ خوبصورتی۔ میری ساری نصیحتیں تو تمہاری جوانی کے لئے تھیں جب وہ ہی ڈھل چکی تو مشوروں کی کیا ضرورت؟ اب تو بس سلیم ہی کی خدمت کئے جاؤ تاکہ اس دنیا میں بے وقوفوں کو بھی اپنی کم عقلی پر اعتماد رہے۔ زندگی کی ہر آسائش کو تیاگ کر تم نے جس طرح سلیم کے لئے اپنی زندگی کو وقف کر دیا وہ چند بدعقلوں کے لئے ایک بہت بڑا ایثار ہے۔

خالد اب نہیں آتے یہاں؟ رخشندہ نے یہ سوال اک دم سے اس لئے کر دیا کہ گفتگو کا موضوع بدل سکے۔

آتے ہیں مگر رسماً نرگس کہنے لگی۔ تمہارا تذکرہ بھی اکثر کرتے ہیں۔ کافی دنوں تک میں نے انھیں تمہارے لئے روکے رکھا پھر انھوں نے بھی کسی اور کے گھر میں پناہ لے لی اور اب وہ وہیں رہتے ہیں۔

یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ گلاب کمرہ کے اندر آئی اس نے ہاتھ کے اشارے سے رخشندہ کو منع کیا کہ وہ بی بی جی سے اس قسم کی باتیں نہ کرے۔ وہ اُسے کمرہ سے باہر نکال کر لے آئی پھر کہنے لگی۔

ان کا دماغ کیا آپ صحیح سمجھتی ہیں؟ میرے کمرہ میں چل کر بیٹھئے تو میں بتاؤں کہ یہ انقلاب کس طرح آگیا۔ بڑی لمبی چوڑی داستان ہے۔

رخشندہ حیرت سے گلاب کا منہ تکنے لگی وہ جو کچھ سُن رہی تھی خود اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ وہ سوچنے لگی شاید اس کے دماغ میں بھی کچھ خلل واقعہ ہو گیا ہے۔ گلاب نے پھر اُسے چلنے کے لئے ٹوکا تو وہ اک دم سے

چونک پڑی اور اسی طرح اپنے خیال میں غرق گلاب کے پیچھے پیچھے اس کے کمرہ میں چلی گئی +

گلاب اور رخشندہ بڑی دیر تک بیٹھی ہوئی باتیں کرتی رہیں۔ دونوں کو اس گھر کی بربادی کا ملال تھا۔ گلاب کی آنکھوں کے سامنے سب کچھ ہوا۔ آپا کے روٹھ کر چلے جانے کے بعد جب آنیوالوں نے اس گھر کی طرف سے منہ موڑ لیا تو آمدنی ایک پیسہ کی بھی نہ رہی۔ اور نرگس نے کوٹھی کا سارا ٹھاٹھ باٹ فضول سمجھ کر ایک ایک چیز کو بیچنا شروع کر دیا۔ وہی روپیہ پھر گھر اخراجات میں صرف ہوتا رہا۔ گلاب بے چاری کا اب نہ کوئی پوچھنے والا تھا اور نہ وہ خود اپنی پچھلی زندگی کو پسند کرتی تھی۔ اسے تو یہ حیرت تھی کہ اتنی جلدی یہ انقلاب کس طرح آگیا؟ یہی سوال وہ بار بار رخشندہ سے کر رہی تھی۔ وہ کہنے لگی۔

میں نے سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ ایک ایک چیز کو بکتے ہوئے

لوگوں کو منہ موڑتے ہوئے اور تو اور آپ کے جانے کے بعد خالد سیٹھ نے جس طرح نظریں پھیریں اس پر خود میرا دل یقین کرنا نہیں چاہتا۔

وہ کرے یا نہ کرے مگر مجھے تو یہ سب کچھ دیکھ کر نہ پریشانی ہوئی نہ تعجب، رخشندہ کہنے لگی۔ میری نظر میں اس گھر کا یہ نقشہ بہت پہلے سے تھا۔ خالد بھی آخر انسان ہی تھے، میرے یا اس گھر کے عاشق ہونے کے علاوہ ان میں بھول جانے کی تمام صلاحیتیں موجود تھیں۔ میری جوانی یا تمہارا شباب باقی نہ رہا۔ تو خالد کی محبت یا دوسروں کا پیار کس طرح باقی رہتا۔

اب رہ گئی گھر کی یہ غربت اس کے لئے معقول دلائل موجود نہیں، بجز اس کے کہ " مالِ حرام بود بجائے حرام رفت " ایک سال میں گھر کی ساری دولت اس طرح خرچ ہو جانا قرینِ قیاس تو نہیں لیکن مذہباً ایسا ہونا لازمی تھا۔ اور تجربہ نے ثابت بھی یہی کیا۔ ہو سکتا ہے امی کی یہ دوراندیشی ہو اور اپنے بچے کھچے اثاثے کو اپنے لئے محفوظ کر لیا ہو۔

خالد کو ذرا بلا کر ٹٹولئے تو گلاب خوشامدانہ کہنے لگی۔ وہ تو اسی لئے روٹھے کہ آپ یہاں نہ تھیں۔ شاید اب راہِ راست پر آجائیں۔

اب تو مجھے صرف اسی خیال سے خوش ہونے دو کہ وہ کبھی میری محبت میں گرفتار تھے۔ دو سال تک اپنے تن بدن کا ہوش ہی نہ رہا۔ یہاں آنے کے بعد جب میں نے اپنا مقابلہ اپنی دیواروں پر لگی ہوئی ان تصویروں سے کیا تو اکرم مجھے بھی اپنے وہ پچھلے دن پوری شدت کے ساتھ یاد آگئے۔ خالد کے دل میں ممکن ہے میرے لئے کوئی کھٹک موجود ہو مگر وہ میری اس ظاہرا شکل وصورت

کے ساتھ ختم ہو جائیگی۔ ان تمام آلودگیوں کا یہی انجام ہونا چاہیئے تھا جو میرا تمہارا یا اس گھر کا ہوا۔ اس پر نہ افسوس کرنے کی گنجائش ہے نہ تعجب یہ حالات زندگی کے تجربات ہیں اور انھیں بہرصورت برداشت ہی کرنا پڑیگا۔

گلاب کو رخشندہ سے اس قسم کی باتیں کرکے نا امید ہوئی۔ وہ بھی خاموش ہوکر بیٹھ گئی حالانکہ اس کا دل یہی چاہتا تھا کہ وہ عہد رفتہ کی باتیں ہر وقت چھیڑی رہیں۔ مصیبت کے دن ہوں تو خوشی کا زمانہ بہت بری طرح یاد آتا ہے رخشندہ کی تو دنیا ہی بدل چکی تھی۔ حالات کے ساتھ اس کا دل و دماغ بھی بدلا ہوا تھا۔ اس کے لئے تو سب سے بڑی پریشانی سلیم کی موجودہ حالت تھی اس پر گلاب یا نرگس کی باتوں کا بھلا کیا اثر ہوتا۔

دو مختلف نظریئے اور زاویۂ خیال آپس میں ٹکرا گئے۔ گلاب اور نرگس اپنے گھر کے سامنے سلیم کی زندگی کو کوئی اہمیت نہ دے رہی تھیں۔ انھوں نے اپنی گفتگو میں سلیم کا بہت کم ذکر کیا۔ اسی گھر کے انقلاب کا رونا روتی رہیں رخشندہ اپنے اس ذاتی انقلاب کے آگے نہ اس گھر کو اہمیت دے رہی تھی۔ نہ گلاب اور نرگس کی ذات کو۔ گلاب کے استعجاب کا تقاضا جب رخشندہ نہ پورا کرسکی تو اس نے سلیم کی بابت کچھ پوچھنا چاہا۔ اسے اس بات کا خیال بھی ہوا کہ اخلاقاً سب سے پہلے وہ سلیم ہی کی بات پوچھتی۔ بچہ کی خیریت معلوم کرتی مگر موضوع کا ایک دم سے بدلنا اب اس کے اختیار میں نہ تھا تھوڑی دیر تک آپس میں بالکل خاموشی رہی۔ گلاب کی تو قوت گویائی سلب ہوچکی تھی اور رخشندہ خود سے اپنا غم سنانے کے لئے تیار نہ تھی۔ یہاں تک کہ دونوں کی خاموشی کچھ

عجب بے معنی سی ہو کر رہ گئی۔ گلاب پوچھنے لگی۔

آپ چپ کیوں ہوگئیں؟

تمہاری تمام باتوں کا جواب دیدیا۔ اب تم کچھ اور پوچھو تو جواب دوں۔

سیٹھ سلیم کیسے ہیں؟ گلاب نے یہ سوال کچھ اس طرح سے کیا گویا وہ ندامت میں ڈوبی ہوئی ہے۔

اچھے نہیں ہیں رخشندہ کہنے لگی۔ علاج سے نہ کوئی فائدہ ہے نہ نقصان خدا نے زندگی بخشی تو دماغ لے لیا۔ اچھے ہو جانے کے بعد نہ اب تک مجھے پہچان سکے نہ نجمہ کو۔

یہ حال تو سبھی کا ہوا۔ گلاب کہنے لگی۔ سیٹھ سلیم تو خیر بیمار ہیں مگر یہاں پہچانتا ہی کون کسے ہے۔ بی بی جی نے آپ کو نہیں پہچانا۔ آپ ایک سال کے بعد مجھے اور اس گھر کو نہ پہچان سکیں۔ سیٹھ خالد سب کو بھول گئے۔ وہ اب اس گھر کی طرف رخ تک نہیں کرتے۔ آپا کے ملاقاتیوں نے منہ پھیر لیا۔

قبل اس کے کہ گلاب اپنی پوری بات ختم کرتی رخشندہ ایک قہقہہ مار کر ہنسنے لگی وہ بولی۔

دراصل جب زمانہ کسی کو بھلا دیتا ہے تو کی آنکھوں کا بدل جانا لازمی ہے معصیت کی زندگی میں دنیا کا تجربہ مشکل سے ہوتا ہے۔ اس لئے تمہیں ان باتوں کے سمجھنے میں مشکل ہو رہی ہے۔ گناہ کی عمر بہت زیادہ لمبی نہیں ہوا کرتی۔ اسی لئے گناہوں کو شدت کے ساتھ

بھی کیا جاتا ہے۔ جوانی میں آنکھیں بند ہو جانے کے بعد جب کھلتی ہیں تو دنیا اسی طرح بدلی ہوئی ملا کرتی ہے۔ مجھے چونکہ شروع ہی سے اس دن کا انتظار تھا۔ اسی لئے میرے اوپر ان تبدیلیوں کا کوئی اثر نہیں ہوا۔

مگر یہ بات سمجھ میں آنے والی نہیں۔ یہ اور بات ہے کہ اس غم کو برداشت کرنے میں آپ نے اپنی سمجھداری کا ثبوت دیا مگر دل پر اثر ہونا تو لازمی ہے کون اپنے عیش و عشرت کے زمانہ کو یاد کر کے ٹھنڈی سانسیں نہیں بھرتا؟

ٹھنڈی سانسیں میں بھی بھرتی ہوں اور عمر بھر بھرتی رہونگی۔ لیکن اس سے فائدہ؟

نقصان بھی ایسا نہیں۔ گلاب انتہائی وثوق کے ساتھ کہنے لگی ہیں جب کسی سے اپنے غم کو دہراؤں یا ٹھنڈی سانسیں بھروں تو مجھے تسکین ہو جاتی ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ گذرا ہوا زمانہ کسی کا پھر واپس نہیں آتا۔ خصوصاً اس گھر کا جہاں ہم نے اور تم نے آنکھیں کھولیں۔ گئی ہوئی عصمت اور گذرے ہوئے زمانے کی خاصیت بالکل ایک سی ہے۔ نہ وہ جانے کے بعد ملے نہ یہ گذرنے کے بعد پلٹے۔ عصمت کے جانے ہی کا نام زمانہ کا گذر جانا ہے۔ تمہاری عصمت گئی تو تمہاری عصمت مآبی کا زمانہ بھی گیا۔ میری مثال بھی ایسی ہی ہے اور میں نے ان چیزوں کا بغور مطالعہ بھی کیا ہے اسی لئے ایک ہی چیز کو سمجھنے میں میرے اور تمہارے درمیان اتنا بڑا فرق پیدا ہو گیا۔ آبرو کا کوئی پیمانہ نہیں ہوتا مگر ایک نہ ایک دن اس کی ساری اسپرٹ اور وقعت

ختم ہو جاتی ہے اور اس وقت زمانہ بھی ٹھہر جاتا ہے مثال کے طور پر یہ زمانہ ہم سب کے لئے ٹھہرا ہوا ہے۔ نہ اب کسی آرزو کی خواہش نہ کسی تمنا کی جوانی کی آندھیاں جب ختم ہو جائیں تو تمناؤں کا درخت اس طرح سوکھ کر مرجھا جاتا ہے کہ پتے تک باقی نہیں رہتے۔

لیکن پھر بھی بہار آسکتی ہے اگر لائی جائے۔ گلاب نے کہا۔

وہ کس طرح؟

آپ سیٹھ خالد کو بلالیں کم از کم آپ کی زندگی میں تو بہار آہی جائیگی۔

تو کیا تمہارا اب بھی یہ خیال ہے کہ میں خالد کی وہی رخشندہ ہوں جو اب سے چند سال پہلے تھی؟

میرا خیال ہی نہیں بلکہ مجھے اس کا یقین بھی ہے۔

تو پھر سنو میں تمہیں آج وہ باتیں بھی بتلا دوں جنھیں اپنی عدم موجودگی کی وجہ سے زبان پر نہ لاسکی۔ خالد جس روز سے رہا ہو کر آئے ان کے مزاج اور طبیعت میں ایک بہت بڑا فرق موجود تھا۔ حادثہ کے روز میں نے انھیں صرف آزمانے کے لئے یہ کہا تھا کہ میں اب کسی غیر کی امانت ہوں مگر میرے تعجب کی کوئی انتہا نہ رہی جب انھوں نے شرمندہ ہو کر اپنی دست درازیو کو جاری نہ رکھا بلکہ محجوب ہو کر اپنے ہاتھ سمیٹ لئے۔

مگر اس پر آپ کو تعجب کیوں ہوا گلاب پوچھنے لگی۔ آپ ہی کے منع کرنے پر اگر انھوں نے اپنا ہاتھ روکا تھا تو آپ کو خوشی ہونا چاہئے تھی۔

میرے منع کرنے کا مفہوم ہی وہ غلط سمجھے۔ میں ان کے لئے کوئی نئی

چیز تو تھی نہیں، وہ اس وقت جو کچھ کر رہے تھے اس سے قبل ہزار مرتبہ وہ سب کچھ ہو چکا تھا۔ پھر اگر میں کسی غیر کی امانت ہونے کا خود احترام کرتی تو ان کے ہمراہ گھومنے ہی کیوں نکلتی۔ سچ پوچھو تو سلیم نے اسی چیز کو برداشت نہیں کیا کہ میں اس کی امانت ہوں اور خالد کے ساتھ گھوم پھر رہی ہوں۔ یہی چیز اس کو جان گنوانے پر آمادہ کر سکی اور وہ موٹر کے نیچے خود سے آگیا۔

مگر بات تو دراصل یہ تھی کہ خالد کا دل میری طرف سے بھر چکا تھا پھر میرے ہی ذرا سے اشارہ پر وہ مجھ سے اتنی دور الگ ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ جیسے کبھی کی شناسائی نہ ہو۔

اب تم یہ فیصلہ کرو کہ میں اسے بقول تمہارے بلاؤں بھی تو کیا حاصل نہ اب میں وہ رخشندہ ہوں اور نہ خالد وہ خالد سچ پوچھو تو سلیم کے طرز زندگی سے میں اس وقت منحرف بھی تھی خالد اگر ذرا سی اپنی محبت کا ثبوت دیتے تو میں پھر ان کی طرف راغب ہو جاتی مگر میری زندگی کے اس موڑ پر خالد ہی بھٹک گئے اور پھر میں نے انکا تلاش کرنا ہی بیکار سمجھا۔

مگر میرا تو یہ خیال ہے کہ سیٹھ خالد آپ کی اسوقت کی حالت تو سمجھ نہ سکے۔ کبھی کبھی انسان پر اچھی باتوں کا بھی اثر ہو جاتا ہے۔ سلیم ان کے دوست ہی تو تھے اور آپ ان کے دوست کی بیوی اس خیال سے اگر شرم آگئی ہو تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔

مگر وہ شرم کب تھی جو انہیں آئی۔ میں نے تو اسی وقت ان کے اندر گھس کر انھیں دیکھ لیا۔ اُس روز وہ مجھے گھمانے بھی میرے ہی اصرار پر لیگئے

تھے پھر تنہائی میں جب ہاتھ بھلے تو بطور مشغلہ انھیں ادھر اُدھر رکھنے اٹھانے لگے اور میرے منع کرنے پر اس طرح سیدھے ہو کر بیٹھے گویا ساری زندگی گناہ کرنے کی ہمت نہ کر سکے ہوں۔

عجب بات ہے گلاب کہنے لگی۔ دو ایک دفعہ مجھپر بھی ایسی ویسی نظریں ڈالیں مجھے دیکھکر مسکرائے مگر نہ معلوم کیوں زبان سے کچھ بھی نہ کہا۔

تم نے خود سے ہمت کی ہوتی۔ رخشندہ کہنے لگی۔ کوئی غیر تو نہ تھے تمہارے لئے؟

جی ہاں گلاب نیچی نظریں کر کے بولی۔ میں نے بھی یہی سمجھا کہ یہ نظریں اور مسکراہٹ بناوٹی ہیں۔ اس لئے بقول بی بی جی کے "بات بھی کھوئی التجا کر کے" بس تو یہی سمجھ لو۔ جب تمہیں حقیقت کے پہچاننے میں دقت نہوئی تو مجھے کس طرح ہوتی۔ اسپتال میں میرے پاس کچھ روز تک نہ معلوم کس خیال سے آتے رہے۔ اس وقت بھی ان کا سارا عشق رسمی باتوں تک محدود ہوکر رہ گیا تھا اور میں بھی اس خیال سے خاموش ہو کر بیٹھ گئی۔

اس مفصل گفتگو کے بعد گلاب کو رخشندہ سے اتفاق کرتے ہی بن پڑا۔

آج پھر نہ معلوم کتنے عرصہ کے بعد دونوں میں راز و نیاز کی باتیں ہوئیں پہلے بھی جب کبھی انھیں تنہائی میں گفتگو کرنے کا موقع ملا تو ان کی باتوں کا موضوع خالد ہی کو نصیب ہوتا تھا۔ آج بھی روئے سخن اسی کی طرف تھا مگر اس گفتگو کے دوران میں جو چیز گلاب کو بار بار اکساتی رہی وہ رخشندہ کی مزاجی حالت تھی اس کا کیریکٹر تھا جو اس کے لئے اور زیادہ معمہ بنگیا وہ کہنے لگی۔

مگر ایک بات تو بتلائیے۔ زندگی کا مقصد سلیم کے ساتھ عمر گذارنے کا تھا یا خالد کے ساتھ؟ میں تو دراصل آج تک یہی فیصلہ نہ کر سکی کہ دونوں میں سے آپ کو کون زیادہ عزیز تھا۔ سلیم کے ساتھ آپ اپنی محبت کا اعلان کرتے ہوئے کبھی نہیں شرمائیں مگر خالد کا ذکر بھی آپ کے اندر چنگاریاں پیدا کرتا رہا۔ اب نہ معلوم ان دونوں میں آپ کے لئے ہیرو کی حیثیت کون رکھتا ہوگا؟

یہ فیصلہ تو ابھی تک کوئی بھی نہیں کر سکا اور سچ پوچھو تو میں بھی وثوق کے ساتھ کسی ایک کا نام اپنی زبان پر نہیں لا سکتی۔ اکثر میں نے یہ سوال خود بھی اپنے دل سے کیا ہے مگر کسی خاص نتیجہ پہ نہ پہنچ سکی۔ خالد اور سلیم کا مقابلہ میں نے زندگی بھر کیا مگر وہ صرف اچھائیوں اور برائیوں کی تمیز تک محدود رہا۔ میں ان دونوں کے بارے میں اگر کوئی فیصلہ کر سکی تو صرف یہی کہ سلیم میں اچھی عادتیں ہیں اور خالد میں بُری۔ مگر انسان اپنی عادتوں سے بھی بالاتر کوئی اور چیز ہوا کرتا ہے اور اسے پسند یا ناپسند کرنے میں اس کی اچھائیوں یا برائیوں کو بہت کم دخل ہوتا ہے۔ بلکہ بعض حالتوں میں تو پسندیدہ انسان کی برائیاں خوبیاں بنکر نظروں کے سامنے آتی ہیں۔

خالد کی مثال شاید ایسی ہی ہے جوانی کو جن حربوں کی ضرورت ہوتی ہے وہ اس کے پاس ہیں۔ اور جس کا استعمال بھی وہی خوب جانتا ہے۔ میں زندگی میں خالد کی برائیوں سے جسقدر قریب رہی اتنا سلیم کی اچھائیوں سے نہیں۔ اس لئے میری زندگی ہر بدہ جیدیہ انھیں کی طرف بھاگی اور اب

بھی کبھی کبھی بھاگ نکلتی ہے۔ اگر میں اسے پورے اختیار کے ساتھ نہ روکوں۔ تم نے جس وقت خالد کے بلانے کا مطالبہ کیا تو میرا دل بھی بے اختیار چاہا مگر میری زبان سے زبردستی وہ باتیں نکل گئیں جو میرے دل کی آواز نہ تھیں اور اب اس عمر میں مجھے اپنے دل ہی کو کچلنا ہے خواہ وہ جتنا بھی تڑپے یا مچلے سلیم کے ساتھ میری وارفتگی اسی شدت کا نتیجہ ہے۔ میں نے زبردستی اپنے آپ کو اس کی ذات سے وابستہ کر لیا مجھ پر خالد سے زیادہ اسی کا دنیاوی حق تھا اور وہ اسے کسی نہ کسی طرح ملنا چاہیئے تھا۔ مگر میرے اس عزم کے باوجود خالد جب چاہتا مجھے میرے راستہ سے ہٹا سکتا تھا۔ پھر جب اسنے ایسا نہیں چاہا تو میں بھی خاموش ہی رہی۔

مگر یہ کس قدر افسوس کی بات ہے۔ گلاب کہنے لگی کہ آپ اپنی طبیعت اور مزاج کے خلاف اپنی زندگی سے لڑتی رہیں اور دنیا کو اس کا علم نہ ہو سکا۔

دنیا کو ان فضولیات سے دلچسپی بھی کیا ہوتی۔ امی جنھیں میری ساری زندگی پر عبور ہونا چاہیئے تھا وہ بھی اپنے اس آخری وقت میں یہی سمجھیں کہ میں خالد کو سلیم کے مقابلہ میں ہیچ سمجھتی ہوں۔ بہت دنوں تک وہ میرے دل کا کرداربن کر میری زبان کو جھٹلاتی رہیں۔ خالد کے ساتھ انھوں نے وہ پرانے عہد و پیمان پھر میری خاطر زندہ کئے۔ سلیم کو میرے راستے سے ہٹانے کی ہر امکانی کوشش کی مگر میری غلط بیانی سے گھبرا کر آخر کار خاموش ہو گئیں اور اب تک خاموش ہیں۔ آج میں دو سال کے بعد ان کے پاس آئی تو انھوں نے سلیم کی خیریت تک مجھ سے نہیں پوچھی۔ بلکہ انھیں یہ افسوس تھا کہ خالد

نے اس گھر کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ دیا اور گھر کے ہو رہے ۔

تو یہ کہئے گلاب نے تعجب سے کہا آپ کو اگر کوئی سمجھ سکا تو وہ صرف بی بی جی تھیں ۔

اور سمجھا بھی کون ؟ رخشندہ نے جواب دیا ایک ماں ہی اپنی لڑکی کو سب سے زیادہ سمجھ سکتی ہے ۔

انھوں نے مجھے سمجھا اور میرے غلط سمجھنے سے ہمیشہ لڑتی رہیں ۔ ان کی یہ ساری زندگی مجھے ہی سنوارنے میں گزری لیکن میں ہمیشہ اپنے دل کا ساتھ دینے سے انکار کرتی رہی آج بھی انکار کر رہی ہوں اور یہی چاہتی ہوں کہ جو کچھ میری زبان نے کہا ہے وہ پورا ہو سلیم کی محبت کا میں دعویٰ کر بیٹھی ۔ مجھے اس دعوے کو اپنی زندگی کی آخری سانسوں تک برقرار رکھنا ہے ۔

ایک بات کہوں اگر آپ برا نہ مانیں ۔ گلاب رخشندہ کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھ کر پوچھنے لگی ۔

ہاں ہاں تم دس باتیں کہو رخشندہ نے مسکرا کر جواب دیا ۔ مجھے برا ماننے کی اول تو عادت نہیں اس کے علاوہ تمہیں آج اپنا ہر شک میرے متعلق مٹا لینا چاہئے ۔ مجھے کم از کم اس احساس ہی سے خوشی ہوگی کہ تم میرے متعلق وہ سب کچھ جانتی ہو جو دنیا نہیں جانتی ۔

تو پھر اجازت ہو تو سلیم خاں کو جا کر لے آؤں ۔ میں اپنی آنکھوں سے انھیں اس شکل میں دیکھ لوں ۔ جو آپ نے مجھ سے بیان کیا ۔

تم یہ دیکھنا چاہتی ہو کہ انھیں میرے ساتھ کوئی لگاؤ نہیں رہا ۔

جی ہاں گلاب بولی۔ میری آنکھوں نے تو جو کچھ دیکھا ہے۔ وہ کانوں کی سنی ہوئی باتوں سے بالکل مختلف ہے۔

اب حقیقت دیکھ کر اپنی آنکھوں کو اگر تکلیف دینا چاہو تو خالد کو بلا لینا ورنہ جو کچھ میں نے کہا ہے اسپر تمہیں یقین کرنا چاہیئے۔ خالد کو اتنی عمر میں میں نے اتنے قریب سے تو دیکھا ہی ہے کہ اس کی ہر حالت کا اندازہ جب اور جس وقت چاہوں لگا لوں۔

میں بھی دیکھ لیتی اپنی آنکھوں سے تو کتنا اچھا تھا۔

لیکن اگر وہ تمہارے بلانے سے نہ آئے؟

ایسا تو ممکن نہیں گلاب نے جواب دیا۔ میں انھیں زبردستی پکڑ کر لاؤں گی۔

اچھا تو پھر لے ہی آؤ انھیں۔ رخشندہ نے اپنی آمادگی ظاہر کردی۔ تم اپنی اک ذرا سی آزمائش کے لئے ہم دونوں کو ملا کر دیکھ لو۔

گلاب اتنا اشارہ پاتے ہی فوراً اٹھ کر کوٹھی سے باہر نکل گئی۔ اس کے دل میں تو اب تک یہی سمایا ہوا تھا کہ خالد اور رخشندہ اگر پھر سے مل گئے تو اس گھر کی حالت ایک دفعہ بدل کر رہے گی۔

رخشندہ پھر ماں کے کمرہ میں آکر بیٹھ گئی۔ نرگس نے ابھی تک رخشندہ کو جی بھر کے دیکھا بھی نہ تھا۔ وہ جیسے ہی ماں کے سامنے آئی تو نرگس نے دبی زبان سے پھر کہا۔

اپنا کمرہ جاکر دیکھا ہوگا تم نے؟ اس میں بھی تو اب خاک ہی خاک

ہے۔ نہ معلوم کب تک اپنی بے سروسامانی پر رویا کیا اور میں اپنی ضعیفی کی وجہ سے اس کے آنسو نہ پوچھ سکی۔ نہ اب اس میں وہ ایرانی قالین رہے نہ مسہریاں غرضکہ تمہاری زندگی کی ہر زینت تمہارے ساتھ ختم ہوگئی۔

جی ہاں دیکھا میں نے رخشندہ کہنے لگی۔ نقشہ تو سارے گھر کا ہی بدلا ہوا ہے ہر کمال کے بعد زوال کا آنا لازمی ہے اور وہ آگیا۔

اور ایسا کہ جواب کبھی نہ جائیگا۔ نرگس بے تاب ہوکر کہنے لگی۔ وہ کمال بھی تمہاری ہی برکت تھا اور یہ زوال بھی تمہارا ہی لایا ہوا ہے۔ اس لئے نہ تم اس کمال سے خوش تھیں اور نہ اس زوال سے رنجیدہ۔

جی ہاں مجھے نہ کوئی خوشی تھی نہ اب غم ہے اور آپ بھی ان باتوں کا کچھ خیال نہ کریں۔ جب زندگی عروج و زوال کی شکل اختیار کرلے تو گھر کی چیزیں زیادہ اہمیت نہیں رکھتیں۔

تو پھر اب کیا چاہتی ہو؟ زندگی کا عروج و زوال کب تک دیکھتی رہوگی اب آکر اپنے گھر میں رہو۔ اسپتال کی زندگی سے اگر اب تک نہیں گھبراتی ہو تو اپنے اوپر رحم کھاکر یہاں چلی آؤ۔ سلیم کو بھی لاکر رکھو اور خود بھی رہو۔ اسپتال نہ کسی کی زندگی بڑھا سکتا ہے نہ لے سکتا ہے اور انھیں تو اب علاج سے زیادہ دعا کی ضرورت ہے، یہاں میں خود بھی تمہاری دعاؤں میں شریک ہوجایا کرونگی۔ بچہ کے لاڈ پیار میں میرا دن کٹ جائیگا۔ زندگی کے اس پرشباب دور میں تو تم نے میرا کہنا نہیں مانا مگر اس دور میں جو کم نصیبی اور غم کا ہے اگر تم نے ضد نہ کی تو مصیبتوں میں خاصی کمی ہوجائیگی۔

گلاب خالد کو لینے جا چکی تھی رخشندہ سلیم اور نجمہ کو لانے کے لئے اُٹھ کھڑی ہوئی مگر آثار کچھ ایسے تھے کہ نہ خالد کے آنے کی امید تھی نہ سلیم اور نجمہ کے۔

رخشندہ نے جاتے جاتے ماں سے کہا۔

میں جا رہی ہوں امی سلیم کو لینے۔ گلاب بھی خالد کو لینے گئی ہے۔

پھر وہی سلیم اور خالد نرگس نے جل کر کہا دونوں کا ایک ساتھ نام لے لے کر تم نے مجھے کہیں کا نہ رکھا، کسی ایک کا نام زبان سے لیتیں تو مجھے معلوم ہوتا کہ آنیوالا کون ہے؟ یہ دونوں ایک ساتھ تو کبھی نہیں آئے اور نہ اب آئینگے۔

رخشندہ کے چلے جانے کے بعد نرگس اسی طرح بڑبڑا رہی تھی، پھر جب اس نے گھوم کر دیکھا تو اسے یہ احساس ہوا کہ وہ اس وقت دیواروں سے ہم کلام ہے +

سلیم کو رخشندہ ماں کے گھر لے آئی۔ یہاں آنے کے بعد بھی اس نے حیرت سے ایک ایک چیز کو دیکھنا شروع کیا۔ کوٹھی میں اب پہلا سازو سامان نہ تھا مگر در و دیوار وہی تھے اور جنھیں دیکھکر سلیم کچھ سوچنے لگا۔ جب وہ کسی چیز کو غور سے دیکھتا تھا تو اس کا انداز صاف ظاہر کرتا تھا کہ چیزوں کو پہچاننے میں اپنے دماغ پر انتہائی زور دے رہا ہے۔ اس کی تشویش اس کی ناکامی کا پتہ دیتی تھی۔ بہت دیر تک ادھر اُدھر دیکھنے کے بعد جب اس نے ناامید ہوکر گردن جھکائی تو رخشندہ نے اسے بھولی ہوئی بات یاد دلانے کی کوشش کی۔ وہ کہنے لگی۔

اس گھر کو بھی بھول گئے۔ امی کی کوٹھی ہے یہ جہاں تمہیں آتے ہوئے بڑا لیس و پیش ہوا کرتا تھا۔ اس کمرہ میں ڈرائنگ روم تھا جہاں تم اور رخسانہ آکر

بیٹھا کرتے تھے۔ گردشِ زمانہ نے اس کی حالت بدل دی ہے مگر جگہ وہ زمین وہی ہے۔
پھر وہ گلاب کو سامنے کھڑا کر کے کہنے لگی۔

اور اسے بھی نہیں پہچانا تم نے۔ گلاب ہے یہ امی کی خادمہ۔ تمہارے پاس میرے پیغام بھی لے کر جایا کرتی تھی۔ بڑی خدمت کی ہے اس نے ہم دونوں کی۔ ذرا امی کو یاد کرو امی کو جو تمہیں یہاں بیٹھ کر جائے پلاتی تھیں تم سے باتیں کیا کرتی تھیں۔

امی — ؟ سلیم نے کچھ یاد کرتے ہوئے اپنے دماغ پر زور دیا۔

ہاں! ہاں امی!! رخشندہ خوش ہو کر کسی نامعلوم امید کے ساتھ بولی۔
بلاؤں انھیں؟

اور اتنا کہنے کے بعد رخشندہ دوڑی ہوئی گئی اور ماں کو اپنے ساتھ لاکر سلیم کے سامنے کھڑا کر دیا۔

پہچانا، انھیں تم نے، یہ ہیں امی۔ تم کو ان سے برابر شکایتیں رہیں یہ تمہیں بُرا بھلا کہتی تھیں۔ انھیں نے تمہیں بتایا تھا کہ میں خالد کے ساتھ موٹر پر گھومنے گئی ہوں۔ خالد یاد ہیں تمہیں؟ وہ تمہارے دوست جن کے موٹر سے حادثہ ہو گیا تھا اور پھر جنہیں جیل جانا پڑا۔

یوں نہیں، نرگس بیچ سے بات کاٹ کر کہنے لگی۔ میں بتلاتی ہوں انھیں کہ خالد کون تھا۔ میری گفتگو کے انداز سے شاید یہ مجھے بھی پہچان لیں۔

وہ سلیم کی طرف مخاطب ہو کر اپنے اسی مخصوص انداز میں کہنے لگی۔

تمہارے پاگل ہو جانے پر سب کو تعجب ہے مگر مجھے نہیں۔ وہ دوستوں

کے درمیان جب کوئی عورت آکر کھڑی ہو جائے گی تو ایک کا پاگل ہو جانا لازمی ہے۔ اسی لئے میں تمہیں شروع دن سے سمجھاتی رہی کہ رخشندہ کا پیچھا چھوڑ دو، تم نے وقتی طور پر ایک لڑکی کی عادتیں بدل دیں جو ایک طوائف کے بطن سے تھی۔ مگر اس کی فطرت نہ بدل سکے اور فطرت بدلا بھی نہیں کرتی۔ رخشندہ ہمیشہ اسی کی تھی جس کے پاس نئے ماڈل کی گاڑی رہی۔ اور اب بھی اسی کی ہے۔ تمہیں دنیا اس حالت میں دیکھ کر پاگل کہتی ہے۔ میرے نزدیک تو تم اسوقت بھی پاگل تھے جب تم ایک خوب صورت لڑکی کے لئے خالد کے مقابلہ پر آئے اور میرے سمجھانے کے باوجود بھی تمہاری سمجھ میں کچھ نہ آیا۔

نرگس نے ذرا سا رک کر سلیم کے چہرہ کی طرف دیکھا اور رخشندہ ماں کی طرف دیکھ کر اس کی خوشامد کرنے لگی۔

اب اس قسم کی باتوں سے کیا فائدہ امی۔ میں اس لئے انھیں لیکر یہاں نہیں آئی ہوں کہ آپ اپنی باتوں سے انھیں آخری وقت تکلیف دیں ایک ایسے مریض کے دل دکھانے سے فائدہ جو چند روزہ ہو۔

میرا مقصد دل دکھانا نہیں نرگس کہنے لگی۔ میں تو انھیں وہ باتیں یاد دلا رہی ہوں جن کا اثر شدت کے ساتھ ان کے دماغ پر ہوا۔ اس چوٹ کو چوٹ ہی اچھا کر سکتی ہے۔ دیکھو نہ میری باتیں سنکر ان کے چہرہ کا رنگ متغیر ہو گیا۔ ضرور دل و دماغ پر کچھ اثر پڑا ہو گا۔

لیکن یہ بھی تو ممکن ہے رخشندہ کہنے لگی کہ چوٹ زخموں کو اور زیادہ گھائل کر دے۔ یہ سچ ہے کہ ان کا نفسیاتی علاج اسی طرح ممکن ہے کہ

جو تلخیاں ذہن میں سما گئی ہیں انھیں کریدا جائے مگر اسقدر بے دردی سے نہیں کہ زخموں سے خون آنے لگے۔

میری بے دردیاں تمہاری آنکھوں میں خواہ کھٹکیں مگر دراصل تمہارے بے رحم سلوک نے ان کی یہ حالت کی۔ میرے پاس بے درد الفاظ تھے عمل نہیں۔ تم اپنے خوب صورت لفظوں سے انھیں دھوکا دیتی رہیں۔ میں نے تو دماغ کو راہ راست پر لانے کی کوشش کی تھی۔ تم اسے بگاڑنے پر آمادہ تھیں۔ آج بھی میں ان کی بھلائی کے لئے یہ سب کچھ کہہ رہی ہوں ورنہ ایسے اس کے پاگل پن سے نہ میرا کوئی فائدہ ہے نہ نقصان۔

نرگس اتنا کہنے کے بعد پھر اپنے کمرہ میں واپس جانے لگی تو سلیم نے بڑھ کر خوفناک آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا پھر پوچھنے لگا۔

رخشندہ کہاں ہے؟

رخشندہ سامنے ہی کھڑی ہوئی تھی وہ سلیم کی یہ حالت دیکھ کر گھبرا اٹھی اور چاہا کہ سامنے آکر اس سے باتیں کرنے لگے مگر نرگس نے اسے روک دیا اور ہاتھ کے اشارے سے کہا کہ وہ فوراً کمرہ کے باہر نکل جائے۔ رخشندہ کو گھبراہٹ بھی تھی اور حیرت بھی۔ اس لئے کہ نرگس نے سلیم کے لئے جو علاج تجویز کیا تھا۔ اس کے اثرات نمایاں مرتب ہونا شروع ہو گئے تھے۔ کمرہ سے رخشندہ کے چلے جانے کے بعد نرگس کہنے لگی۔

اسے تو آج صبح ہی سے خالد آکر اپنے ساتھ موٹر پر لے گئے۔ کوئی نئے ماڈل کی گاڑی رخشندہ کے لئے خرید کر لائے تھے بتلا رہے تھے کہ اتنی

خوبصورت گاڑی شہر میں کسی اور کے پاس نہیں اور حقیقتاً تھی بھی بہت دل آویز
میں نے خود بھی اتنی خوب صورت گاڑی اپنی زندگی میں نہیں دیکھی۔
خالد ؟ سلیم نے ایک گہری فکر میں ڈوب کر پھر یہ سوال کیا۔
نرگس اور زیادہ گرمجوشی سے اس کو بتلانے لگی۔
ہاں! ہاں!! خالد۔ یاد کرو وہ جنھیں تم ایک دن اپنے ساتھ رخشندہ کے یہاں لے کر آئے تھے۔ وہ جنھوں نے رخشندہ کو تم سے چھین لیا۔ جو رخشندہ کے ساتھ شادی کرنے جا رہے تھے وہ جنھیں رخشندہ تم سے زیادہ چاہتی تھی۔
خالد اور رخشندہ سلیم نے ٹھہر ٹھہر کر کہنا شروع کیا۔ ان ناموں کو میں نے سنا ہے۔ یہ نام میرے دماغ میں گونجے ہیں۔ مگر میں نہ کسی خالد کو جانتا ہوں نہ رخشندہ کو۔ نہیں نہیں سلیم کی آواز میں ڈر اور گھبراہٹ پیدا ہو گئی۔
وہ چلا چلا کر کہنے لگا۔
میں ان میں سے کسی کو نہیں جانتا۔ میں نے کسی رخشندہ نام کی لڑکی سے محبت نہیں کی کسی خالد نے رخشندہ کو مجھ سے نہیں چھینا۔
چھینا ہے نرگس اسی طرح سنجیدگی سے کہنے لگی۔ یہ تمہارے لئے اتنا بڑا صدمہ تھا جس نے تمہارا حافظہ تک تم سے چھین لیا۔ خالد تمہارا دوست تھا اور رخشندہ تمہاری زندگی، یہ دونوں ہستیاں بڑی شدت کے ساتھ تمہارے ذہن میں موجود ہیں۔
میری زندگی ؟ سلیم نے اس جملہ کو اضطراب کے ساتھ پھر دُہرایا۔

ہاں! ہاں!! تمہاری زندگی نرگس کہنے لگی جس نے تمہیں خوب صورت دھوکا دینے کے لئے تمہارے ساتھ شادی بھی کرلی۔ وہ تمہاری زندگی تھی مگر تم اس کی زندگی نہ تھے۔ وہ خالد پر عاشق تھی مگر ہمیشہ اس نے اپنے اس عشق سے انکار کیا۔ عورت کی محبت موٹر چاہتی ہے۔ دولت سے کھیلنا کودنا اس کی میراث ہے۔ تمہارے پاس یہ کچھ نہ تھا۔ تم غریب تھے اپنی شرافت کے زعم میں، تمہیں یہ شک تھا کہ تم ایک طوائف کی لڑکی کو شرافت کی زندگی بسر کرنے پر آمادہ کرسکو گے۔ مگر تم اسکی فطرت نہ بدل سکے۔ اب بھی نہیں پہچانا تم نے رخشندہ کو۔

نہیں۔ سلیم نے پھر اسی طرح گردن ہلائی جیسے کوئی معصوم بچہ کسی مشکل بات کو نہ سمجھ کر اس کا اظہار کرتا ہے۔

نرگس اپنے کمرہ میں ناامید ہوکر واپس چلی گئی جہاں رخشندہ پہلے سے بیٹھی ہوئی اس کی منتظر تھی۔ اس نے ماں کو دیکھتے ہی پوچھا۔

پہچان لیا سب کو؟

کہاں! تم سے کسی ایک کو اگر پہچان لیتے تو ساری دنیا نظروں کے سامنے آجاتی۔ اسوقت کی باتوں سے ایسا معلوم ہوا کہ قریب قریب پہچان کر پھر بھول گئے۔ ذہن میں ساری چیزیں موجود ہیں مگر اتنی دھندلی اور دور دور کہ وہ تصور کی پکڑ میں نہیں آتیں۔

پھر وہ باتیں انھیں کس طرح یاد دلائی جائیں۔

زبان سے یاد دلانے کا نتیجہ تو میں نے اس وقت دیکھ لیا۔ اب اگر

وہ باتیں عمل سے یاد دلائی جائیں تو شاید دماغ پر کچھ اثر ہو۔

یہ سوال شاید تم نے اس لئے کر دیا کہ وہ عمل تم میری زبان سے سننا چاہتی ہو۔ اپنی زبان سے اسے دہراتے ہوئے تم اب ڈرتی ہو۔ اور یہی ایک مشکل ہے کہ جن باتوں کو تم بھلا دینے پر آمادہ ہو وہ سلیم کو یاد دلانا پڑینگی۔

مثلاً رخشندہ تعجب سے ماں کے چہرے کی طرف دیکھ کر بولی۔ سمجھی تو میں اب تک کچھ بھی نہیں۔

اچھا تو سمجھو نرگس نے بتلانا شروع کیا۔ خالد کو بلاکر اس کے ساتھ پھر محبت کے پینگ بڑھاؤ۔ شاید تمہارا یہ خیال ہو کہ اب اس کے دل سے تمہارا خیال نکل چکا ہے اور اسے تمہاری ذات سے دلچسپی نہ ہوگی۔ مگر دراصل ایسا ہے نہیں۔ تم نے گا ہے بگاہے اس کو چھوڑ کر سلیم کو جس طرح پکڑا ہے وہ برابر خلش بن کر خالد کے دل میں کھٹکی اور اب تک کھٹکتی ہوگی۔

عورت کی بے نیازی اس کی کامیابی کا بہت بڑا راز ہوا کرتی ہے حالانکہ تمہیں اپنی بے نیازی سے فائدہ اٹھانا کبھی نہ آیا۔ اب اگر میرا کہنا مانو تو خالد کو بُلا بھیجو۔

گلاب کو میں نے کل بھیجا تھا۔ رخشندہ دبی زبان سے کہنے لگی۔

پھر کیا جواب ملا۔

آج آئیں گے۔ پہلے میرا بھی یہی خیال تھا کہ شاید نہ آئیں مگر آپکا خیال صحیح تھا۔

میرا خیال ہمیشہ صحیح ہی نکلا ہے۔ نرگس ہنس کر کہنے لگی خالد آئیں تو اُن

سے آج کی رخشندہ بن کر نہ ملنا بلکہ اب سے چند سال پہلے کی۔ جب کہیں قیامت کا ذکر آتا تھا تو مراد تمہاری جوانی سے ہوتی تھی۔

مگر اب وہ جوانی ہے کہاں؟ رخشندہ پوچھنے لگی۔

خالد کی آنکھوں اور اس کے دل میں۔ پاگل لڑکی یہ تو ہر عورت جانتی ہے کہ اس کی امانتیں محفوظ رہا کرتی ہیں وہ امانت تیرے پاس بھی ہے۔ تم اتنے عرصہ سلیم کے ساتھ رہ کر احساس کمتری کا شکار ہوگئیں ورنہ ... ابھی تک کچھ بنا بگڑا نہیں۔ پریشانی میں دبلی ضرور ہوگئی ہو بے فکری محبت اور خالد کی ناز برداریاں جب پھر تمہارا ساتھ دیں گی تو اپنی اصلی حالت پر آجاؤگی۔

رخشندہ اس طرح گردن جھکاکر محجوب ہوئی جیسے نئی نویلی دلہن ہو۔ نرگس نے اتنا کہکر خاموشی اختیار اختیار کرلی۔ گلاب آئی اور رخشندہ کو پھر اپنے کمرہ میں لے گئی وہاں اس نے اس کے سولہ سنگار کئے حقیقتاً رخشندہ کو دولہن بناکر جب اسے گلاب نے بڑا آئینہ دکھایا تو دل کی دھڑکنیں رقص کرنے لگیں رخشندہ ہر ہر رخ سے آئینہ دیکھنے میں مصروف تھی اور گلاب گا رہی تھی:-

"ناچو ناچو میرے من کے مور"

رخشندہ اور خالد آخرکار ملے اور ان کی یہ پہلی ہی ملاقات وہ تمام صلاحیتیں لئے ہوئے تھی جن کی طرف نرگس نے اشارہ کیا تھا اور گلاب نے آس لگائی تھی خالد میں بظاہر کوئی فرق نہ تھا۔ آنکھوں میں وہی شرارت، ہونٹوں پر دلربا ہی تبسم چال ڈھال اور طرزِ گفتگو میں وہی لوچ اور نکھار البتہ رخشندہ میں خصوصیات کم ہوکر کچھ سوگواری پیدا ہوگئی تھی جو آج بھی خالد کو بہت پسند آئی۔ اجڑے ہوئے ڈرائنگ روم میں پہلے تو نرگس اور گلاب بھی موجود تھیں، مگر یہی گفتگو کا وقت جب ختم ہوگیا تو یہ دونوں وہاں سے اٹھ کر چلی آئیں اور رخشندہ کو خالد کے ساتھ تنہا چھوڑ دیا گیا۔ خلوت کی خاموشی میں خالد نے ایک دفعہ پھر رخشندہ کو ایسی نظروں سے دیکھا جس کے کچھ معنی و مطلب ہوتے تھے اور رخشندہ نے فوراً ہی شرما کر اپنی نگاہیں نیچی کرلیں۔ یہ راز و نیاز جب آنکھوں کے ذریعہ ہوچکا تو خالد

نے زبان بھی کھولی۔ وہ اپنی کرسی سے اٹھ کر رخشندہ کے پہلو میں آکر بیٹھ گیا اور پہلی دفعہ اس نے رخشندہ کے ملائم ہاتھوں کو اپنے مضبوط ہاتھوں میں لے کر پوچھا۔
اور کہو پچھلے چند مہینے کیسے گذرے؟

بغیر تمہارے، رخشندہ نے بجائے جواب دینے کے خالد سے یہ سوال کیا۔

ظاہر ہے کہ میرے بغیر ہی گذرے خالد کہنے لگا ویسے وہ دن اگر میرے ساتھ گذرتے تو میں اس قسم کا سوال ہی کیوں کرتا۔

رخشندہ خالد کا مطلب سمجھ کر ہنسنے لگی پھر اس نے اپنے کو آمادہ کرکے کہا۔

دن تو بہرحال گذر ہی جاتے ہیں۔ مگر تمہارے نہ ہونے سے بہت بے کیف گذرے۔ زندگی کا جو معیار تم نے بلند کردیا تھا وہ قائم نہ رہ سکا اور اس لئے بے کیفی دن بدن بڑھتی ہی چلی گئی۔

میں نے تو یہ سنا کہ تم نے توبہ کرڈالی اس لئے آنے کی ہمت نہ کرسکا کل تمہاری توبہ کے ٹوٹنے کا اعلان گلاب سے معلوم ہوا تو پھر دوبارہ آنے کی جسارت ہوئی ہے۔

خوب! رخشندہ نے زیرلب مسکرا کر کہا۔ تمہیں بلانے کے لئے پہلے توبہ کا توڑنا بھی ضروری ہے۔ مگر میں نے تو اپنی توبہ کو ہمیشہ کرکے توڑا اور اس کا مجھے افسوس بھی ہے۔ تم اور توبہ ہمیشہ مجھے عزیز رہے اور یہ میرے لئے ناممکن ہوگیا کہ دونوں کو ایک ساتھ قائم رکھ سکوں۔

یہ ٹوٹی ہوئی توبہ بھی ایک چیز ہے خالد کہنے لگا۔ مگر اتنی سخت قسم کی توبہ

کرنی کیوں ہو جو بعد میں توڑنا پڑے۔

یہ کیسے معلوم تھا کہ تم میری توبہ کا مقابلہ کرنے کے لئے پھر مجھے مل جاؤ گے

میں نے پہلے صبر کیا پھر توبہ۔

صبر کا پھل نہ ملا اور توبہ ٹوٹ گئی۔ لیکن تمہاری آخری توبہ تھی جو ٹوٹی اب اس ٹوٹ پھوٹ کے بعد کسی مزید توبہ کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ اقرار تمہیں مجھ سے کرنا پڑے گا۔

رخشندہ خاموش ہو گئی اس لئے کہ اب تو اسے اس کی یہ خواہش منظور تھی خالد بھی بیٹھا ہوا اس کے چہرے کو بغور تکتا رہا۔ بھولی بھٹکی، تمام راہوں کے نشانات اسے ملے اور وہ ایک ایک مقام کو یاد کر کے لطف اندوز ہوتا رہا رخشندہ میں واقعی کچھ بگڑا نہ تھا۔ آنکھوں کی متانت اور سنجیدگی سے جو ایک ہلکی سی پریشانی چہرہ پر پھیل گئی تھی خالد کو وہ بہت پسند آئی۔ اس نے اک دم سے بیٹھے بیٹھے یہ تجویز پیش کی کہ کہیں گھوما پھرا کیوں نہ جائے؟ ہندوستانی مہینوں کے اعتبار سے ساون کا مہینہ ختم ہو کر بھادوں لگ گیا تھا۔ آسمان پر ہاتھی کی شکل کے کالے کالے بادل منڈلا رہے تھے۔ ٹھنڈی ہوائیں۔ سہانا دن رخشندہ کا خود بھی دل چاہتا تھا کہ ایسے میں کہیں گھوما پھرا جائے۔ اس نے خالد کی یہ تجویز بھی منظور کر لی اور ساتھ ہی یہ بھی کہا۔

اگر چلیں تو شہر سے کہیں باہر کسی چھوٹے سے گاؤں یا دیہات میں۔ اس قسم کا موسم ہو تو شہر اچھا نہیں معلوم ہوتا۔

رات وہیں گذارنے کا ارادہ ہے؟ خالد نے بڑی امیدوں کے ساتھ سوال

کہیا۔

اگر ہو جائے گی تو گذار ہی دینگے ۔ نہ معلوم کتنے عرصہ کے بعد آج کی رات گذرے گی. لیکن گاؤں یا دیہات میں رہیں گے کہاں!

کسی ڈاک بنگلہ میں قیام کریں گے خالد کہنے لگا۔ رات گذارنا ہو تو ایک درخت کا سایہ بھی بہت ہوتا ہے ۔

رخشندہ اس رات گذارنے کا مفہوم سمجھ کر ہنسنے لگی مگر فوراً ہی اسے اس روشنی میں پھر اندھیرا نظر آیا اور وہ سلیم کا خیال تھا ۔ خالد کو ابھی تک اس نے یہ نہ بتایا تھا کہ سلیم اس گھر میں موجود ہے اس لئے اگر وہ بتلاتی تو گفتگو کا موضوع ہی بدل جاتا اس کے علاوہ اب اسے سلیم کے وجود سے کچھ شرم بھی آنے لگی تھی. جب سے اس کی دماغی حالت پلٹی وہ اس کا ذکر کسی سے نہ کرتی تھی مگر خالد سے اُسے مجبوراً بتلانا پڑا وہ بولی ۔

سلیم بھی تو یہیں ہیں میرے ساتھ

اس گھر میں ؟ خالد اک دم سے چونک پڑا ۔ مگر تم نے اب تک ان کے متعلق کوئی تذکرہ نہیں کیا ۔

تذکرہ ہی کیا کرتی ۔ دماغی حالت خراب ہو جانے سے وہ اب کسی کو نہیں پہچانتے ۔ تمہیں بھی نہیں پہچانیں گے ۔

خالد پر سلیم کے نام سے خاموشی طاری ہو گئی ۔ وہ خاموش بیٹھا ہوا رخشندہ کی باتیں سنتا رہا. سلیم کے متعلق کوئی سوال اس نے اپنی طرف سے نہیں کیا. جب اس عجیب و غریب کیفیت سے وہ گذر چکا تو رخشندہ نے خود ہی ٹوک کر

اس سے کہا۔

چپ کیوں ہو گئے؟ سلیم کا اسی لئے کوئی ذکر میں نے کرنا نہ چاہا تھا کہ تمہارے ذہن پر اس کا غلط اثر پڑے گا۔ دو دوستوں کے ذہنوں میں اگر اتفاق نہ ہے تو یہی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہی چیز سلیم کے دماغ میں شدت کے ساتھ پیدا ہو گئی جو اس وقت تمہارے دماغ میں موجود ہے اور ان کا دماغ ماؤف ہو گیا۔ اب جبکہ تمہیں معلوم ہی ہو چکا ہے کہ سلیم یہاں موجود ہیں تو انھیں چل کر دیکھ لو۔

خالد نے اسی طرح خاموشی سے چلنے کی آمادگی ظاہر کی۔ سلیم کے کمرہ میں پہنچ کر رخشندہ بجائے اندر جانے کے دروازہ کے پاس ٹھہر گئی۔ اس نے سوچا کہ خالد کے ساتھ اس کا ہونا شاید سلیم کے مضمحل دماغ کے لئے دوسری چوٹ ہو۔ خالد نے اندر جا کر سلیم کو پہلے سلام کیا پھر خاموشی سے سلیم کی مسہری کے ایک طرف بیٹھ گیا۔ اس کی مختلف دماغی حالتوں کا جائزہ لینے کے بعد اس نے پوچھا:۔

مجھے پہچانا نہیں تم نے؟ خالد ہوں تمہارا ــــــ ــــ"

ایسا معلوم ہوا کہ لفظ "دوست" اس کی زبان پر نہ آسکا۔ خود اس کی نظریں سلیم کے سامنے جھک گئیں مگر اس نے اپنی اس کمزوری کو رخشندہ پر ظاہر نہ ہونے دیا۔ جواب نہ کہ دروازے پر کھڑی ہوئی اس کی باتیں سن رہی تھی۔

خالد نے گفتگو جاری رکھتے ہوئے پھر کہا۔

سلیم خالد کے اس جملہ پر تھوڑا سا مسکرایا۔ پاگلوں کی ہنسی کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی ورنہ اس کی اس ہنسی میں بڑا طنز تھا۔ خالد کو اس بات پر تعجب

تھا کہ سلیم نے اسے پہچانا نہیں حالانکہ وہ خالد کو دنیا بھر سے زیادہ پہچانتا تھا اسے پہچاننے کے بعد ہی اس کا دماغ خراب ہوگیا۔ اب سلیم کی وہ مسکراہٹ قہقہوں میں بدل چکی تھی اور خالد کے ساتھ رخشندہ کو بھی یہ شک ہونے لگا تھا کہ شاید سلیم نے خالد کو پہچان لیا۔ قہقہوں میں پاگل پن اور خوف دونوں شامل تھا۔ رخشندہ گھبرا کر کمرہ کے اندر آگئی اور اسی وقت وہ قہقہے پھر سنجیدگی اور خاموشی میں بدل گئے۔ خالد پوچھنے لگا۔

اس قسم کے دورے کیا انھیں اکثر پڑا کرتے ہیں؟

ایسا خوف ناک دورہ تو آج ہی تمہارے سامنے پڑا۔ ورنا ان کا معمول ضرور تھا مگر آج کی یہ بے ساختہ ہنسی انھیں پہلی دفعہ آئی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمہیں دیکھنے کے بعد انھیں کچھ کچھ یاد ضرور آیا۔

لیکن مجھے پہچانا تو قطعی نہیں۔ حالانکہ میرے ہی استفسار پر انھوں نے قہقہے لگائے۔

اللہ جانے کیا بات دماغ میں آئی۔ رخشندہ نے تعجب سے کہا کس بات کا اثر لیا کونسی بات یاد آگئی مجھے تو حیرت ہو رہی ہے

اور پھر تمہارے اندر آتے ہی اکدم سے خاموشی یہ بھی کوئی کم حیرت خیز بات نہیں۔ اگر سوچا جائے تو ان کیفیات میں بڑی باریکیاں نکل سکتی ہیں۔

ان باریکیوں کا علم سب سے پہلے امی کو ہوگیا تھا ان کا خیال تھا کہ میری اور تمہاری ملاقاتیں جب عملی شکل اختیار کریں گی تو ان کا دماغ بھی ٹھیک ہوجائیگا یہ سب اسی کے آثار ہیں۔

ہو سکتا ہے خالد کہنے لگا۔ دماغ کی خرابی کے اسباب بھی میری اور تمہاری ملاقاتیں تھیں اس لئے صحت کا سبب بھی یہی ملاقاتیں بن سکتی ہیں۔

چلو پھر چلیں ہم دونوں۔ انھیں اللہ کے بھروسہ پر چھوڑ کر۔

رخشندہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی خالد ابھی چلنے کے لئے تیار ہوا مگر ان دونوں کے کمرہ سے نکلتے ہی سلیم کے قہقہے پھر بلند ہو گئے اب ان میں پہلے سے بھی زیادہ غل اور شور تھا، باہر سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کمرہ کی چھت ان قہقہوں سے اڑی جا رہی ہے، قہقہے بلند ہوتے رہے مگر رخشندہ اور خالد نے رکنا مناسب نہ سمجھا خوب صورت سی نئی ماڈل کی گاڑی جو کمپاؤنڈ میں کھڑی تھی اس پر دونوں آکر بیٹھ گئے۔ رخشندہ آج بھی خالد کے ہی پہلو میں آکر بیٹھی، کار اسٹارٹ ہو کر چلی تو قہقہے اور زیادہ بلند ہوئے۔ سلیم اس طرح قہقہے لگاتا ہوا اپنی مسہری سے اٹھ کر کھڑکی کے پاس آکر کھڑا ہو گیا، اب قہقہوں کی آواز میں ایک اضطراب بھی تھا، مگر جانیوالوں نے نہ قہقہوں کی پرواہ کی نہ اضطراب کی۔

نجمہ باپ کے ان قہقہوں کو سن سن کر برابر روئے جا رہی تھی۔ گھر بھر میں شاید ان قہقہوں کا اصلی مفہوم وہی سمجھتی تھی۔ اُسے گلاب نے رونے سے منع کیا، نرگس نے سمجھایا مگر اس کے آنسو کسی نہ تھمے۔ سلیم اب نجمہ کو نہ پہچانتا تھا، مگر نجمہ پہچانتی تھی۔ اپنی دعاؤں کو اٹھا کر اس نے بالائے طاق ضرور رکھ دیا تھا اس لئے کہ اتنے عرصہ تک ان کا کوئی اثر نہ ہوا اور اس کا معصوم دل مرجھا گیا تھا۔ مگر دل کے ہر گوشہ میں یہ خواہش تڑپ رہی تھی کہ ڈیڈی اچھے ہو جائیں، اُسے پہچاننے لگیں۔ اس سے ہمیشہ کی طرح باتیں کریں۔ پاگل ہو جانے کے بعد سلیم نے

کبھی اسے اپنے پاس بلایا بھی نہ تھا۔ باپ کے دل کی دھڑکنوں کی آواز برابر اس کے کانوں میں نہ معلوم کہاں سے آیا کرتی تھی۔ اس کا کتنا دل چاہتا تھا کہ وہ پہلے کی طرح پھر اپنے ڈیڈی کے سینہ پر سر رکھ کر سوئے، انھیں دھڑکنوں کو کان لگا کر سنے جنھیں وہ اپنی عمر بھر سنتی رہی ہے۔

گلاب اور نرگس کا سمجھانا بجھانا جب کام نہ آیا تو یہ دونوں اسے سلیم کے کمرہ میں لے کر گئیں۔ قہقہے کمرہ میں بدستور جاری تھے۔ سلیم اپنی مسہری سے کبھی کھڑکی کے پاس چلا جاتا اور پھر ہنستا ہوا مسہری پر آکر لیٹ رہتا۔ نرگس نے جاتے ہی ڈانٹا۔ وہ بھی نجمہ کی طرح ان قہقہوں کی وجہ سمجھتی تھی مگر اسے ان قہقہوں سے کوئی ہمدردی نہ تھی، اس نے سلیم کو مخاطب کر کے کہا۔

تم پاگل ضرور ہو مگر اپنے کو ہوش و حواس میں لانے کی کوشش بھی نہیں کرتے۔ تمہارے اس پاگل پن سے تم پر جو کچھ گذرتی ہے اس کا علم تو خدا ہی کو ہوگا مگر تمہاری وجہ سے جو پریشانی ہم سب کو ہے اسے ہم خوب سمجھتے ہیں۔ اسے دیکھو نجمہ کو یہ تمہاری لڑکی ہے جسے تم اپنے سینہ پر لٹا کر راتوں کو سویا کرتے تھے۔ تمہارے یہ قہقہے اس کے آنسو ہیں اور یہ اسی وقت بند ہونگے جب تمہارے ان قہقہوں کی آوازیں ختم ہو جائیں گی۔ اگر یہ قہقہے اس لئے بلند ہوئے ہیں کہ رخشندہ کو خالد اپنے ساتھ موٹر پر گھمانے لے گئے تو تمہیں شرم آنا چاہیئے تھی تاکہ تم ہنس رہے ہو۔ رخشندہ ہمیشہ خالد ہی کے ساتھ گھومی پھری، تم میں نہ کبھی اتنی توفیق تھی۔ نہ صلاحیت کہ تم اسے اپنے ساتھ گھما پھرا سکتے۔ نہ تمہارے پاس موٹر تھا نہ دولت۔ رخشندہ تھی مگر وہ خشک ٹہنیوں پر کب تک

بسیا لیتی اور آخر کار وہی ہوا جس کا اظہار میں نے آج سے بہت پہلے تم سے کر دیا تھا۔

قہقہے خود بخود ختم ہو چکے تھے۔ سلیم کے چہرہ پر اب اسقدر سنجیدگی اور خاموشی تھی جیسے اس کی نگاہوں کے سامنے موت کا سایہ حرکت کر رہا ہو۔ نیا رنگ و روپ بھی کسی کی سمجھ میں نہ آیا۔ نجمہ اور نرگس اب بھی اس کے چہرہ کی طرف بغور دیکھ رہی تھیں مگر جس طرح وہ قہقہے ان کے لئے بے مقصد تھے اسی طرح یہ سنجیدگی اور خاموشی بھی +

رخشندہ کافی رات گئے واپس ہوئی۔ خالد نے موٹر کو بہت خاموشی کے ساتھ کمپاؤنڈ میں داخل کیا۔ کوٹھی میں ہر طرف اداسی اور سناٹا پھیلا ہوا تھا کمروں کی بتیاں گل تھیں اور تمام لوگ بے خبری کے عالم میں پڑے ہوئے سو تھے۔ رات کے زیادہ گذر جانے کی وجہ سے گیلری کے اندر کا دروازہ بھی بند کر لیا گیا تھا۔ آپا کے رخصت ہو جانے کے بعد اب سر شام ہی سے اس گھر کے دروازے مقفل ہو جاتے تھے۔ گلاب کے موٹے جسم کو کوئی پوچھنے والا نہ تھا۔ پھر یہ دروازے کس کے لئے کھلے رہتے؟ رخشندہ نے گلاب کے کمرہ کی باہری کھڑکی کو ہلکے سے تھپتھپایا مگر اندر سے کوئی جواب نہ ملا۔ باآواز بلند کسی کو پکارنے میں اول تو شرم مانع تھی اس کے علاوہ یہ خوف کہ کہیں سلیم یا نجمہ بیدار نہ ہو جائیں۔ اس گھر میں رخشندہ کو اگر کسی سے حجاب تھا تو وہ نجمہ

تھی۔ خود اپنی لڑکی کے سامنے جاتے ہوئے وہ اس لئے شرماتی تھی کہ نجمہ کی بے گناہی اور معصومیت کے روبرو اس کا اپنا نجس وجود جانے سے پناہ مانگتا تھا۔ نجمہ اب اچھی خاصی سمجھدار ہو چکی تھی۔ عمر زیادہ نہ سہی مگر ان آئے دن کے تجربوں نے اُسے اتنا بوڑھا کر دیا تھا کہ وہ ساری باتیں سمجھنے لگی تھی۔ سلیم کے لئے اس کا یہی حجاب خوف بنگیا۔ اس کے اپنے ضمیر کی آوازیں برابر اس کے کانوں میں آیا کرتی تھیں۔ وہ اپنے کردار اپنے وجود پر لعنت بھی کرتی تھی، اچھائیوں کی قدر اور برائیوں سے نفرت کرنا اسے معلوم تھا۔ چنانچہ سلیم کی شریفانہ صفات اور خوبیاں اسے آجتک مرغوب تھیں مگر نہ معلوم وہ باوجود ہر توبہ کے خالد کی بدمستیوں کا شکار کیوں ہوتی چلی گئی۔ دروازے کھلوانے کی جب ہر مہم بیکار گئی تو اس نے خالد کو رخصت کر دیا۔ خالد نے اصرار بھی کیا کہ وہ اسکے ساتھ چلے تاکہ یہ باقی رات بھی انھیں آلودگیوں کی نذر ہو جائے جن میں اتنا وقت ختم ہوا تھا۔ مگر رخشندہ نہ مانی اور مجبوراً خالد کو تنہا واپس جانا پڑا۔ اس ذرا سی دیر میں خالد اور رخشندہ کے اندر محبت کی وہ تمام کیفیات پیدا ہو چکی تھیں جنھیں زمانہ نے وقتی طور پر چھپا رکھا تھا۔ اور اس لئے آپس کی یہ جدائی دونوں کو بہت شاق گذر رہی تھی۔ خالد نے جاتے ہوئے دریافت کیا۔

صبح کس وقت آؤں؟

جس وقت بستر پر آنکھ کھلے چلے آنا رخشندہ کہنے لگی۔ اگر میں سو رہی ہوں تو مجھے گلاب سے بیدار کروا لینا۔

خالد شب بخیر کہہ کر رخصت ہو گیا اور رخشندہ کمپاؤنڈ کی ہری ہری

گھاس پر بیٹھ کر اپنی زندگی کا جائزہ لینے لگی۔ عمر کے ان تیئس سالوں میں اسکی زندگی نے کئی کروٹیں لیں۔ پارسائی کا محض بہانہ کرتے کرتے عمر کا اتنا حصہ گذر گیا۔ زندگی کا یہ وہ حصہ ہے جب عورت سب کچھ کھو دینے کے بعد کچھ سیکھتی ہے مگر اب سوال یہ تھا۔ کہ جو کچھ رخشندہ نے کھویا اسے سرمایۂ حیات سمجھ کر رو یا جائے یا اب جو کچھ اسے ملا اسے زندگی کا تجربہ سمجھکر خوش ہوا جائے؟

انھیں خیالات کی ادھیڑ بن میں نہ معلوم کتنا وقت اور گذر گیا اور رخشندہ گھاس پر بیٹھی ہوئی محض اختر شماری کرتی رہی۔ اتنی دیر تنہائی میں بیٹھنے کے باوجود وہ اب تک کسی کو آواز دینے کی ہمت نہ کر سکی۔ بستر پر جانے کے لئے آنکھیں بند ہو رہی تھیں مگر دل ہر آہٹ پر خوف کی وجہ سے کانپ اٹھتا تھا۔ وہیں بیٹھے بیٹھے رخشندہ نے اپنے متعلق یہ بھی غور کیا کہ اس میں گناہوں کی وہ دلیری اور حرارت کیوں مفقود ہے جو عام طور پر ایسے لوگوں میں پائی جاتی ہے جیسا اسکی ماں نرگس میں ہے جس کے آثار گلاب ایسی کمتر لڑکی میں ملتے ہیں اور جو آیا میں پوری شدت کے ساتھ موجود تھی۔ اسی لئے تو جب اس کا دل گھبرا گیا وہ اس گھر پر لات مار کر چل دی۔ اپنے متعلق جب وہ اس کم ہمتی کی کوئی وجہ نہ معلوم کر سکی تو ذرا دیر کے لئے اسے اپنے اوپر غصہ آنے لگا۔ وہ زندگی بھر جذبات کا شکار اس بری طرح سے ہوئی کہ اپنے لئے کوئی نشان راہ نہ بنا سکی۔ ایک ہی وقت میں نیکیوں اور برائیوں کے پیچھے دوڑنے دوڑتے اس کا یہ حال ہو گیا کاش کہ وہ شروع ہی سے ماں کے کہنے پر چلتی یا سلیم ہی کو اپنا مطمح نظر بنا لیتی۔

اب نہ اس کے پاس اس کی ماں تھی نہ سلیم۔ اس کی اپنی اولاد کی بے زبانی تک میں انحراف تھا۔ البتہ خالد تھا ویسا ہی بدکردار ویسا ہی گنہگار، مگر ان تمام باتوں کے باوجود رخشندہ کا اتنا ہی دلدادہ اور پرستار۔

در اصل شکل تو یہی ہوئی کہ اچھائیاں برابر اپنے قالب بدلتی رہیں، مگر برائیوں نے کوئی رنگ نہ بدلا۔ رخشندہ کے لئے خالد میں وہی کشش برقرار رہی وہی جوش قائم رہا، پھر وہ ان برائیوں سے پیچھا چھڑا کر کہاں بھاگتی۔ دنیا کا نظام اگر سلیم کو غربت کی زندگی سے نکال سکتا تو خالد کی امارت بھی دم توڑ دیتی غربت نہ ہو تو نیکیاں گناہوں کا مقابلہ کرسکتی ہیں مگر اس موجودہ نظام میں تو سب سے بڑا گناہ مفلسی اور ناداری کو سمجھا گیا ہے سلیم نرگس کی نگاہوں کے علاوہ خود رخشندہ کی نظروں میں اسی لئے گر گیا۔ شرافت کے وہ بندھے ٹکے اصول کہ "ایک لڑکی اپنے شوہر کی ملکیت ہے" ایک طوائف کے گھر نہ چل سکے۔ پہلے ہی روز جو بحث نرگس اور سلیم کے درمیان چھڑی تھی اس کا تعلق رخشندہ کی فطرت تھی۔ جو عام طور پر ایک طوائف کی ہوتی ہے جس کے ذہن اور دل و دماغ کو ازل سے اس ڈھانچے میں ڈال دیا جاتا ہے۔ قصور وار رخشندہ تھی اس نے اپنی عصمت نہ بچائی۔ سلیم سے بے وفائی کرتی رہی۔ سامنے کی چیز جب اس طرح صاف صاف نظر آتی رہی تو دنیا کے بہت بڑے نظام کو جسے تشکیل دیا ہو اسے کون کہے۔ یہ سب کچھ کہنے کی ہمت نہ نرگس میں تھی نہ رخشندہ میں۔ سلیم اور خالد اپنی اپنی لاعلمی کی بنا پر رنجیدہ اور خوش تھے۔ حقیقتوں کو پرکھنے کے لئے اگر یہ زاویۂ نگاہ بنجائے تو اس اتنے بڑے انقلاب میں نہ قصور رخشندہ کا تھا نہ خالد کا۔ سلیم اور نرگس کی شکائتیں بھی بے اثر

تھیں۔ بات کا بننا یا بگڑنا اس کے اندرونی وجوہات کی بنا پر ہوتا ہے۔ ظاہرا باتیں تو صرف زبان تک آسکتی ہیں اس کے علاوہ کوئی کام نہیں کر سکتیں۔ رخشندہ کے دل پر جب غم کے بادل شدت کے ساتھ منڈلاتے تو ان کا ردِ عمل یہی ہوتا تھا جو اس وقت گھاس پر بیٹھے بیٹھے ہوا مگر وہ انھیں خیالات کی گود میں اب سو چکی تھی۔

تاروں کی چمک سفیدی میں بدلنے لگی اور رات کی چاندنی اندھیرا بنکر کمپاؤنڈ سے غائب ہوگئی مگر آسمان کی سفیدی سے یہ پتہ صاف چلنے لگا کہ صبح کاذب عنقریب ہے۔ اسی وقت گیلری کے دروازے سے سٹکنی گرنے کی آواز آئی اور نرگس نے دروازہ کھول کر ادھر اُدھر آسمان کی طرف نظریں گھماکر دیکھا لان کی گھاس پر جب کوئی لیٹا ہوا نظر آیا تو وہ رخشندہ کے قریب گئی اور فوراً ہی اسے پہچان کر جگانے لگی۔ کچی نیند میں آنکھیں ملتے ہوئے وہ فوراً اٹھکر بیٹھ گئی۔ کچھ تھوڑا سا اپنی حالت سے شرمائی ہوئی وہ سمٹی سمٹائی بیٹھی تھی وہ رخشندہ سے کہنے لگی۔

تم تو بھینکی ہوئی چیز ہو کر رہ گئیں۔ رات میں واپس ہوئی تھیں تو مجھے آواز دیکر جگا کیوں نہ لیا میں دروازے کھولدیتی۔

تکلیف ہی تو ہوتی آپ کو رخشندہ نے کہا۔ سلیم کا بھی خیال تھا کہ اگر ان کی آنکھ کھل گئی تو کیا ہوگا؟

سلیم کی آنکھوں کا حال تو اللہ ہی کو معلوم ہوگا نرگس کہنے لگی مگر مجھے ساری رات میں کئی دفعہ اٹھی اور گردن اٹھا اٹھا کر تمہارے بستر کو دیکھا۔ نہ معلوم

اُسے یہ تشویش کیوں رہتی ہے کہ تم کہاں گئی ہو کس کے ساتھ گئی ہو؟

کچھ پوچھ بھی رہی تھی آپ سے؟

پوچھا تو کچھ بھی نہیں مگر میں نے اس کی معصوم آنکھوں کے اندر جھانک کر سب کچھ معلوم کر لیا، تمہاری بھی اس عمر میں یہی حالت تھی۔ گناہ سے کچھ نہ کچھ کھٹک تو معصوم دلوں میں پیدا ہوتی ہے مگر ہمارے یہاں اس قسم کے سبق بچوں کے ذہنوں پر بُرا اثر نہیں کرتے بلکہ ان کے شعور کو بیدار کرتے ہیں۔

کتاب زندگی کے یہ پلٹے ہوئے اوراق ہیں جنھیں اب میں دہرا رہی ہوں۔ نجمہ کو بھی شاید اپنی جوانی میں یہی ورق پھر پلٹنا پڑیں۔

پلٹنا نہیں یہ کہو کہ پڑھنا پڑیں گے۔ نرگس ہنس کر بولی۔ پلٹنا تو انھیں زمانہ ہے۔ تم نے مثال سنی ہوگی کہ تواریخ اپنے آپ کو دُہراتی ہے۔ وہ یہی چیز ہے جو اس وقت تم نے نجمہ میں دیکھی اور جو مدت ہوئی میں تم میں دیکھ چکی ہوں۔

نرگس اور رخشندہ باتیں کرتی ہوئیں اندر چلی گئیں۔ گیلری سے ملے ہوئے کمرہ میں گلاب پچھاڑ کھائے ہوئے سو رہی تھی اور اس کے خراٹوں کی آواز سے سارا کمرہ گونجا ہوا تھا۔ صبح کے وقت کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہواؤں نے نرگس میں کچھ ضرورت سے زیادہ خوش مذاقی پیدا کر دی تھی۔ گلاب کے خراٹوں کی آواز سنکر وہ ہنسی پھر کہنے لگی۔

ان خراٹوں کی آواز میں تنہائی کی فریاد مضمر ہے۔ عورت کی زندگی میں اگر مرد کی موجودگی شامل نہ ہو تو اس کی ساری نزاکتیں ختم ہو کر یہی صورت اختیار

کر لیتی ہیں۔ جو اس وقت تم گلاب کی دیکھ رہی ہو۔ بیچاری زندگی کا ہر معیار کھو کر صرف اپنا موٹاپا بڑھا رہی ہے اور خیال تو آج پہلی دفعہ میں نے اس کے سینے۔ کس قدر زور زور سے لیتی ہے۔ مگر یہ سب کچھ بے نیازی کا ہے۔ کسی کے آنکھوں کا نور ہوتی تو اس کا جسم بھی خوب صورت رہتا اور ادائیں بھی دلفریب۔

رخشندہ نے ماں کی اس بے مقصد بات کا کوئی جواب نہیں دیا وہ بہت خاموشی سے نرگس کے کمرہ میں پہنچ کر اسی کی مسہری پر بیٹھ گئی۔ اب صبح کی روشنی دھیرے دھیرے نمودار ہو رہی تھی۔ مؤذن کی آوازیں دور اور قریب کی مسجدوں سے کانوں میں آ رہی تھیں۔ ان آوازوں کا کوئی مفہوم نہ سہی مگر ان میں ایک کیفیت ضرور تھی۔ رخشندہ زندگی بھر رات گئے تک جاگنے کی وجہ سے ان آوازوں کے اثر سے لاعلم تھی مگر نرگس اپنی اس عمر میں صبح اٹھنے کی عادی ہو چکی تھی اور اس پر اب مؤذن کی صدائیں بڑا خوشگوار اثر کرتی تھیں کسی خوش الحان کی آواز پر اس نے اپنے کان کھڑے کر کے رخشندہ سے کہا۔

کتنا جادو ہے اس آواز میں کتنی پر اثر اور گہری موسیقی۔ اللہ کی وحدانیت کا اعلان جس قدر سادے طریقہ پر کیا جاتا ہے اسی میں دنیا کا سب سے زیادہ بڑا پن شامل ہے اور شاید یہی خدا کے سب سے بڑے ہونیکی دلیل بھی ہے ہماری گمراہی کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ ہم صبح کی نعمتوں سے محروم رکھے گئے ورنہ پند ونصیحت سے قطع نظر ہمیں صرف یہ آوازیں مقدس اور باایمان بنا سکتی تھیں لیکن دنیا والوں نے ہمارے سونے اور جاگنے کے اوقات بدل کر

ہمیں اس نعمت سے محروم کردیا۔

آپ ایمان اور تقدس کو مانتی ہیں رخشندہ پوچھنے لگی۔

ہر حقیقت اپنی جگہ پر مان لی جاتی ہے حقیقت تو خود ہی منوالیتی ہے کوئی ماننے یا نہ مانے۔ میں نے ایمان کی بالیدگیوں کو کب نہیں مانا لیکن مذہب نے ہمیں خود ہی اپنانے سے انکار کردیا۔ ہمارے پیشہ کو حرام کہا لیکن اسی مذہب کے ماننے والوں نے نظام وہ بنادیا کہ ہمیں اپنے پیشہ سے بھاگنے کی ہمت نہ ہوئی ہمیں اس پیشہ کی گمراہیوں سے نکالنے کے لئے نہ کوئی قدم مذہب نے اٹھایا نہ مذہب کے ماننے والوں نے پھر بھی ہم سے جو کچھ ہو سکتا ہے ہم اپنے مذہب اور ایمان کی خدمت کرتے ہیں۔ اس کا افسوس ہے کہ پوری طرح سے اس کے اصولوں کو نہ برت سکے۔ ہمارے یہاں مذہب اور پیشہ خون میں رچی ہوئی چیزیں ہیں۔ کوئی ہم سے ہمارا پیشہ چھڑانا چاہے تب بھی ناممکن اور مذہب لینا چاہے تب بھی ناممکن۔ اب یہ انصاف تو خدا ہی کے گھر جاکر ہوگا کہ غلطی پر کون تھا ہمارا طبقہ یا دنیا کے لوگ۔

رخشندہ اس گفتگو کے بیچ سے کہیں سوگئی ماں کی ملائم مسہری اور گدگدے بستر نے جسم کو آرام دیا تو آنکھیں خود بخود بند ہوکر محو خواب ہوگئیں۔ نرگس کے جو کچھ جی میں آرہا تھا وہ کہے جارہی تھی مگر رخشندہ کی طرف سے ان باتوں کا کوئی جواب نہ تھا۔

غرضکہ دن اس طرح کٹتے چلے گئے خالد کے ساتھ رخشندہ کا تعلق اب ویسا ہی تھا جیسے کے لئے نرگس نے ہمیشہ کوشش کی تھی۔ سلیم کی حالت بدستور

تھی اور اس میں کسی تبدیلی کی امید بھی نہ پائی جاتی تھی البتہ نجمہ اب وہ نہ تھی۔ وہ اپنے سن وسال کے اضافوں کے ساتھ کچھ اسقدر بدلی کہ اس میں کم سنی کے باوجود ایک پوری عورت کا رکھ رکھاؤ آگیا۔ عمر کی منزلیں تو ابھی تک چودہ یا پندرہ ہی طے ہوئی تھیں۔ مگر اس کی عقل اور لیاقت کسی بڑی عورت سے کم نہ تھی اور بعض اوقات تو ایسا ہوتا کہ ماں کا پینتیس سالہ تجربہ اس کی پندرہ سال کی صغرسنی کو زیر نہ کرسکتا اور وہ مجبور و بے بس ہو کر نجمہ کا منہ اس طرح تکنے لگتی۔ جیسے اس کے سامنے بچہ ہو۔ نجمہ اب اسکول کے آخری درجہ میں تعلیم پا رہی تھی۔ پڑھائی کے گھنٹوں کے بعد کبھی کبھی وہ ریحانہ کے پاس آکر بیٹھ جاتی۔ رخشندہ نے خاص طور پر نجمہ کو ریحانہ ہی کے سپرد کیا تھا۔ مگر دونوں کی گفتگو سے جو مطلب بآسانی نکالا جا سکتا تھا۔ وہ یہی تھا کہ یہ سپردگی کسی دائمی علیحدگی کا پیش خیمہ بنے گی۔ نجمہ ہی نے ریحانہ کو ایک دن بتایا۔

میں دنیا میں سوائے ڈیڈی کے کسی اور کو اپنا عزیز نہیں سمجھتی۔ امی کے متعلق میرے خیالات ہمیشہ سے خراب تھے اور اب بھی ہیں۔

بُری بات ہے بیٹی ریحانہ اُسے سمجھانے لگی۔ تمہارے خیالات اس عمر میں کسی کے متعلق اچھے یا بُرے نہ ہونا چاہئیں۔ رخشندہ بہن بھی ماں کے خلاف تھیں یہ اس وقت کا ذکر ہے جب ہم دونوں تمہارے برابر تھے مگر رفتہ رفتہ زمانہ نے ساری تلخیاں ختم کردیں تمہارے یہ اختلاف بھی ختم ہوجائیں گے۔

شاید۔ نجمہ کہنے لگی مجھے تو ایسی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ میں ہائی

اسکول کروں تو اپنے ڈیڈی کو لے کر الگ رہوں مجھے نہ امی سے کوئی لگاؤ ہے نہ نانی امی سے۔ میرے بس میں ہوتا تو اپنے اس وجود سے انکار کرتی کہ میں ایک بدنام گھر میں پیدا ہوئی۔ وجود اور پیدائش پر انسان کو کوئی اختیار نہیں ورنہ ان غلط جگہوں کا سد باب ہو سکتا تھا۔ اس موجودہ دور میں ایسے گھروں کی کوئی ضرورت بھی نہیں۔ ان بدنام گھروں کی عورتوں کو بیویوں کی شکل میں بدلا جا سکتا ہے۔

وہی سماج جس نے انھیں ان بدنام گھروں میں پیدا کیا۔ میں ان عورتوں کو برا نہیں کہتی مگر ان کی ہمتیں بندھانا بھی ہمارا فرض نہ ہونا چاہیئے۔ ہر برے کام کے کچھ نہ کچھ وجوہ ہوتے ہیں اس کے باوجود بھی برا کام برا ہی کہا جائیگا۔ اور اسے کسی مصلحت کی بنا پر اچھا کہنا در اصل اسی گندے ماحول اور نظام کی پرورش کرنا ہے جس نے ملک کی اتنی بے شمار عورتوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

باتیں تو بے حد سمجھداری کی کرتی ہو تم ریحانہ کہنے لگی مگر جو خرابیاں ہمارے سماج یا ماحول میں جڑیں پکڑ چکی ہیں انھیں آسانی سے دور نہیں کیا جا سکتا۔ اس وقت دنیا میں ہر اصلاح کا مطلب انسان کو برائیوں سے اور زیادہ قریب کرنا ہے موجودہ مذہب اور موجودہ سیاست میں شاید بال کے برابر فرق ہو حالانکہ مذہب کا وجود ہماری مہذب دنیا میں اس لئے ہوا کہ سیاست کے حیلے پوری طرح اپنا کام نہ کر سکیں۔ عوام جو سیاست کا شکار رہوں۔ انھیں مذہب اپنے اصولوں سے بچاتا رہے لیکن اب، اس کا رونا کس طرح رویا جائے کہ مذہب

سیاست کا شکار ہوگیا اور وہ حربے جنہیں تنہا سیاست نہ استعمال کر سکی تھی، مذہب کے ہاتھوں پورے ہوئے۔ اب تمہیں بتاؤ کہ ایسی حالت میں جب ایمان اپنا منہ موڑ چکا ہو ہم سماج یا نظام کی اصلاح کس طرح کر سکتے ہیں؟

سماج کا بنانا تمہاری امی یا نانی امی کو راہ راست پر لانا تو نہیں ہے۔ ہماری اجتماعی زندگی برائیوں سے اس طرح منسلک ہو چکی ہے کہ اب اس کے لئے کسی اصلاح کی ضرورت نہیں۔ اس سماج کو تو اپنے بام عروج ہی پہنچ کر دم توڑنا پڑے گا اور وہ اب سے بھی بہت نزدیک۔ ظلم کی یہ دھوپ جب بڑھتے بڑھتے بالکل سیاہ ہو جائے تو سمجھ لو کہ وہ بام عروج آگیا اور وہیں سے خود بخود سماج کی اصلاح شروع ہو جائیگی اسلئے کہ وہ برائیوں کی آخری حد ہے۔

مگر انہیں ہم کلیہ نہیں کہہ سکتے نجمہ نے پھر اپنے دلائل لا کر سامنے رکھے سر کی ٹوپی اگر پیر میں پہن لی جائے تو ٹوپی کو مطعون کرنا کہاں تک جائز ہوگا؟

یہ تو تم نے اپنی ناتجربہ کاری کی بناء پر شاید غلط مثال دے دی ریحانہ نجمہ کی بات کاٹ کر بول پڑی۔ ٹوپی کا پیروں میں پہن لینا سیاست نہیں ہے بلکہ پیر کا سر سے بدل جانا سیاست ہے اگر کوئی شخص اپنے پیر کو سر سے زیادہ عزت دے جو موجودہ زمانہ میں ہو رہا ہے تو اس کی اس حرکت پر مجھے یا تمہیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ پیروں میں جتنے قیمتی جوتے پہنے جاتے ہیں سروں پر ویسی ٹوپیاں نہیں رکھی جاتیں۔ غرضکہ ٹوپی کی جگہ جوتوں نے لے لی اور اسی کو سیاست کہتے بھی ہیں۔ بظاہر نہ ٹوپی کا قصور اور نہ جوتے کا اور مقصد بھی حل ہوگیا۔

آپس کی یہ بحث جب ضرورت سے زیادہ طول کھینچ گئی تو ریحانہ نے اسے سمجھا بجھا کر گھر روانہ کر دیا اور رخشندہ کو ٹیلی فون پر اطلاع دے دی کہ بات کہاں تک پہنچی اور کہاں پہنچکر ختم ہوگئی۔ ان دونوں کا آپس کا یہ عہد و پیمان تھا کہ وہ نجمہ کے دل و دماغ پر اس قسم کے غلط اثرات برابر چھوڑتی رہیں گی اور خواہ رخشندہ کی باتوں پر نجمہ کان نہ دھرے مگر ریحانہ کی سمجھائی ہوئی باتوں پر عمل ضرور کریگی۔

خالد اور رخشندہ کی شادی میں اگر کوئی چیز مانع تھی تو وہ نجمہ کی ذات تھی ورنہ سلیم کی شادی سے قبل اور اس کے بعد دنیا پر یہی ظاہر ہو سکا کہ رخشندہ صرف خالد کی داشتہ ہے اور اب اتنے دنوں کی بدنامی کے بعد صرف شادی ہی ایک ایسی چیز تھی جو عیبوں پر پردہ ڈال سکتی۔ خالد نے نرگس کی کوٹھی کو پھر اسی پرانی روش پر سجادیا تھا۔ ٹیلی فون۔ ریڈیو سٹ۔ فرنیچر ایرانی قالین، خدمت گار اور بیرے خالد اپنے باپ کے انتقال کے بعد اس کی ساری جائیداد کا تنہا مالک قرار پایا اور رخشندہ کی خوشیوں پر روپیہ پانی کی طرح سے خرچ کرنے لگا مگر ساتھ ہی اس کا یہ اصرار بھی اپنی جگہ پر بدستور قائم تھا۔ کہ رخشندہ اس کے ساتھ شادی کر کے ہمیشہ کے لئے اس کی ہو رہے۔

نرگس کا بھی یہی تقاضا تھا اور گلاب بھی اب سلیم کی طرف سے ناامید ہو کر یہی چاہتی تھی کہ خالد سیٹھ کی ساری دولت اسی گھر کی لونڈی بن جائے۔ مگر رخشندہ کو خود اپنی جگہ پر انکار تھا کچھ تو اس وجہ سے کہ ریحانہ کی رائے نہ تھی اکا خیال تھا کہ نجمہ کے بھڑکے ہوئے شعلہ پر اس شادی نے اگر تیزاب کا کام کیا

تو نتائج برے نکلیں گے ۔ وہ ایک معلمہ کی حیثیت سے نجمہ کے مزاج اور کردار کو رخشندہ سے بہتر سمجھتی تھی ۔ دوسرے سلیم زندہ تھا ۔ وہ اپنی مقید زندگی کے باوجود بھی ابھی تک سانسیں لے رہا تھا ۔ دماغ کی حالت تو وہی تھی مگر قہقہوں کے طنز اور مسکراہٹوں میں اب پہلے سے زیادہ اضافہ تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسی نہ کسی دن حقیقتوں کو اپنی زبان سے اُگل ضرور دیگا ۔

گلاب صبح شام اس کے کمرہ میں جاکر ناشتہ رکھ آتی ۔ پھر کھانے کے وقت وہیں جاکر اسے کھانا کھلا آتی ۔ رخشندہ نے تو ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے بھی اس کو اس طرح فراموش کر دیا تھا گویا سلیم کو پہچانتی نہ ہو ۔ نہ اب اُسے اسکی بیماری کا درد تھا نہ اس کی نگاہوں کے سامنے کھڑی ہو کر خالد سے باتیں کرتے ہوئے وہ گھبراتی تھی ...... کچھ روز اور گذرے ، دنوں کو ہفتوں اور ہفتوں کو سالوں میں منتقل ہوتے بہت دیر نہیں لگتی اور نہ ان کے گذر جانے کا احساس ہوتا ہے نجمہ اٹھارہ سال کی عمر میں اپنے بھرپور شباب پر آئی تو نرگس کا سر ہلنے لگا اور رخشندہ کے سر کے دو چار بال کھچڑی ہو کر پکنا شروع ہو گئے مگر یہ وہ وقت تھا جب رخشندہ اور نجمہ میں اکثر و بیشتر بالمشافہ گفتگو ہو جاتی ۔

رخشندہ نے اسے ایکدن اپنے پاس بٹھا کر سمجھانا شروع کیا ۔

میرے اور تمہارے درمیان کچھ باتیں رازین کر اب تک پردہ پوشیدہ باتی رہیں جنھیں آج غور سے سُن لو ۔

نجمہ ہمہ تن گوش تھی کہ رخشندہ نے بڑی ہی سنجیدگی سے اُسے پہلی بات یہ بتلائی کہ وہ سلیم کی لڑکی نہیں بلکہ دراصل خالد کی ہے
نجمہ اک دم سے چونک پڑی اسے ایسا معلوم ہوا گویا اس کے ہاتھ سے اسکی ساری زندگی کا سرمایہ۔ حیات کا تقدس اک دم سے چھوٹ کر گر پڑا۔
وہ پوچھنے لگی۔
اس کا ثبوت ؟ حالانکہ دلائل کی روشنی میں اگر آپ اس بات کو نہ بھی ثابت کر سکیں تو میری زندگی کو مجروح کرنے کے لئے آپ کا صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے۔ اگر میں اس باپ کی لڑکی ہوں جس سے میں زندگی بھر نفرت کرتی رہی اور اپنی بقیہ زندگی بھر کرتی رہونگی تو بتایئے کہ میرے جیسے کا اب کونسا سہارا اس دنیا میں باقی رہ گیا۔
مگر تم اس حقیقت کو سنکر اس قدر گھبرا کیوں گئیں۔ تمہیں بہر حال اسکا علم ہونا چاہیئے تھا تاکہ تم آنیوالے حالات کا مقابلہ کر سکو۔
آنے والے حالات کا مقابلہ آپ کرینگی نجمہ نے فوراً جواب دیا مگر آپ اسکا ثبوت دیں کہ میرے والد ڈیڈی نہیں بلکہ خالد ہیں۔
ایسی حقیقتوں کا کوئی تعلق ثبوت سے نہیں ہوا کرتا۔ اس حقیقت سے صرف ہم اور خالد آشنا ہیں تمہارے ڈیڈی کو بھی اسکا علم کبھی نہ ہو سکا۔
میرے ڈیڈی ؟ نجمہ کی زبان سے یہ جملہ کچھ اس طرح نکلا جیسے ظلمت کا کوئی بہت بڑا پہاڑ ٹوٹ کر اس کے اوپر گر گیا ہو۔
مگر رخشندہ نے دلاسا دیتے ہوئے پھر بتایا۔

تمہارے منہ بولے ڈیڈی نے تمہارے ساتھ سلوک وہ ضرور کیا جو ایک حقیقی والد کو کرنا چاہیئے۔ اگر ان کا دل و دماغ صحیح ہوتا تو میں اس راز کو کبھی اپنی زبان پر نہ لاتی۔ مگر وہ تو کسی قابل نہیں اور تمہیں تمہاری اصلی جگہ پہ نہ لانے کے معنی یہ تھے کہ تمہیں ایک بہت بڑی دولت سے محروم کیا جائے۔ خالد کے بعد اسکی اتنی بڑی دولت کی تنہا تمہیں مالک قرار پاؤگی۔

نجمہ اب اس مسئلہ پر غور کر رہی تھی ایک طرف سلیم کی بے بسی اور بیچارگی تھی اور دوسری طرف خالد کی دولت اور وقار۔ اب اس کا والد ہے تو کون ہے؟ +
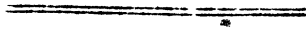
نجمہ سے اس خوفناک حقیقت کے اظہار کے بعد رخشندہ نے ماں کو شادی
کی رضامندی دے دی۔ محض خالد کے اصرار سے مجبور ہو کر ورنہ اندر سے اس کا
دل اب نہ کسی غم کا متحمل تھا نہ شادی کا۔ نرگس نے بھی اسے چین سے نہ بیٹھنے دیا۔
شادی کے بعد نجمہ ہی کا روشن مستقبل اس کی نگاہوں کے سامنے تھا۔ خالد کو بھی
اس عرصہ میں اس نے یہی یقین دلا دیا تھا کہ نجمہ حقیقتاً اسی کی لڑکی ہے۔ خالد
کو یہ خوش فہمی پہلے سے بھی تھی، اس کا دل نجمہ کو سلیم کی لڑکی ماننے کے لئے
کسی طرح تیار نہ ہوتا تھا۔ اس علم کے بعد اس نے نجمہ کو اپنی طرف راغب
بھی کرنا چاہا۔ پدرانہ محبت کا اظہار مختلف طریقوں سے کیا۔ مگر نجمہ اسے
خاطر میں نہ لائی وہ خالد سے برابر نفرت ہی کرتی رہی برخلاف اس کے
سلیم کی محبت اس کے دل میں اور زیادہ بیٹھ گئی اور اب اس کا زیادہ وقت

سلیمہ ہی کے کمرہ میں گذرنے لگا۔

رخشندہ نے اپنی اس تشویش کا اظہار پھر ریحانہ سے کیا۔ وہ شادی کی ان خبروں کو سن کر ایک دن خود ہی رخشندہ کو دیکھنے آئی اور باتوں باتوں میں پوچھا۔

میں نے سنا ہے پھر دولہن بننے جا رہی ہو تم۔ بھئی یہاں تو ایک دفعہ بھی بننا نصیب ہوا اور اب تو بڈھے بھی ہو گئے۔

یہاں بھی جوانی کا صرف تصور ہی اپنے پاس ہے باقی اور تو سب کچھ رخصت ہو چکا رخشندہ برابر ہنستی رہی اور ہتلاتی رہی اس نے کہا۔

شادی ہو تو ضرور رہی ہے مگر اللہ ہی جانتا ہے جس مصلحت کی بنا پر۔ اور ہاں رخشندہ یکدم کسی خیال سے چونک پڑی۔ بجمہ پر وہ حربہ بھی کارگر نہیں ہوا۔

کون سا؟

وہی جو تم نے بتایا تھا۔ میں نے ہمت کر کے آخر کار کہہ ہی دیا کہ وہ خالد کے نطفہ سے ہے مگر پھر بھی اُسے خالد سے کوئی لگاؤ نہیں ہوا۔ بلکہ سلیم کے ساتھ انسیت اور بڑھ گئی ہے۔ اب تو وہ رات میں لیٹتی بھی باپ ہی کے کمرہ میں ہے۔ میرے اس کہنے نے اسے اسقدر مشکوک کر دیا کہ اب وہ انہیں کی حفاظت کیا کرتی ہے آج کئی روز سے کالج بھی نہیں گئی وہ۔

کچھ بولو مت ریحانہ کہنے لگی۔ چلنے دو جس راہ پر وہ چل رہی ہے کچھ دنوں

کے بعد خود ہی سنبھل جائے گی کسی کو اس کے خون سے منحرف کرنا کچھ ایسا آسان کام تو نہیں - باپ بڑی نعمت ہوتا ہے رخشندہ - ہم اور تم تو اس معاملہ میں محروم القسمت تھے مگر نجمہ اس پدری دولت پر کیوں نہ ناز کرے -

امی کا بھی یہی خیال ہے کہ اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے- حالات جب اعتدال پر آئیں گے تو خود بخود ٹھیک ہو جائیگی -

خدا جب کوئی غم دیتا ہے ریحانہ کہنے لگی تو اسے دور کرنے کے اسباب بھی پیدا کر دیتا ہے - وہ اپنے اس غم کو سلیم کی قربت سے بھلا رہی ہے چند روز میں جب یہ کیفیت نہ رہے گی تو سب کچھ ٹھیک ہو جائیگا -

رخشندہ اور ریحانہ نے تھوڑا سا تبادلہ خیالات کر کے اپنے آپ کو مطمئن کر لیا - اب پھر دونوں میں شادی سے متعلق باتیں چل نکلیں - ریحانہ پوچھنے لگی -

ہاں پہلی دفعہ تمہیں اپنا دُلہن بننا یاد ہے ؟

یاد ہے مگر اب اس خیال سے تکلیف ہوتی ہے - یہ دن تو نجمہ کے دولہن بننے کے تھے -

مگر قسمت تو تمہیں بنانے پر آمادہ ہے -

اس دولہن اور دولہا کے علاوہ تمہارے پاس اور کوئی بات نہیں - رخشندہ نے بگڑ کر پوچھا -

اگر ہوتی بھی تو اس وقت دوسری باتوں کا ذکر کیا - خود اپنی حسرت کسی نہ کسی طرح زبان پر آ ہی جاتی ہے - مجھے دولہن بننا کہاں نصیب ہوا !

بنیں کیوں نہ؟ کسی نے ہاتھ پکڑا تھا، پروفیسر ریاض نے چاہا بھی تو اسے الو بنا کر چھوڑ دیا۔

تو پھر کیا تمہاری طرح گدھا بنا کر چھوڑتی۔ نہ بیچارے کو عقل کا رکھا نہ حواس کا۔ حال کیا ہے اب؟

جو دیوانوں کا ہوا کرتا ہے۔ ہر وقت کمرہ میں بند پڑے رہتے ہیں دیکھو نہ آخر کس قدر بیچارگی ہے نہ خود مریں نہ دوسرے کو زندہ رہنے دیں

شادی ہو کب ہی ہے؟" ریحانہ نے موضوع بدلنے کیلئے یہ سوال کیا۔

کل شام کو جلی آنا ذرا وقت سے پہلے۔ دو بجے موٹر بھیجوں گی تمہارے ہوسٹل۔

دو بجے؟

کیوں اس وقت کوئی آنے والا ہے تمہارے کمرہ میں۔

ریحانہ ٹھٹھا مار کر ہنس پڑی۔ پھر بولی

فرض کرو اگر کوئی آنیوالا بھی ہے تو کیا ہوا۔ آخر تم مجھے کنواری لڑکی سمجھ کر مجھے شک کی نگاہوں سے کب تک دیکھوگی؟

تم پر شک کرنے سے فائدہ؟ زخشندہ بولی۔ اگر کوئی آنے والا بھی ہے تو تم سے اپنی ہی عزت گنوا بیٹھے گا۔ تو مطلب یہ ہے کہ کل دو بجے آجاؤگی؟

ضرور۔ —— اور اتنا کہنے کے بعد وہ زخشندہ کے گھر سے رخصت ہوگئی۔

دوسرے دن شادی کے ہنگامے تھے۔ رخشندہ باقاعدہ پہلے کی طرح دلہن تو نہیں بنی مگر نرگس نے اسے کمرہ سے باہر نکلنے کی ممانعت کر دی تاکہ عروسانہ تہذیب کا کچھ تو تحفظ ہو سکے۔

مدعو کئے ہوئے چند مہمانوں سے گھر کی زینت ضرور بڑھی مگر بلائے ہوئے مہمانوں کی تعداد بہت کم تھی۔ ریحانہ بھی اپنا کالج ختم کر کے آگئی تھی۔

پروگرام کے مطابق باہر سے آئے ہوئے مہمانوں کو پارٹی دینے کے بعد نکاح کی رسم ادا کر دی جاتی مگر دو مولویوں کی تلاش اور ان کی آمد میں خاصی دیر لگ گئی۔

سلیم اور نجمہ حسب معمول اپنے کمرہ سے باہر نہیں آئے۔ شہنائی کی ہلکی ہلکی آوازوں کا شور تمام کوٹھی میں پھیلا ہوا تھا۔ خالد اپنے چند دوستوں

کے ساتھ بیٹھا ہوا خوش گپیوں میں مصروف تھا۔ رخشندہ نے گلاب کو اپنے کمرہ میں بلاکر تاکید کی کہ وہ سلیم اور نجمہ کو ان کے کمرہ میں لے جاکر چائے پلا آئے۔ کوٹھی کا یہ بالائی کمرہ سب سے الگ تھلگ تھا اور ان ہنگاموں کا غل شور اس کمرہ تک جاتے جاتے اپنا اثر زائل کردیتا تھا۔ اس لئے نہ نجمہ کو اس شادی کے ہنگامہ نے پریشان کیا نہ سلیم کو گلاب ناشتہ اور چائے لے کر اوپر گئی۔ کمرہ کے اندر اس نے پہنچکر دیکھا کہ باپ اور بیٹی ایک ہی مسہری پر لیٹے ہیں۔ نجمہ کا سر سلیم کے سینہ پر اسی طرح رکھا تھا جس طرح سلیم کو چین ملتا تھا اور نجمہ کو بھی گلاب نے جاتے ہی پکارا۔

نجمہ! ناشتہ کرلو

جواب کمرہ کی خاموشی میں اس گھڑی نے دیا جو دیوار پر لگی ہوئی ٹک ٹک کر رہی تھی۔

گلاب نے پھر آواز دی

نجمہ!

مگر کمرہ کی خاموشی کو کوئی چیز نہ چھین سکی۔

گلاب نے بڑھ کر مسہری پر ایک تشویش بھری نظر دوڑائی اور چلا کر چائے کے برتنوں کو زمین پر گرادیا۔

نجمہ اور سلیم دونوں کے ہاتھوں میں بجلی کے تار تھے جن کا کرنٹ دونوں کے جسموں میں اپنا کام کرچکا تھا۔

گلاب کے اس طرح بے ساختہ چلانے اور برتنوں کے ٹوٹنے کی آواز

سب سے پہلے رخشندہ کے کانوں میں گئی۔ نرگس کی ہر مخالفت کے باوجود وہ اپنے کمرہ سے نکل کھڑی ہوئی۔ اس کا دل جو کھٹکا تو عروسانہ بہاریں سوگوار بن کر نکلیں۔ اوپر کے کمرہ میں جاکر دیکھا تو نہ وہاں نجمہ تھی نہ سلیم بلکہ دونوں کی روحیں باپ اور بیٹی کی شکل میں اب تک برقرار تھیں۔ نجمہ کا سر باپ کے اسی سینہ پر رکھا تھا جس میں اب کوئی دھڑکن نہ تھی۔ گلاب محو حیرت بنی ہوئی کھڑی تھی اور زمین پر گرے ہوئے برتن خود اپنی زبان سے وہ فریاد کر رہے تھے جسے نجمہ اور سلیم اپنی زبان پر نہ لاسکے پاس ہی رکھی ہوئی میز پر نجمہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک پرچہ رکھا تھا جس میں تحریر تھا۔

دنیا کے سرمایہ نے جب ہماری تمام خوشیاں چھیننے کے بعد ہمیں بھی ایک دوسرے سے چھیننا چاہا تو ہم نے خودکشی کرلی تاکہ یہ موت ہمیں ایک دوسرے سے کبھی جدا نہ کرسکے مجھے آج ڈیڈی کے لیے جان سینہ پر سر رکھکر ابدی نیند آگئی اس لئے کہ میرا سر کسی دوسرے کے دھڑکتے ہوئے سینہ کے لائق نہ تھا۔ جو لوگ آج بھی ہماری اس قربانی کی قدر نہ کریں اور حقیقتوں کا مذاق اڑائیں انھیں میری یہ تحریر دکھا دیجیگا۔ یہ میرے الفاظ ہیں، مگر میرے ڈیڈی کی فریاد اور دنیا اگر اس فریاد کو بھی بے اثر سمجھے تو لعنت ہے اُس پر۔

گلاب گھبراکر پوچھنے لگی۔

کیا لکھا ہے اس پرچہ میں؟

رخشندہ نے کہا۔

کیا بتاؤں یہ ایک ایسی فریاد ہے جسے اسوقت پہلی دفعہ میرے

کانوں سے نہ سنا۔ تم سنوگی تو پاگل ہو جاؤگی ۔

کوٹھی میں پھیلے ہوئے شہنائی کے نغمے اسی وقت نوحہ میں تبدیل ہوکر رہ گئے ۔

اور اب یادِ ایام تھی اور شب کی تنہائی ۔ رخشندہ کی سوگواری حال اور ماضی کا جائزہ لیتے ہوئے بار بار اشک بار ہوتی تھی۔ اس دنیا میں اب کوئی اسکا نہ تھا وہ ماں کے گھر سے پھر اسی اجڑے فلیٹ میں لوٹ گئی جہاں کی ویرانیوں سے وہ گھبرا کر بھاگی تھی۔ دل کی دنیا اجڑ جائے تو ویرانیاں ایسی مونس وغم خوار بنتی ہیں جیسے ماں کی گود نرگس اور خالد کی ہنگامہ خیزیاں اب اس کے لئے خواب پریشاں بن گئیں۔ اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ وہ سلیم کی بیچارگی پہ روئے یا نجمہ کی قربانی پر ماتم کرے ۔ رات کے بے کراں سناٹے میں وہ اپنے بستر کی سلوٹوں کو ٹھیک کرتے کرتے اکثر غالب کا یہ مصرع گھر کے در و دیوار کو سنایا کرتی ع

کاوِ کاوِ سخت جانی ہائے تنہائی نہ پوچھ

مگر خاموش در اور دیوار کو کبھی اتنی توفیق نہ ہوئی جو اس کو کوئی تسلی بخش جواب دے سکتے۔ وہ جس طرح سلیم کی زندگی میں خاموش تھے۔ ویسے ہی اب بھی سکوت اختیار کئے ہوئے تھے ۔

ختم شد

راقم ثنا احمد ۱۲ رجب ۵ھ

خون ہی خون

پردیپ کی سالگرہ پر اس کی بیوی روپا کو پُراسرار طور پر قتل کر دیا گیا، پردیپ کی ماں نے جائے واردات سے ایک خونخوار چاقو اس لئے چھپا لیا کہ پردیپ کی جان بچ جائے۔

پردیپ کی بہن نے چاقو کو ٹھکانے لگانے میں مدد کی۔ پردیپ اور اس کی ماں و بہن تینوں کو قتل کے الزام میں دھر لیا گیا۔

شہزادہ تبسم بی اے کا بہترین خونی ناول "خون ہی خون" پڑھئے۔ جس کا ایک ایک لفظ خون میں ڈوبا ہوا ہے۔ — قیمت چار روپے آٹھ آنے

یاسمین

جب آسمان پر بادل چھا جاتے ہیں، جب پپیہے کی "پی کہاں" کی صدا فضا کو رنگین بنا دیتی ہے اور سننے والے مست و بیخود ہو جاتے ہیں اس وقت دو دھڑکتے جوان دلوں کی کیا کیفیت ہوتی ہے۔ اگر آپ نے کسی سے محبت نہیں کی تو آپ اس لذت، اس مستی، اس سرور اور اس رنگینی سے واقف نہیں ہو سکتے۔ لیکن آپکا محبوب فن کار انیس مرزا اپنے رومانی ناول "یاسمین" کے ذریعہ آپکو اس کیف اس سرور اور اس لطافت سے آشنا کراتا ہے۔ قیمت صرف پانچ روپے۔